دِل بھولوں کی بستی

2

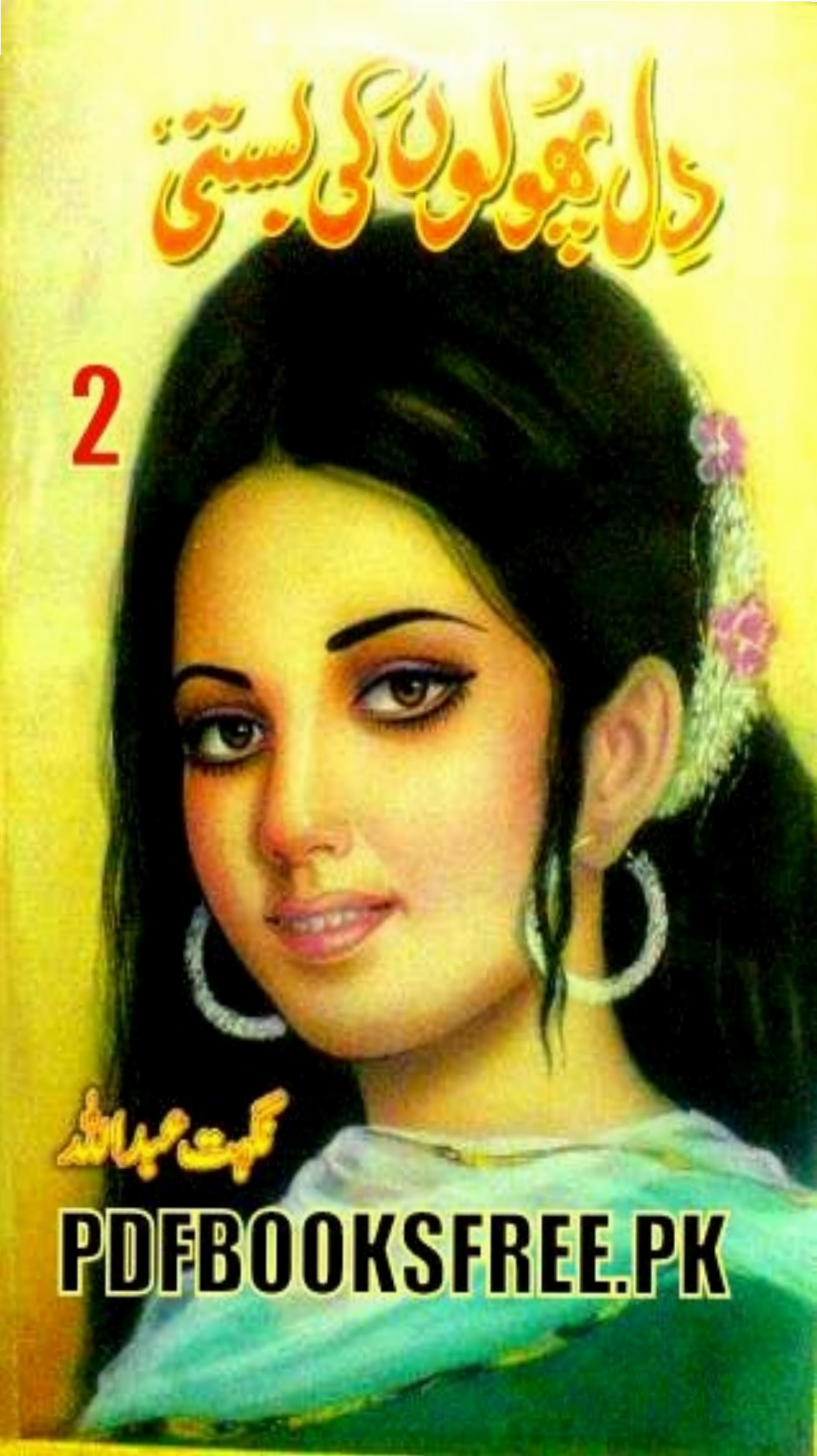

نگہت عبداللہ

PDFBOOKSFREE.PK

"کیوں نہیں جی، اپنے سائیں جی ایسا چلّہ کاٹیں گے کہ چھوٹے شاہ جی اسے چھوڑ کر سارے آپ کے پاس آجائیں گے۔ سائیں جی کہہ رہے تھے کہ بس آپ اجازت دے دیں پھر دیکھیں ان کا کمال۔ ادھر چالیس دن پورے ہوئے نہیں کہ۔۔۔"

"چالیس دن!" مہرالنسا جانے کیا سوچنے لگی تھی۔

"ہاں جی، چالیس دن زیادہ تو نہیں ہوتے، یوں گزر جائیں گے۔ بس آپ دو کالے بکروں کے پیسے دے دیں۔ سائیں جی کہہ رہے تھے آپ کی گود بھرنے والی ہے۔ پہلے اس کا صدقہ اتاریں گے۔ چاند سا بیٹا ہوگا۔"

جیراں کی آخری بات پر وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

وہ کتنی بار شاہ سکندر کے سامنے نبیل کے لیے تشویش ظاہر کر چکی تھی۔ اور اب اسی کے مشورے پر نبیلہ بھابی کے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ پھر دوسری طرف بیل جانے کے ساتھ ہی ریسیور اٹھایا گیا تو وہ فوراً بول پڑی۔

"نبیلہ بھابی ہیں۔؟"

"کون آسیہ۔" دوسری طرف اتفاق سے وہی تھیں۔

"جی السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! تمہیں شادی مبارک ہو۔" وہی انداز تھا ان کا۔

"جی۔" آسیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کی شادی کی مبارکباد دے رہی ہیں یا بڑے بھائی کی۔

"ابھی تک ویسی کی ویسی ہو۔ ارے اب تو شادی ہو چکی ہے تمہاری پابندیوں سے نکل آئی ہو۔ پھر کیا جی جی لگا رکھی ہے۔ کھل کر بات کرو۔" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ٹوکا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"وہ نبیل کیسا ہے؟"

"نبیل کی طبیعت نہیں سنبھل رہی۔ دو دن ٹھیک ہوتا ہے پھر پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ بہت اچھے اسپیشلسٹ کو دکھا رہی ہوں۔ اور یہاں کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے پھر پتا نہیں۔"

ان کے لہجے میں تشویش سے زیادہ اکتاہٹ تھی، جیسے بچے کی بیماری سے عاجز آگئی ہوں۔ جب ہی وہ کہنے لگی۔

"آپ اسے یہاں بھیج دیں۔ میرا مطلب ہے اماں جی کے پاس۔"

"نہیں آسیہ، جب تک تم تھیں مجھے اطمینان تھا۔ اب میں اپنے بچے کو وہاں نہیں بھیجوں گی۔" انہوں نے نہ صرف ابھی بلکہ آئندہ کے لیے بھی صاف منع کر کے آسیہ کو چکرا دیا تھا۔ کہ وہ فوراً کچھ بول ہی نہیں سکی۔ اور ادھر سے وہ مزید گویا ہوئیں۔

"اماں جی! بوڑھی عورت صرف واری صدقے جا سکتی ہیں نبیل کا خیال نہیں رکھ سکتیں۔ میمونہ اپنے بچوں میں گھری ہوئی ہے اور۔ ہاں سنا ہے تمہارے بھائی صاحب نے بھی دوسری شادی کر لی ہے۔"

"جی۔۔۔!" بولنے کی کوشش میں اس کے حلق سے ایسی ہی آواز نکلی تھی۔

"خیر، ان کے شادی کرنے نہ کرنے سے نبیل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہوں نے پہلے کب اس کا خیال کیا جو اب میں کہوں کہ دوسری عورت کی وجہ سے وہ بچے سے غافل ہو جائیں گے۔ وہ تو پہلے ہی غافل تھے۔"

انہوں نے بڑے بھائی کی شادی کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ پھر بھی پوچھنے لگیں۔

"ویسے کہاں کی ہے ان کی شادی؟"

"وہ سائرہ، چچا جان کی بیٹی۔" وہ اب جیسے مجبوراً یا مروتاً جواب دے رہی تھی۔

"سارہ۔ اچھا اب اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی؟" پھر قہقہہ لگا کر بولیں۔ "شہر بھائی کے لیے وہی ٹھیک ہے۔ نیک پروین۔"

آسیہ کا دل چاہا فون پٹخ دے لیکن نبیل کی وجہ سے ضبط کر گئی۔

"خیر تم سناؤ۔ سب پڑھا لکھا چولہے میں جھونک دی ہو یا؟"

"میری نبیل سے بات کرا دیں۔" وہ فوراً بول پڑی۔

"وہ سو رہا ہے۔" اُدھر سے عذر تیار تھا۔

"اچھا میں پھر فون کروں گی۔" اس نے فون رکھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ جانے کس احساس کے تحت اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"آسی! کیا ہوا؟" شاہ سکندر کچن سے نکلا تھا۔ اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر قدرے پریشان ہو گیا۔ تو اس نے آہستہ سے دونوں ہاتھ نیچے گرا کر اسے دیکھا اور یوں سر ہلایا جیسے کوئی بات نہیں۔

"وہ کیا نام ہے اس کا۔ تمہارا بھتیجا ٹھیک ہے۔ بات ہو گئی تمہاری اس سے؟" شاہ سکندر جانتا تھا کہ وہ ابھی نبیل کو فون کر رہی تھی۔

"ہاں نہیں۔ میرا مطلب ہے نبیل سے بات نہیں ہوئی۔" وہ کچھ کنفیوز ہو گئی۔ شاید اسے بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔

"اچھا اٹھو۔ دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔" شاہ سکندر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا تو اس نے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"کیا مطلب۔ تمہیں یاد نہیں احمد حسن نے کھانے پر بلایا ہے اور دوپہر میں نائلہ کا فون بھی آیا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔" وہ قصداً مسکرائی۔ "آپ کی یادداشت کا امتحان مقصود تھا۔ پاس ہو گئے آپ۔"

"صرف اس امتحان میں۔" وہ اس کے ہاتھ کو زور سے دباتے ہوئے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "نہیں۔ اب تک جتنے بھی امتحان آئے۔ البتہ آئندہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی پھر چیخ پڑی۔ "اف میرا ہاتھ توڑنے کا ارادہ ہے کیا؟"

"ارے۔" شاہ سکندر نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر قدرے نادم ہو کر بولا۔ "سوری کچھ زور سے دب گیا۔ لاؤ دکھاؤ۔"

"بس رہنے دیں۔" وہ ہاتھ جھٹکتی ہوئی تیار ہونے چلی گئی۔

احمد حسن نے اگر خصوصاً کھانے پر نہ بلایا ہوتا تو وہ اس وقت آپا بی کے گھر جانے کی بات کرتی۔ کیونکہ اسے نبیل کی فکر ستا رہی تھی۔ اور وہ بھابیوں کو نبیل کے خیالات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ بے شک وہ ماں تھیں اس کے باوجود نبیل ان کے پاس جا کر ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ وہ نبیل کو کسی سے ملنے بھی نہیں دے رہی تھیں۔ آج اسے بھی ٹال دیا تھا۔ وہ اگر فون پر ہی اس کی آواز سن لیتی تو اتنی پریشان نہ ہوتی۔ احمد حسن کے گھر نائلہ اور اس کی امی سے باتوں کے دوران بھی وقفے وقفے سے اس کا ذہن بھٹکتا رہا جس پر خود اسے کتنی بار شرمندگی ہوئی کہ کسی نے سوال کیا اور اس نے جواب کیا دیا تھا۔

پھر کھانے کے بعد شاہ سکندر اور احمد حسن کے درمیان سیاست کا موضوع چھڑتے ہی کچھ گھبرا کر کہ اب یہ نشست خاصی طویل ہو جائے گی۔ اس لیے نائلہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

"بہت بورنگ ہے۔ مجھے بھی سخت وحشت ہوتی ہے۔" نائلہ اس کے لیے بیڈ پر تکیہ رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں چائے بنا کے آتی ہوں۔"

"امی کہاں ہیں؟" اُسے اچانک احساس ہوا کہ وہ انہیں وہیں چھوڑ کر آ گئی ہے۔ "انہیں لے آؤں؟"

"جی، نہیں۔ امی اب نماز پڑھیں گی۔ اگر آپ کو کوئی بات کرنی ہے تو۔"

"نہیں، میں ان کے اکیلے ہونے کے خیال سے کہہ رہی تھی۔ بس ٹھیک ہے انہیں نماز پڑھنے دو۔" وہ جلدی سے بولی تھی۔

"اور کمرے میں چائے لاتی ہوں۔" نائلہ مسکرائی پھر جاتے جاتے کارنر سے اپنا البم اٹھا کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "آپ جب تک یہ دیکھیں، بور نہیں ہوں گی۔"

اُس نے البم تھام لیا۔ پھر آرام سے بیڈ پر بیٹھ کر دیکھنے لگی۔ شروع میں نائلہ کی تصویریں تھیں۔ اُس کی اسکول اور کالج کی دوستوں کے ساتھ۔ پھر کچھ گھریلو تقریبات کی۔ وہ عدم دلچسپی سے پلٹتی چلی گئی۔ پھر کچھ اکتا کر البم بند کر دیا۔ جب نائلہ چائے لے کر آئی، وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔

"اتنی جلدی آپ نے تصویریں دیکھ لیں؟" نائلہ نے تعجب کا اظہار کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں، اکیلے دیکھنے میں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ تمہارے ساتھ دیکھوں گی۔"

نائلہ نے چھوٹی سی ٹرے اُس کے قریب رکھی پھر بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی اور درمیان میں البم کھولتے ہوئے بولی۔

"چلیں میں آپ کو بتاتی ہوں، میرے ساتھ کون کون ہے۔" پھر وہ اپنی ایک ایک سہیلی کا نام بتانے لگی۔ اس کے بعد گھریلو تقریبات کی تصاویر میں اپنے خاندان کے ہر فرد سے متعارف کروایا۔ پھر ایک تصویر پر انگلی رکھ کر بولی۔

"اور جناب یہ ہیں آپ کے سسرال والے۔"

وہ بے اختیار تصویر پر جھک گئی۔ شاہ سکندر کے بھتیجے بھتیجیوں سے وہ مل چکی تھی۔ اس لیے تصویر میں جتنے بچے نظر آ رہے تھے، انہیں وہ پہچان گئی۔ پھر لڑکیوں کے بارے میں نائلہ سے پوچھا تو وہ ایک چہرے پر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ شہر بانو ہیں۔ ایک بار سکندر بھائی انہیں لے کر آئے تھے۔ یہ تصویر میں نے انہی سے لی تھی۔ سچ بھابی بہت مشکل سے دی تھی انہوں نے۔ کہہ رہی تھیں، سکندر بھائی کو پتا نہ چلے آپ بھی نہیں بتایئے گا بھابی۔"

"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔ اور شہر بانو کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکی کے غیر معمولی حسین چہرے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئی تھیں۔

"کتنی پیاری ہے ناں بھابی یہ لڑکی؟" نائلہ اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ کر کہنے لگی۔ "میں بھی جب کبھی اس تصویر کو دیکھتی ہوں تو میری نظریں اس چہرے سے ہٹتی نہیں ہیں۔"

"کون ہے یہ؟" اُس نے اسی مبہوت عالم میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔ شاید سکندر بھائی کی چچا زاد بہن تھیں۔ شہر بانو نے ان کے بارے میں بتایا تو تھا۔ وہ کیا شہزادیوں والا نام ہے ان کا۔"

نائلہ سوچنے لگی تھی کہ اچانک جانے ذہن کے کس گوشے سے نکل کر ایک نام آسیہ کے ہونٹوں پر آ گیا تھا۔

"مہرالنساء...!"

❁ ❁ ❁

"ہاں۔ مہرالنساء۔" نائلہ خوش ہو کر بولی پھر پوچھنے لگی "آپ جانتی ہیں انہیں؟"

آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خود حیران ہو کر سوچ رہی تھی کہ یہ نام اُس کی زبان پر کیسے آیا۔

"کہاں کھو گئیں آپ؟" نائلہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو چونکنے کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ بابا جان، ربی بی جان اور مہرالنساء۔"

"حویلی میں زیادہ افراد نہیں رہتے۔" وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

اُسی وقت احمد حسن نے وہیں سے نائلہ کو پکارا تو وہ "تم آؤ ناں کسی دن۔ صبح سے آؤ۔ سارا دن میرے ساتھ رہنا۔ میرا خیال ہے سکندر چلنے کا کہیں گے۔" نائلہ اُس کے ساتھ بیڈ سے اُترتے ہوئے بولی۔

"اُف۔ سارا دن آپ برداشت کریں گی مجھے۔" نائلہ کا رخسار چھوا۔

"تم آؤ تو۔ اس بہانے نکل کر آئی کرے۔" تو شاہ سکندر چلنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ آسے رکنے کا کہہ کر پھر کمرے سے نکل گئی۔ وہاں سے آئی تو شاہ سکندر احمد حسن کے ساتھ باہر نکل چکا تھا۔ اُس نے نائلہ کو گلے لگا کر خدا حافظ کہا اور اپنے ہاں آنے کی تاکید کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔

"اچھی فیملی ہے۔ بہت پُرخلوص اور مہربان۔" راستے میں وہ ایمانداری سے احمد حسن کے گھر کی تعریف کرتے ہوئے بولی۔

"ایسے مخلص لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ ذرا بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا اور نائلہ تو اتنی پیاری ہے کہ۔" وہ اچانک کسی خیال کے تحت ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر ایک دم شاہ سکندر کا بازو تھام کر بولی۔

"سکندر مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے، نائلہ عدیل بھائی کے لیے کیسی رہے گی۔ وہ کہیں انگیج تو نہیں ہے ناں!"

شاہ سکندر نے مسکرا کر اُسے دیکھا پھر یونہی ذرا سا سر ہلا کر بولا۔

"ساری بہنوں کے جذبات اپنے بھائیوں کے لیے یکساں ہوتے ہیں۔ جہاں کسی اچھی لڑکی کو دیکھا فوراً بھائی کا خیال آگیا۔ بے چارے شوہروں کا خیال کسی کو نہیں آتا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" وہ جو اُس کا بازو تھامے بیٹھی تھی اُس میں ناخن چبھو کر بولی۔

"اُف، ظالم بیوی۔ مجھے جوابی کارروائی پر مجبور مت کرو۔ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔" وہ اس کی گردن سے بازو چھڑا کر پھر اُس کی گردن میں ڈالنا چاہتا تھا کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"راستے میں ایسی حرکتیں میں پسند نہیں کرتی۔"

"پہل تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔" وہ اُس کی گردن میں بازو نہیں ڈال سکا تو بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ گھورنے لگی۔

"بہت کچھ۔ تفصیل گھر جا کر بتاؤں گا۔ اس وقت تم اپنی بات کرو، کیا کہہ رہی تھیں۔ عدیل بھائی اور نائلہ۔" وہ اُس کی کھلی آنکھوں میں ایک نظر ڈال کر کہنے لگا۔ "اچھا خیال ہے لیکن۔"

"لیکن کیا؟" وہ فوراً بول پڑی۔

"ایک منٹ۔" شاہ سکندر نے پہلے گاڑی پارک کی۔ پھر اُس کے ساتھ اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

"نائلہ ابھی پڑھ رہی ہے اور میرا خیال ہے مزید دو سال تک احمد حسن اور آنٹی اُس کی شادی کا نہیں سوچیں گے۔"

"نائلہ کو پڑھنے سے کوئی نہیں روکے گا۔ میں کل امّاں جی سے بات کروں گی۔" وہ لاک کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہنے لگی۔ "بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

شاہ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ یوں جیسے سنا ہی نہیں اور سیدھا چلتا چلا گیا۔ وہ دروازہ بند کر کے اُس کے پیچھے آئی تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رک کر ہاتھوں، کانوں اور گلے سے زیور اُتارتے ہوئے کہنے لگی۔

بس سکندر، ہم نے بہت گھوم پھر لیا۔ بہت دعوتیں اُڑا لیں۔ اب ہمیں اپنی زندگی میں سیٹ ہونا چاہیے۔

شاہ سکندر نے کوٹ ہینگر کرتے ہوئے رک کر اُسے دیکھا پھر قصداً خاموش رہ کر اُس کی طرف سے انکار کرنے لگا لیکن وہ بڑے آرام سے زیورات دراز میں ڈال کر واش روم میں چلی گئی۔ واپس آئی تب بھی اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ جس سے وہ بھی سمجھا کہ اُس کا دھیان اِدھر اُدھر ہو گیا ہے جبکہ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اپنی زندگی میں سیٹ ہونے سے اُس کا کیا مطلب ہے۔

چینج کر کے آیا پھر آرام سے بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"تم کیا کہہ رہی تھیں تم کیسی سیٹنگ ہونی چاہیے؟"

"مطلب اپنے اپنے کام سے لگنے کا ہے۔ یوں وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ کو جو بھی کرنا ہے اُس کا سوچیں اور میں ہاؤس جاب۔" بات ابھی اُس کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ فوراً بول پڑا۔

"نہیں۔"

"کیا نہیں؟" وہ کچھ بھی نہیں اور کچھ حیران ہو کر دیکھنے لگی تھی۔

"تم ابھی کچھ نہیں کرو گی۔ ہاؤس جاب بھی نہیں۔" وہ قطعیت سے کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"کیوں؟" اُس کی حیرت میں قدرے اُلجھن بھی شامل ہو گئی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم ابھی سے گھر کے علاوہ دوسری مصروفیات میں اُلجھ جاؤ بلکہ جب تک میں پوری طرح اسٹیبلش نہیں ہو جاتا تم سوچنا بھی نہیں۔ اسے تم میری خواہش سمجھ لو اور مجھے یقین ہے تم میری خواہش کا احترام ضرور کرو گی۔" حتمی انداز میں کہتے ہوئے آخر میں شاہ سکندر اُسے دیکھ کر مسکرایا۔

اور وہ مسکرانے کی کوشش میں ناکام ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

شاہ سکندر نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اُسے کام کے سلسلے میں کچھ دوستوں سے ملنا ہے اس لیے وہ اُسے ابا جی کے گھر اُترنے پر اصرار نہ کرے بلکہ اُس کی طرف سے معذرت بھی کر دے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر وہ احتجاج کرتی اس لیے جب اُس نے ابا جی کے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ اُتر کر اُس کی واپسی کا پوچھنے لگی۔

"رات کے کھانے تک آ جائیں گے؟"

"ہرگز نہیں آ سکتا۔ تم بہرحال کھانے پر انتظار نہیں کرنا۔ اوکے!" وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلا کر چلا گیا تو کچھ دیر اُس کے پیچھے دیکھنے کے بعد وہ اندر آ گئی۔ ابا جی اور عدیل بھائی برآمدے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ اُس نے قریب آ کر سلام کیا تو دونوں چونکے اور عدیل بھائی فوراً کھڑے ہو کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

"سکندر بہت عجلت میں تھے اس لیے نہیں آ سکے۔ معذرت کر رہے تھے۔ آپ بیٹھیں ناشتا کریں۔" وہ عدیل بھائی کے انداز سے سمجھ کر کہا۔

"تم نے ناشتا کیا؟" ابا جی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ابا جی۔ ناشتا کر کے آ رہی ہوں۔ امّاں جی کمرے میں ہوں گی؟" وہ جواب دینے کے ساتھ امّاں کا پوچھتے ہوئے اُن کے کمرے میں آ گئی۔

"السلام علیکم امّاں جی۔"

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو، خوش رہو۔ بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی میں تمہیں یاد کر رہی تھی۔" امّاں جی اُسے دیکھ کر کھل اُٹھیں۔

"خیریت۔ آج ہی صبح کس سلسلے میں یاد کر رہی تھیں۔" وہ اُن کے گلے لگ کر پوچھنے لگی۔

"روزانہ یاد کرتی ہوں، بلکہ صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال تمہارا آتا ہے۔ خوش تو ہو نال؟" اماں جی نے بہت محبت سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

"جی۔"

"اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے، ہمیشہ خوش رہو۔" اماں جی نے اس کی پیشانی چوم لی پھر پوچھنے لگیں۔ "سکندر کہاں ہے تمہارے ابا جی کے پاس ہے؟"

"نہیں اماں جی، انہیں کام تھا باہر ہی سے چلے گئے ہیں۔" اس نے جواب دیا تھا کہ میمونہ بھابی سنتی ہوئی آگئیں۔

"بہت غلط کیا، ایک کپ چائے پینے میں کیا دیر لگتی۔"

"السلام علیکم۔ لایئے چائے مجھے پلا دیں۔" اس نے میمونہ بھابی کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا پھر پوچھنے لگی۔ "یہ کس کے لیے ہے؟"

"تمہارے لیے۔ اور اگر ناشتا کرنا ہو تو میرے ساتھ آؤ۔" میمونہ بھابی جاتے جاتے رک کر بولیں۔

"شکریہ بھابی۔ ناشتا کر چکی ہوں۔ آپ بچوں کو کرائیں۔" اس نے کہا تو میمونہ بھابی ہنستے ہوئے بولیں۔

"بس بڑا بچہ رہ گیا ہے۔ چھوٹے تو اسکول جا چکے۔"

اس نے مسکرا کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا اور اُن کے جانے کے بعد اماں جی سے پوچھنے لگی۔

"بڑے بھیا ٹھیک ہیں اماں جی؟ آفس چلے گئے کیا؟"

"نہیں آج کل دیر سے جاتا ہے۔" اماں جی نے بتایا تو وہ کیوں کہتے کہتے رہ گئی۔ معاً سائرہ بھابی کا خیال آگیا تھا۔ اور وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"میں آتی ہوں اماں جی۔"

"ارے چائے تو آرام سے پی لو۔" اماں جی نے ٹوکا لیکن وہ ان سنی کرتی اُن کے کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ کھلی چھت پر سردیوں کی چمکتی ہوئی دھوپ میں بڑے بھیا اخبار دیکھنے میں مصروف تھے۔ اس نے قریب جا کر سلام کیا تو وہ اسے دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہو بیٹا، آؤ بیٹھو۔" پھر اخبار رکھ کر وہیں سے پکارا۔

"سائرہ! آسیہ کے لیے بھی ناشتا۔"

"نہیں نہیں، بھابی جان۔" وہ بھی بے اختیار وہیں سے چلائی پھر بھاگ کر کچن میں جا کر بھابی سے ملی اور انہیں اپنے ناشتے کا منع کر کے دوبارہ بڑے بھیا کے پاس آکر بیٹھی تو اسے ان میں بڑی تبدیلی نظر آئی۔ جیسے روٹھی ہوئی بہاریں لوٹ آئی ہوں۔ اُن کے چہرے پر قلبی سکون کا اطمینان تھا۔ آنکھوں میں انوکھی چمک اور ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔ جسے دیکھنے کو تو اس کی آنکھیں ترس گئی تھیں بلکہ شاید جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ نبیلہ بھابی کے ساتھ ہو سکتا ہے ابتدائی دنوں میں وہ خوش رہے ہوں۔ بہرحال یاد نہیں تھا۔ اس نے تو ہمیشہ انہیں ایک مجرمانہ احساس میں گھرے ہوئے دیکھا تھا۔ نہ اونچی آواز میں بولتے نہ ہنستے بغیر ناشتا کیے چپ چاپ گھر سے نکل جاتے اور اکثر اُن کی واپسی بھی ایسے ہی ہوتی تھی۔ کسی کو پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کب آئے۔ پھر نبیلہ بھابی کو طلاق دے کر تو وہ اور زیادہ ڈسٹرب ہو گئے تھے۔ بکھرے بکھرے سے لگنے لگے تھے۔ جس پر میمونہ بھابی نے کہا تھا کہ ان کی فوراً شادی کرانی پڑے گی۔ اس بات کی یاد آنے پر وہ بے ساختہ مسکرائی اور دزدیدہ نظروں سے انہیں کچن کی طرف جاتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس وقت نبیل کا ذکر چھیڑنا اسے مناسب نہیں لگا۔ حالانکہ اتنی جلدی وہ اسی مقصد سے آئی تھی لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار کر کے نیچے چلی آئی۔

زندگی میں کبھی کبھی یوں بھی سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں کہ وہ جس نے نبیل کو صرف جنم نہیں دیا تھا باقی ممتا کے سارے تقاضے تو اسی نے نبھائے تھے پھر بھی مصلحت کا دامن تھامنے پر مجبور تھی۔

کہیں نبیل کا نام سن کر بڑے بھیا کا ہنستا مسکراتا چہرا تاریک نہ ہو جائے۔

دوپہر میں جب احمر اور سونیا اسکول سے آئے تو انہیں دیکھ بانہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے بھی اسے نبیل شدت سے یاد آیا۔ کس خاموشی سے وہ اپنی باری کا انتظار کرتا تھا۔ جب اس کی نظر پڑتی تو وہ احمر کو ایک طرف کر کے اسے اپنے ساتھ لگاتی تھی۔ کبھی کبھی ٹوکتی بھی تھی کہ تم ان دونوں سے پہلے بھاگ کر آیا کرو۔ اور وہ بھاگتا بھی تھا پھر جانے کیوں رک جاتا۔ ماں باپ کی عدم توجہی اور لڑائی جھگڑے نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا کہ وہ بہت کوشش کے باوجود اس کے اندر دوسرے بچوں جیسا اعتماد پیدا نہیں کر سکی تھی۔

کھانے کے بعد جب میمونہ بھابی فراغت سے اس کے پاس آ کر بیٹھیں تب وہ ان سے پوچھنے لگی۔

"بڑے بھیا نبیل کو لینے گئے تھے نا۔"

"نہیں۔ نبیلہ بیگم نے صاف منع کروا بھیجا ہے کہ نبیل کو لینے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب ان کے پاس رہے گا۔" میمونہ بھابی نے بتایا تو وہ دبے دبے لہجے میں چیخ پڑی۔

"تو اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا؟"

"ہمارا تمہارا اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا بی بی۔ کیونکہ بڑے بھیا بخوشی ان کی بات مان گئے ہیں۔" میمونہ بھابی کو افسوس تھا۔

"کیا؟" دکھ اور تاسف سے اس کی آواز پھٹ گئی۔ "بڑے بھیا مان گئے؟"

"ہاں، بڑے آرام سے کہہ رہے تھے کہ ٹھیک تو ہے وہ اس کی ماں ہے۔ ان سے زیادہ حق رکھتی ہے۔" میمونہ بھابی نے قدرے طنز سے کہہ کر سر جھٹکا پھر اس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگیں۔

"تم ابھی نہیں سمجھو گی۔ مرد پیدائشی خود غرض ہوتا ہے۔ صرف اپنی خوشی چاہتا ہے اور اس میں کسی کی شراکت بھی برداشت نہیں کرتا۔ پھر بے چارے بڑے بھیا کو تو اب کہیں جا کر ناز اٹھانے والی بیوی ملی ہے۔ اس لیے ان کی نبیل کی طرف سے لاپروائی کم از کم میری نظر میں قابل گرفت نہیں ہے۔ اور میں تم سے بھی یہی کہوں گی کہ اس مسئلے کو مت اٹھاؤ۔ نبیل ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ تین چار سال میں خود ہی یہاں آنے جانے لگے گا۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے بھابی۔ ابھی آپ کو نہیں پتا وہ کتنا بیمار ہے۔" وہ بے حد تشویش سے بولی۔

"نہیں کیسے پتا؟" میمونہ بھابی نے چونک کر پوچھا تو اس نے نبیلہ بھابی کو فون کرنے اور ان سے ہونے والی تمام گفتگو کہہ سنائی۔ جس پر میمونہ بھابی بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"تو اسی لیے نبیل اسکول نہیں جا رہا۔ اس کا نام بھی کٹ چکا ہے۔ اور میں یہ سمجھ رہی کہ نبیلہ بھابی نے اسے کسی اور اسکول میں ڈال دیا ہو گا۔ بہرحال ہے تو تشویش کی بات لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا بھابی۔ بتائیے میں کیا کروں؟" اس نے اتنی عاجزی سے میمونہ بھابی کے ہاتھ تھامے کہ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر کتنی دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھو آسیہ۔ تمہاری ابھی شادی ہوئی ہے۔ شاہ سکندر ہرگز نہیں چاہے گا کہ تم خود کو میکے کے مسئلوں میں الجھاؤ۔ تمہاری ساری توجہ اسی کی طرف ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ تمہاری خاطر سب چھوڑ آیا ہے اور ایسا مرد اگر بیوی سے سب کچھ چھوڑ دینے کی توقع نہیں رکھتا تو بھی یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کی ہر ارادی و غیر ارادی سوچ پر صرف وہ قابض ہو۔ اس لیے تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کم از کم شاہ سکندر کے سامنے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔"

وہ اثبات میں سر بھی نہیں ہلا سکی بس چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

"اور رہا نبیل، تو یہ سچ ہے کہ وہ سب سے زیادہ تم سے اٹیچ رہا ہے، اور تمہاری دوری کو ہی اس نے دل پر لیا ہے۔ جبھی ٹھیک ہو کے نہیں دے رہا۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس سے فون پر رابطہ رکھو۔ وہ تمہاری بات مانتا ہے اور تمہاری ناراضگی سے بھی خائف رہتا ہے۔ پتا ہے جب وہ

یہاں تھا تو میں اس کو یہ کہہ کر دوائی پلاتی تھی کہ اگر تم نے دوائی نہیں پی تو پھپھو ناراض ہوں گی اور وہ فوراً پی لیتا تھا۔ تم اسی طرح وقتاً فوقتاً اسے بہلاؤ، حوصلہ دو اسے۔ مجھے لگتا ہے وہ تمہاری آواز سن کر ہی جی اٹھے گا۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ ہیں ناں۔" میمونہ بھابی نے اسے گم صم حالت سے نکالنے کے لیے ———— آخر میں زور سے اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"جی نہیں، سب میں، میں شامل نہیں ہوں۔" میمونہ بھابی کی شوخی فوراً لوٹ آئی۔ پتا نہیں اتنی دیر سنجیدہ گفتگو کیسے کر لی تھی انہوں نے۔

"آپ بھی شامل ہیں۔" وہ زور دے کر بولی تو میمونہ بھابی کھلکھلا کر ہنسیں۔ تبھی برآمدے سے عدیل بھائی کے پکارنے پر وہ اپنی ہنسی روک کر کچھ تعجب سے بولیں۔

"یہ عدیل اس وقت کیسے آ گیا؟"

"آسیہ۔" دوسری آواز کے ساتھ ہی عدیل بھائی کمرے میں آ گئے۔

"جی بھائی۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"وہ۔ دیکھو تمہیں ابا جی بلا رہے ہیں۔"

عدیل بھائی جس طرح رُک رُک کر بولے اس سے وہ سمجھ گئی کہ اسے وہاں سے ہٹانا مقصود ہے، اور اگر وہ صاف لفظوں میں کہتے تو وہ متجسس نہ ہوتی بلکہ چپ چاپ چلی جاتی جبکہ اب دروازے تک جا کر فوراً پلٹی تھی۔

"میں آسیہ کو لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ شاہ سکندر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" عدیل بھائی بہت عجلت میں میمونہ بھابی کو بتا رہے تھے۔

آسیہ نے متوقع چیخ کو روکنے کے لیے ایک ہاتھ ہونٹوں پر اور دوسرے ہاتھ سے چوکھٹ کا سہارا لیا تھا۔

بی بی جان کا معمول تھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد تسبیح لے کر جو بڑے کمرے میں بیٹھتیں تو پھر دوپہر ڈھلے تک ان کی بیٹھک وہیں رہتی تھی۔ اس دوران مزارعوں کی عورتیں انہیں سلام کرنے آ جاتیں تو اسی بہلنے اپنے دکھ سکھ انہیں سنا جاتی تھیں۔ کسی وقت کوئی بہو آ بیٹھتی۔ یہی ان کی روٹین تھی، لیکن اس روز وہ اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں۔ بڑی بہو ناشتے کا کہنے آئیں تو خلافِ معمول انہیں بڑے کمرے کے بجائے ادھر دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگیں۔

"بی بی جان، خیر تو ہے؟"

"خیر ہے بیٹی۔ بس پتا نہیں کیوں دل گھبرا رہا ہے۔" بی بی جان نے انہیں تسلی دینے کے ساتھ اپنی کیفیت بھی بتا ڈالی۔

"چلیں آپ آرام کریں۔ میں ناشتا یہیں لے آتی ہوں۔" بڑی بہو جانے لگیں کہ وہ روک کر بولیں۔

"نہیں میرے لیے کچھ مت لاؤ، میرا دل نہیں چاہ رہا۔ تم سب آرام سے ناشتا کر کے پھر مہرو کو میرے پاس بھیج دینا۔"

"جی اچھا۔" بڑی بہو چلی گئیں اور بی بی جان مہرالنساء کی شادی کے دن اور مہینے انگلیوں پر شمار کرنے میں لگ گئیں۔ غالباً حساب لگا رہی تھیں کہ مہرالنساء کی ڈیلیوری میں کتنے دن باقی ہیں۔ ورنہ اس خاندان کے رواج کے مطابق دو مہینے پہلے ہی مہرالنساء کو اپنے میکے چلے جانا تھا اور بچے کی پیدائش تک وہیں رہنا تھا لیکن اس نے خود ہی منع کر دیا تھا۔ بس جس روز سے اس نے شاہ جہانگیر کی بجائے شاہ سکندر سے باتیں کرتے سنا تھا تب سے وہ کچھ اپنی منوانے لگی تھی۔ آخر کہیں تو اسے اپنی اہمیت

جاتی تھی۔ شاہ جہانگیر پر تو بس نہیں چلا تھا، نہ وہ اُس کی دھمکی سے مرعوب ہوئے تھے۔ جب اُس نے میکے جانے سے منع کر دیا تو کہا ہے کوئی زبردستی نہیں تھی۔ الٹا بی بی جان اُس کی طرف سے فکر مند رہنے لگی تھیں کہ ایک تو پہلا بچہ تھا دوسرے وہ اپنا خیال نہیں رکھتی تھی۔ کھانے پینے سے حد درجہ لاپرواہی کی بنا پر بہت کمزور بھی ہو گئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر جب چیک اپ کے لیے آتی اُس کی کمزوری کا سبب خوراک کی کمی بتاتی تھی۔ پھر بی بی جان سے کہتی کہ اب سے چلا پھرا کریں ورنہ کیس میں مشکل ہو گی۔ اور بی بی جان اُس پر ہر حربہ آزما چکی تھیں۔ آرام سے، پیار سے اور کسی وقت بُری طرح ڈانٹتی بھی تھیں لیکن اُس کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"بس میرا دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیا چاہتا ہے تمہارا دل؟" ایک بار بی بی جان نے اسی طرح غصے میں پوچھ لیا تھا اور جواب میں اُس نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ بی بی جان اپنے آپ مجرم سی بن گئی تھیں۔ اُس کے بعد انہوں نے اُسے ٹوکنا چھوڑ دیا لیکن اُس کی فکر ہر وقت رہتی تھی۔

گزشتہ ہفتے جب لیڈی ڈاکٹر آئی تھی تو اُس نے مہرالنساء کی ڈیلیوری میں بیس بائیس دن بتلائے تھے۔ اور آج کے دن اُسے ڈرپ لگانے کا کہا تھا۔ کچھ دیر میں اُس کی آمد متوقع تھی کہ وہ بیس ان کے پاس لیٹ جائے گی۔ اصل میں وہ اُس کے ساتھ ساتھ اپنا دھیان بھی بٹانا چاہتی تھیں۔ جانے کیوں صبح سے دل گھبرا رہا تھا۔ بابا جان بھی کل سے شاہ جہانگیر کے ساتھ زمینوں پر گئے ہوئے تھے اور اپنی واپسی کے بارے میں بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"لیں بی بی جان یہ دودھ پی لیں۔ گلوکوز ملا کر لائی ہوں۔" بی بی جان نے ناشتے کو منع کیا تھا تو بڑی بہو دودھ کا گلاس لے کر آ گئی تھیں۔

"خوش رہو۔" بی بی جان محض اُن کا دل رکھنے کی خاطر گلاس تھامنا چاہتی تھیں کہ مہرالنساء کی دلدوز چیخ سے دودھ کا گلاس دینے اور لینے والے ہاتھوں کے درمیان سے نیچے جا رہا۔

"الٰہی خیر۔" بی بی جان نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا۔ تبھی جیراں بھاگتی ہوئی آئی۔

"وڈی بی بی، وہ چھوٹی بی بی سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔"

"کون مہرو؟" بڑی بہو بھاگی گئیں اُن کے پیچھے حواس باختہ بی بی جان تھیں۔

مہرالنساء کا جانے کون سی سیڑھی پر پاؤں پڑنے سے توازن بگڑا تھا کہ وہ فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔ بی بی جان کے سچ مچ ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ ایک تو دونوں مرد نہیں تھے دوسرے کوئی ہاسپٹل بھی قریب نہیں تھا۔

بڑی بہو نے جیراں کی مدد سے مہرو کو اٹھا کر وہیں صوفے پر لٹایا پھر پریشان کھڑی بی بی جان سے کہنے لگیں۔

"بی بی جان۔ آپ دیکھیں اسے۔"

"ارے میں کیا دیکھوں۔ وہ ڈاکٹر آنے ہی والی تھی۔ پتا کراؤ اُس کا۔ شاہ سکندر کہاں ہے بھیجو اُسے۔" گھبراہٹ میں بی بی جان کے ہونٹوں پر شاہ سکندر کا نام آیا تھا۔

مہرالنساء بے ہوشی کے عالم میں ہی کراہنے لگی۔ شاید وجود میں درد کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ بڑی بہو نے جیراں کو اپنے کمرے کی طرف دوڑایا کہ شاہ یونس حیات کو بلا لائے اور اتفاق سے اُسی وقت ڈاکٹر آ گئی۔ بڑی بہو نے فوراً اُسے مہرالنساء کے سیڑھیوں سے گرنے کا بتایا تو وہ اسی تیزی سے مہرالنساء پر جھک گئی۔ چیک اپ کے دوران ہی اُس نے سمجھ لیا کہ اب کیس اُس کے اختیار سے باہر ہو چکا ہے۔ بس ایک انجکشن لگایا پھر بی بی جان سے کہنے لگی۔

"زچہ بچہ دونوں کی حالت تشویشناک ہے آپ انہیں کسی ہاسپٹل لے جائیں۔ ہو سکتا ہے آپریشن کرنا پڑے۔"

"میرا صبح سے دل گھبرا رہا تھا۔ کچھ ہونے کو ہے۔" بی بی جان وہیں بیٹھ گئیں۔

"حوصلہ رکھیں بی بی جان۔" بڑی بہو نے کہا اور شاہ ویز کو آتے دیکھ کر ان کے پاس چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد بی بی جان اور بڑی بہو، مہرالنساء کو لے کر شہر روانہ ہو رہی تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ تھی۔ سفر خاصا طویل تھا۔ عام حالات میں ڈھائی تین گھنٹے جاری لگتے ہیں اور اب تو جان پر بنی تھی۔ تمام راستے بی بی جان قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی تھیں۔ انہیں اور بڑی بہو کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ ڈاکٹر نے ڈرائیور کی راہنمائی کی تھی۔

اور ایک پرائیویٹ کلینک میں دو دن موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد مہرالنساء نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تھا۔

"پوتا مبارک ہو بی بی جان! ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے۔ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔" بڑی بہو نے بچہ بی بی جان کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا تو وہ کھل اٹھیں۔

"خیر مبارک۔ تمہیں بھی مبارک ہو۔ مہرو کیسی ہے؟"

"مہرو ابھی ٹھیک نہیں ہے۔" بڑی بہو بی بی جان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔ "اتنی کمزور جو ہو گئی تھی۔ بالکل سفید پڑی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر پوچھ رہی تھی اسے کھانے کو نہیں دیتے؟"

"بتاؤ کھانے کی کمی ہے کیا۔ وہ خود نہیں کھاتی۔" بی بی جان نے ناگواری سے سر جھٹکا پھر پوچھنے لگیں۔ "گھر کب چلنا ہے؟"

"مہرو اٹھنے کے قابل ہو گی تب تو۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی کم سے کم ایک ہفتہ لگے گا۔" بڑی بہو نے بتایا تو بی بی جان اچنبھے سے بولیں۔

"اتنے دن؟"

"کیا کریں مجبوری ہے۔ البتہ آپ جانا چاہیں تو شاہ ویز آئیں گے۔ ان کے ساتھ آپ چلی جائیے گا۔"

"ہاں۔ میں کہاں اتنے دن گھر چھوڑ کر بیٹھ سکتی ہوں۔" بی بی جان نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

آسیہ کو خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ تمام راستے وہ کسی سہمی ہوئی بچی کی طرح عدیل بھائی کا بازو مضبوطی سے تھامے رہی تھی۔ اور عدیل خود بھی پریشان تھے پھر بھی اسے مسلسل تسلی دیتے رہے۔ پھر اسے بازو کے حلقے میں لے کر کلینک میں داخل ہوئے تو احمد حسن انہیں دیکھتے ہی بھاگ آیا تھا۔

"ارے بھائی! آپ کو کیا ہوا۔ ہمت کریں۔ آپ تو خود۔۔۔"

"سکندر کیسے ہیں؟" اس نے ساری ہمتیں یکجا کر کے ٹوک دیا۔

"ٹھیک ہو جائیں گے۔ چلیں آپ خود دیکھ لیں۔" احمد حسن نے کہتے ہوئے لفٹ کی طرف اشارہ کیا تو عدیل پوچھنے لگے۔

"کہاں۔ اوپر ہیں؟"

"ہاں۔ یہاں سرجری ڈیپارٹمنٹ میں تو نہیں ہو سکتے۔" احمد حسن نے قصداً ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ جسے نظرانداز کر کے وہ فوراً لفٹ کی طرف بڑھی تھی کہ گردن میں ہلکا سا جھٹکا لگنے سے اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک نرس اسٹریچر دھکیلتی ہوئی جا رہی تھی جس کے کونے میں اس کا دوپٹہ الجھ گیا تھا۔

"سسٹر پلیز۔" وہ اسے روک کر اپنا دوپٹہ نکالنے لگی اور اس دوران بس ایک سرسری نظر اسٹریچر پر بے سدھ پڑی لڑکی پر ڈالی۔ اگر اس وقت اس کا ذہن اس بری طرح منتشر نہ ہوتا تو وہ ایک پل کو ٹھٹکتی ضرور اور سوچتی کہاں دیکھا ہے۔ "میں الجھی ہوئی آگے بڑھتی۔ لیکن اسے اپنا ہوش نہیں تھا۔

"جلدی کرو بی بی۔ ہمیں اور بھی کام ہیں۔" سسٹر نے کہا تو وہ اپنا دوپٹہ کھینچتے ہوئے عدیل بھائی کے پیچھے چل پڑی۔

شاہ سکندر ابھی تک آپریشن تھیٹر میں تھا۔ اور اُسے کہاں کہاں اور کتنی چوٹیں آئی تھیں اس بارے میں احمد حسن بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ تو وہ بے اختیار چیخ پڑی۔

"کیا آپ سکندر کے ساتھ نہیں تھے؟"

"آرام سے آسیہ! تم اس طرح کرو گی تو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔" عدیل بھائی نے دھیرے سے اُسے ٹوکا تو اُس نے دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا لیا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن آنسو آپ ہی آپ چھلکے آ رہے تھے۔

"میرے خدا! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی کم ہمت ہو۔ چلو یہاں بیٹھو۔"

عدیل بھائی نے اُسے کندھوں سے تھام کر بینچ پر بٹھایا پھر اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے احمد حسن سے پوچھنے لگے۔

"آپ بتائیں احمد حسن، آپ کو شاہ سکندر کہاں اور کس حالت میں ملے؟"

آسیہ نے احمد حسن کا جواب سننے کے لیے فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر ہاتھ نیچے گرا لیے۔

"مجھے سکندر کہیں نہیں ملا۔ میں تو اپنے آفس میں تھا۔ وہاں ڈاکٹر احسن کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ سکندر یہاں ہے۔ پھر میں آپ کو فون کرتے ہوئے یہاں آیا تھا۔ اور آسیہ بھابی کو ساتھ لانے کا یوں کہا کہ یہ خود ڈاکٹر ہیں ہم سے زیادہ سمجھ سکتی ہیں لیکن۔" احمد حسن نے یکدم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"سنائم نے، تم ہم سے زیادہ سمجھ سکتی ہو۔ جاؤ معلوم کرو سکندر کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔" عدیل بھائی نے اُس کا کندھا تھپک کر کہا تو اُس نے کاؤنٹر پر کھڑی نرس کو دیکھا پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولی۔

"وہ سسٹر کچھ نہیں بتا سکے گی۔ ڈاکٹر باہر آ جائیں۔ اُن سے معلوم کریں گے۔" پھر کسی خیال کے تحت اٹھ کر کاؤنٹر پر چلی گئی اور سسٹر کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

"سسٹر، آپریشن تھیٹر میں جو پیشنٹ ہے اُسے کتنی دیر ہوئی ہے۔ آئی مین یہاں آتے ہوئے؟"

"آدھا۔ پون گھنٹہ ہوا ہے۔" سسٹر نے گھڑی دیکھتے ہوئے بتایا۔

"کوئی سیریس؟" آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلنے پر اُس کی بات ادھوری رہ گئی اور ڈاکٹر کے باہر آنے کا انتظار کرنے کے بجائے وہ بھاگ کر اندر چلی تو گئی لیکن پھر اُسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

شاہ سکندر کا سر اور آدھا چہرا سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ پھر ایک کندھے سے پیٹ تک اور بائیں ٹانگ پلاسٹر کی قید میں تھی۔

"آسیہ۔" وہ گرنے کو تھی کہ ایک ہاتھ اُس کے کندھے پر آن ٹھہرا۔ "تم آسیہ ہو ناں؟"

"جی۔" اُس نے گم صم انداز میں دیکھا۔ وہ ڈاکٹر عبدالوہاب تھے۔ جن سے پریکٹیکل کے دوران سول ہاسپٹل میں اُس کی کئی بار ملاقات ہوئی تھی۔ بہت مہربان اور مشفق، جن کے بارے میں وہ کہا کرتی تھی کہ اگر کبھی میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی تو میری آخری امید ڈاکٹر عبدالوہاب ہوں گے۔

"سر یہ۔" ہنوز اسی گم صم انداز میں اُس نے شاہ سکندر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پوچھنے لگے۔

"تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی۔"

"ڈونٹ وری۔ ہی از آؤٹ آف ڈینجر۔ (یہ خطرے سے باہر ہے) کم آن گرل۔" بی بریو۔" ڈاکٹر وہاب اُس کا کندھا تھپک کر بولے پھر اسی طرح اُسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تو منتظر کھڑے عدیل اور احمد حسن سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

آسیہ نے ذرا سا سر ہلا کر انہیں اطمینان دلایا تھا۔

پھر شاہ سکندر کو کمرے میں منتقل کرنے تک وہ ایک طرف چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔ اس کا ذہن ابھی تک کام نہیں کر رہا تھا اور اندر گہری خاموشی چھائی تھی۔ عدیل بھائی شاید ڈاکٹر عبدالوہاب کے ساتھ اُن کے کمرے میں چلے گئے تھے اور احمد حسن سیل نرسز کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سٹریچر کو کمرے کی طرف لے جایا گیا تب بھی وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی پھر عدیل بھائی نے آ کر اُسے اٹھایا تھا۔

رات میں پھوپھو، بھابی اور خلیل بھائی آ گئے اور آسیہ کے حالات کے پیشِ نظر انہوں نے بہت چاہا اُسے اپنے ساتھ گھر لے جائیں۔ عدیل بھائی نے بھی بہت زور دیا لیکن وہ نہیں مانی اور وہ پوری رات اس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر گزاری تھی۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے شاہ سکندر کو ذرا سا ہوش آیا تھا اور وہ اسی انتظار میں بیٹھی تھی۔ فوراً اٹھ کر اس پر جھک گئی۔

"سکندر! آپ ٹھیک ہیں ناں؟"

شاہ سکندر ایک آنکھ ذرا سی کھول کر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر آنکھ بند کر لی تو اس نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھام کر پکارا۔

"سکندر..." پھر اس کی نبض چیک کی اور قدرے مطمئن سی ہو کر اس کے پاس سے ہٹ آئی۔ کچھ دیر بعد ہی اندھیرے چھٹنے لگے اور کھڑکی کے شیشوں پر اجالے کی دستک کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی تو اس نے واش روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ ابھی بھی وہ سونا نہیں چاہتی تھی لیکن نیند غالب آ رہی تھی جسے بھگانے کے لیے وہ ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ بہت مشکل گھڑی تھی۔ رات سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ سر الگ درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ دروازے کے باہر قدموں کی آواز سنائی دی تو وہ رُک کر دیکھنے لگی۔

عدیل بھائی کے ساتھ ڈاکٹر عبدالوہاب اندر آئے تھے۔ اُس پر نظر پڑتے ہی مسکرا کر بولے۔

"گڈ مارننگ۔ کیسا ہے تمہارا پیشنٹ؟"

"سر ایک گھنٹہ پہلے انہیں ہوش آیا تھا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے۔" اس نے قریب آ کر بتایا تو ڈاکٹر صاحب کوئی تبصرہ کیے بغیر شاہ سکندر کو چیک کرنے میں لگ گئے۔ پھر سسٹر کو ہدایات دیں اس کے بعد عدیل بھائی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ گو کہ چوٹیں کافی آئی ہیں لیکن شکر ہے کوئی گہری چوٹ نہیں ہے۔" پھر آسیہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگے۔ "آپ اس کے کون ہیں؟"

"بھائی۔" عدیل اس غیر متوقع سوال پر اُسے دیکھ کر بولے تھے۔

"بڑے یا چھوٹے؟" ڈاکٹر صاحب انتہائی سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے جس پر عدیل کو بھی اسی طرح جواب دینا پڑا۔

"بڑا۔"

"کیسے بڑے بھائی ہیں جو انہیں ڈانٹ نہیں سکتے۔ ان کی حالت دیکھ رہے ہیں آپ۔ فوراً انہیں گھر بھیجیں ورنہ اس مریض کی جگہ یہ بھی نظر آئیں گی۔"

ڈاکٹر وہاب عدیل کو تنبیہ کرنے کے بعد اُس سے قدرے رعب سے بولے۔

"چلو اب گھر جاؤ۔ آرام کرو اور پھر فریش ہو کر یہاں آنا۔"

"میں ٹھیک ہوں سر۔" وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

"کوئی ٹھیک نہیں ہو۔" ڈاکٹر صاحب سے پہلے عدیل بھائی بول پڑے۔ "ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔"

وہ بے بسی سے شاہ سکندر کو دیکھنے لگی۔ دل کسی طرح بھی اس کے پاس سے جانے کو تیار نہیں تھا۔

پھر ملتجی نظروں سے عدیل بھائی کو دیکھا تو وہ اُس کی کیفیت سمجھنے کے باوجود چلنے کا اشارہ کرنے لگے۔

وہ میمونہ بھابی سے کہہ کر سوئی تھی کہ اُسے دو گھنٹے بعد اُٹھا دیں۔ غالباً اُس کے خیال میں دو گھنٹے کی نیند اُسے فریش کر دے گی اور میمونہ بھابی نے ہامی تو بھری تھی لیکن اُٹھایا نہیں کیونکہ عدیل بھی سے منع کر گئے تھے۔ پھر وہ خود بھی اُس کی حالت دیکھ رہی تھیں۔ پھر کی پیاسی رات بھر کی جاگی ہوئی۔ اماں جی نے زبردستی اُسے ناشتہ کرایا تھا اور پھر جو وہ دو گھنٹے کا کہہ کر سوئی تو دوپہر ڈھلنے پر ہی اُٹھی تھی اور زندگی میں پہلی بار میمونہ بھابی سے اُلجھ پڑی۔

"آپ کو پتا ہے میں سکندر کو کس حال میں چھوڑ کر آئی تھی پھر آپ نے مجھے اُٹھایا کیوں نہیں۔ بہت تھکی ہے میری۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

میمونہ بھابی اُس کے تیز بولنے پر بالکل خاموش رہیں۔ ایک لفظ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ اُسے خود احساس ہو گیا۔ خاموش ہوئی تو آنسو بہنے لگے۔

"دیکھو، رو مت۔ بے شک گالیاں دے لو مجھے۔" میمونہ بھابی نے فوراً ٹوکا۔

"بات نہیں کریں مجھ سے۔" وہ روٹھے لہجے میں کہتے ہوئے اُن کے پاس سے اُٹھ گئی۔ ابا جی بھی ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ اس لیے اُسے انتظار کرنا پڑا کہ عدیل بھائی انہیں چھوڑنے آئیں گے تب وہ اُن کے ساتھ جائے گی۔ اس دوران میمونہ بھابی نے اُسے کھلانے کے بعد جانے اور ساتھ میں اپنی باتوں سے بہت حد تک اُسے ذہنی انتشار سے نجات دلا دی تھی کہ پھر وہ سکندر کے پاس بہت نارمل حالت میں گئی تھی۔

شاہ سکندر کو مکمل ہوش میں آنے میں تین دن لگے تھے۔ اور اسی روز اُس کے سر اور چہرے کی بینڈیج کھول دی گئی۔ چہرے پر معمولی زخم تھے البتہ سر میں کافی ٹانکے آئے تھے۔ آسیہ نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر خود معائنہ کیا پھر مطمئن سی ہو کر بولی تھی۔

"میرا خیال ہے سر، یہ زخم جلدی بھر جائیں گے۔"

"ہوں، جب میں یہ بات کہہ رہا تھا تو تم یقین کیوں نہیں کر رہی تھیں؟" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا تو وہ قدرے کھسیا گئی۔

"میں اِن کی بے ہوشی سے خائف تھی۔"

"اب تو مطمئن ہو ناں۔"

"یس سر۔" وہ شاہ سکندر کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"گڈ۔" ڈاکٹر صاحب نے مشفق انداز میں ہلکے سے اُس کا سر تھپکا پھر شاہ سکندر کو دیکھ کر کچھ محظوظ انداز میں اُس سے کہنے لگے۔ "ہمارے ہاں جب لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے تو پھر وہ صرف بیوی بن کر رہ جاتی ہیں۔ گزشتہ تین دنوں سے میں اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ کسی ایک لمحے بھی یہ وہ نظر نہیں آئی جیسا میں اسے پریکٹیکل کے دوران دیکھتا تھا۔ بہت ایکٹو، بہت اسمارٹ۔ اور ابھی اگر میں اسے ایک انجکشن بھی تیار کرنے کو کہتا تو یہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بھول گئی کہ یہ ایک ڈاکٹر بھی ہے۔"

مبہم مسکراہٹ سے شاہ سکندر کے ہونٹ ذرا سے پھیلے تھے۔ جبکہ آسیہ نے قدرے جھینپ کر سر جھکا لیا تو ڈاکٹر صاحب جاتے جاتے بولے تھے۔

"یہ اچھی بات ہے لیکن اس سے اچھی بات یہ ہوگی کہ تم بیوی کے ساتھ اپنا ڈاکٹر ہونا بھی یاد رکھو۔"

آسیہ نے پلکیں اُٹھا کر ڈاکٹر صاحب کو جاتے ہوئے دیکھا پھر احتیاط سے شاہ سکندر کے پاس بیٹھ کر اور اُس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"تم پاس ہو تو کوئی غم، کوئی تکلیف نہیں۔" شاہ سکندر اُس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں مجھے

اس حال میں دیکھ کر تمہیں دکھ ہو رہا ہے لیکن میں نے جان بوجھ کر تمہیں دکھ نہیں دیا۔"

"بس آپ زیادہ باتیں نہیں کریں۔" آسیہ نے اسے بولنے سے روک دیا پھر خیال آنے پر کہنے لگی۔

"سکندر ابھی جہانگیر بھائی کو اطلاع دینی چاہیے نہیں تو بعد میں وہ ناراض ہوں گے۔"

شاہ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا اور یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے اب اس میں بولنے کی سکت نہ ہو۔ وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی پھر احتیاط سے اس کے پاس سے اٹھ گئی اور یہ سوچنے لگی کہ وہ شاہ جہانگیر کو فون ضرور کرے گی۔ آخر وہ سکندر کے بڑے بھائی ہیں اور ناراض بھی نہیں۔ ہو سکتا ہے اسی بہانے بی بی جان اور بابا جان بھی آ جائیں۔ شاید قسمت میں ان سے ملنے اور اپنا آپ منوانے کا یہی بہانہ لکھا ہو۔ اتنے سنگدل تو وہ نہیں ہو سکتے کہ شاہ سکندر کے ایکسیڈنٹ کا سن کر بھی نہ آئیں۔ ضرور آئیں گے۔

کھڑکی کی چوکھٹ پر دونوں کہنیاں ٹکائے نیچے دیکھتے ہوئے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ سیاہ چمکتی ہوئی لمبی سی گاڑی میں بیٹھی لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اور وہ مزید آگے جھک کر اس لڑکی کا پورا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ لڑکی اپنی گود میں نوزائیدہ بچے کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ اسے گرد و پیش کا بالکل ہوش نہیں تھا یا وہ قصداً پروا نہیں کر رہی تھی۔

"کون ہے؟ کہیں دیکھا ضرور ہے۔" آسیہ الجھنے لگی تھی۔ تبھی گاڑی چلنے سے لڑکی نے یونہی سر اونچا کیا تو بس ایک پل کو اس کا چہرہ سامنے آیا تھا اس کے بعد گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

"کہاں دیکھا ہے؟" آسیہ ابھی بھی الجھ رہی تھی اور شاید تھوڑی کوشش سے اسے یاد آ جاتا لیکن اس سے پہلے ہی عقب سے عدیل بھائی نے پکار لیا تھا۔

"آپ کب آئے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کمال ہے۔ تمہارے سامنے ہی تو آیا ہوں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا؟" عدیل بھائی نے مسکرا کر کہا تو اس نے بے اختیار پلٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھا پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"نہیں، میں کسی اور کو دیکھ رہی تھی۔"

"کسے؟" عدیل بھائی نے لنچ بکس ٹیبل پر رکھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"وہ ایک لڑکی۔ شاید میرے ساتھ پڑھتی تھی یا پتا نہیں۔"

اس کا دھیان عدیل بھائی کے آنے سے ہی بٹ گیا تھا۔ جبھی سرسری انداز میں کہتے ہوئے آگے کو گھومنے لگی۔

"سکندر کی طبیعت اب کیسی ہے؟" عدیل کی نظریں شاہ سکندر کے چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"کافی بہتر ہیں۔ ابھی باتیں بھی کر رہے تھے پھر سو گئے۔ آپ پکار کر دیکھیں شاید۔"

"نہیں، سونے دو۔" عدیل بھائی نے فوراً ٹوک کر اسے ڈسٹرب کرنے سے منع کر دیا تھا۔

شاہ سکندر ابھی گھر آنے کو تیار نہیں تھا۔ گو کہ دس دنوں میں اس کے تمام زخم بھر چکے تھے۔ بس ایک ٹانگ پر پلاسٹر باقی تھا اور وہ اسی کی وجہ سے منع کر رہا تھا کہ آسیہ کو پریشانی ہو گی۔ اس کے ذرا ذرا سے کام کے لیے دوڑتی رہے گی۔ اپنے تئیں وہ اسے پریشانی سے بچانا چاہتا تھا لیکن اسے دوسروں کی پریشانی کا خیال تھا۔ صبح شام اسے کھانا پہنچانا، پھر عیادت کو آنا۔ گو کہ بھائیوں نے کہیں بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ انہیں اپنا دفتر چھوڑ کر آنا پڑتا ہے لیکن اسے خود احساس تھا اس لیے ڈاکٹر سے اب کی اجازت ملتے ہی وہ شاہ سکندر کو گھر لے آئی اور آتے ہی بول پڑی تھی۔

"اب آپ صرف میرے پیشنٹ ہیں۔ اور جیسا میں کہوں گی ویسا کریں گے۔"

"میں پہلے بھی تمہارے حکم کا غلام رہا ہوں۔"

شاہ سکندر کی شوخ مسکراہٹ پر وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولی۔

"مذاق نہیں، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"یہ مذاق ہے۔ بتاؤ میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی۔ میری جان تم دن کو رات کہو میں وہ بھی مان لوں گا۔" شاہ سکندر نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔

"میری سانسوں کی ڈور آپ کے ساتھ بندھی ہے سکندر! اگر آپ اپنا خیال نہیں رکھیں گے تو۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"بے وقوف!" شاہ سکندر نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "میں جانتا ہوں تمہارا دل پھولوں کی بستی ہے۔ جس کی نگہبانی مجھے سونپ کر تم نے مجھے اتنا پابند کر دیا ہے کہ میں چاہوں بھی تو خود سے غافل نہیں ہو سکتا۔"

"صرف نگہبانی نہیں حکمرانی بھی۔" وہ اس کے سینے پر سے سر اٹھا کر اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

ہاسپٹل میں گرچہ ساری سہولتیں موجود تھیں لیکن گھر پھر گھر ہوتا ہے اور اپنے گھر کی اضافی مصروفیت بھی کم از کم ذہنی کوفت میں مبتلا نہیں کرتی اور اس کے پاس تو یوں بھی ابھی کوئی زیادہ مصروفیات نہیں تھیں۔ صبح دو آدمی کا ناشتا منٹوں میں بن جاتا۔ پھر وہ شاہ سکندر کو اخبار تھما کر صاف ستھرے گھر کی برائے نام صفائی کرتی، اس کے بعد اس سے دوپہر کے کھانے کا پوچھنے آتی تو وہ کئی گھنٹے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگائے رکھتا اور آخر میں کہتا جو تمہارا دل چاہے پکاؤ، میں سب کھا لوں گا تو وہ پیر پٹختی اٹھ جاتی۔

شام میں عدیل بھائی ضرور چکر لگاتے تھے جن سے وہ ضرورت کی اشیاء منگوا لیتی تھی۔ چھٹی کے دن خلیل بھائی، میمونہ بھابی اور بچوں کے ساتھ آئے تھے اور ایک شام بڑے بھیا، سائرہ بھابی کو لے کر گئے تھے تو انہیں دیکھ کر ہی اسے نبیل کا خیال آیا تھا، جسے فون کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا تھا یا شاید اپنی پریشانی میں گھر کر یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اور ایک احمد حسن تھا جو شاہ سکندر کو کمپنی دینے ضرور آتا۔ جس روز آنے سے مجبور ہوتا تو فون پر اس سے بہت دیر باتیں کرتا تھا۔ اس شام وہ نائلہ کو لے کر آیا تو وہ اسے دیکھ کر خوش ہونے کے ساتھ ناراض بھی ہوئی۔

"میں نے تمہیں صبح سے آنے کو کہا تھا۔"

"احمد بھائی سے پوچھیں۔ روز ان سے کہتی ہوں مجھے آپ کے ہاں چھوڑ دیں۔ لیکن انہیں آفس جانے کی جلدی ہوتی ہے۔" نائلہ نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنا دامن بچا لیا۔

"کیوں احمد بھائی۔ کیا آپ ہماری خاطر ایک دن آفس سے لیٹ نہیں ہو سکتے؟" اس نے احمد حسن سے کہا تو وہ فوراً بولا تھا۔

"آپ کی خاطر ہی تو جلدی جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہ کہ اس نائلہ کی بچی کی عادتیں کچھ بگڑی ہوئی ہیں۔ جتنی اونچی آواز میں بولتی ہے اس سے زیادہ اونچی آواز میں ٹیپ بجاتی ہے۔ اگر یہ صبح سے یہاں آ گئی تو شام تک آپ دونوں پورے نہیں تو آدھے پاگل ضرور ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے میں صبح آفس جلدی بھاگتا ہوں تاکہ اسے یہاں نہ چھوڑنا پڑے۔"

احمد حسن کی وضاحت پر نائلہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی تو وہ جلدی سے اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"مجھ سے نہیں روٹھنا۔ میں نے احمد بھائی کی کسی بات پر یقین نہیں کیا۔"

"میں تو یقین کر رہا ہوں۔" شاہ سکندر نے احمد حسن کو آنکھ مارتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے سکندر۔ آپ کو نائلہ کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔" اس نے ٹوکنے کے ساتھ شاہ سکندر کو اشارے سے بھی منع کیا پھر نائلہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "آؤ ہم ادھر چلتے ہیں۔"

"کہاں؟" شاہ سکندر نے فوراً پوچھا۔

"میں چائے بنانے جا رہی تھی۔ عدیل بھائی پتا نہیں کہاں رہ گئے۔ میں نے ان سے دودھ منگوایا تھا۔" وہ یہ بولتے ہوئے نائلہ کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

"سکندر بھائی کی ٹانگ کا پلاسٹر کب اترے گا۔ آپ تو خاصی پابند ہو گئی ہوں گی۔" نائمہ نے گلی کے دروازے پر رک کر کہا۔

"ہاں بس، ویسے اب ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔ پلاسٹر تو اتر جائے گا۔" اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے بتایا۔

"دودھ تو ہے نہیں۔ چائے کیسے بنائیں گی؟" نائمہ نے اس کے چولہا جلانے پر ٹوکا۔

"آنے والے ہوں گے عدیل بھائی۔" اس نے کہا ہی تھا کہ تبھی شاہ سکندر نے پکارا تو وہ "آتی ہوں" کہہ کر اندر چلی آئی۔

"فرمائیے۔"

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھانے میں وہی دوپہر والا سالن ہو گا یا کچھ اور بھی؟" شاہ سکندر نے بتایا کہ احمد حسن اور نائمہ یہیں کھانا کھائیں گے۔

"اور بھی بہت کچھ۔" وہ ان کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"نہیں۔ ہمارے لیے کوئی تکلف نہیں۔" احمد حسن بھی سمجھ گیا اور فوراً منع کرتے ہوئے بولا "کھانا پکانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ بس چائے ٹھیک ہے۔"

"تم سے کس نے پوچھا ہے۔" شاہ سکندر احمد حسن کو ٹوک کر اس سے کہنے لگا۔ "ہاں بھئی [illegible] کچھ ضرور بنا لینا۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے دروازے میں ہی آئی تو عدیل بھائی کو نائمہ کے ساتھ کھڑے دیکھ کر ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی اور کوئی بات نہ ہوتے ہوئے بھی عدیل بھائی تھوڑے جھینپ گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو شاپر کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"دیکھو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔"

"اس وقت ضرورت صرف دودھ کی ہے اور وہ موجود ہے۔" وہ شاپر سے دودھ کی تھیلی نکالتے ہوئے بولی۔ پھر اسے نائمہ کو تھما دیا۔

"یہ دودھ کی تھیلی [illegible] گرم کر دو۔"

"تم مہمانوں سے کام کرواتی ہو۔" عدیل بھائی نے جاتے جاتے رک کر اسے ٹوکا۔

"مہمان کیسے ہوئے بھلا آپ۔ مجھے پانچ منٹ [illegible]" نائمہ نے [illegible] دیا تھا۔ کام تو وہ بھی [illegible] گی۔

"کوئی مہمان نہیں ہے یہاں۔ سب میرے اپنے ہیں۔ بھائی بھی اور تم بھی۔" [illegible] دیکھا پھر [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] "نہیں کیا کہوں۔"

نائمہ نے اس کی [illegible] مسکراہٹ سے [illegible] کر دیا تھا۔

خلافِ توقع شاہ سکندر کے لوٹنے کے قصے پر خاندان بھر کو دعوت نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ [illegible] نے [illegible] نہیں بلایا تھا۔ اتفاق سے [illegible] کے [illegible] اور [illegible] دیے گئے۔ یہاں [illegible] قصے کا علم ہوا تو [illegible] حیران ہوئی [illegible] شاہ سکندر کے [illegible] ہے۔ پھر [illegible] سے [illegible] گئی۔

"[illegible] آپ کو [illegible] میرے سسرال میں [illegible] کرنی چاہیے تھی۔ [illegible] تا رہی ہیں۔"

"شاہ سکندر [illegible] بہت [illegible] دھوم کے ساتھ [illegible] شاہ سکندر [illegible] سے [illegible] تھا۔"

[illegible] سکندر بھائی [illegible] ان کی [illegible] چاہیے تھی۔ [illegible] کا [illegible] تھا۔

"مجبوری ہے۔ آج بچہ سات دن کا ہو گیا ہے۔ صدقہ دینا ہے اس کا۔ اور نام بھی رکھنا ہے۔" بی بی جان مجبوری بتا کر فوراً بات بدل گئیں۔ "تم جاؤ مہرو کے پاس۔ دیکھو وہ بچے کا کیا نام بتاتی ہے۔" وہ سمجھ گئی اسے وہاں سے اٹھانا مقصود ہے اور بی بی جان نے اسے بھیجا بھی اس کے پاس جس کے سامنے وہ خود کو مجرم محسوس کرتی تھی۔

"بیٹا مبارک ہو مہرو۔" شہر بانو کو خوشی کے اظہار میں بھی کوشش کرنی پڑی تھی۔ "لاؤ میری گود میں دو۔"

مہر النساء نے چپ چاپ بچہ اپنی گود سے اٹھا کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

"ارے یہ تو بالکل۔" شہر بانو اپنی بے اختیاری پر فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔

"تم تو یوں خاموش ہو گئیں جیسے شاہ سکندر کا نام لینا گناہ ہو۔" مہر النساء نے سلگ کر جتایا، پھر ہونہہ کے انداز میں سر جھٹک کر بولی۔

"گناہ صرف میرے لیے ہے۔ میں گناہ گار ہوتی ہوں اس کا نام لے کر اس کے بارے میں کوئی سوال کر کے۔"

شہر بانو اس سے نظریں چرا کر بچے پر جھک گئی اور قدرے توقف سے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگی۔

"کیا نام سوچا ہے اس کا؟"

"میں نے۔" مہر النساء کسی خیال سے چونک کر شہر بانو کو دیکھا پھر تلخ آمیز استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہنے لگی۔ "بچہ۔ بچے کا نام۔ میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ میں تو اس عرصے میں صرف اس کے باپ کو سوچتی رہی ہوں۔"

"آنے والے ہیں سکندر بھائی۔" شہر بانو کو غالباً کچھ اور نہیں سوجھا تو بی بی جان کی بات دہرا دی لیکن ان جیسا یقین اس کے لہجے میں نہیں تھا۔

"اچھا۔ کیا انہیں اطلاع مل چکی ہے اس کے آنے کی؟" مہر النساء نے بچے کی طرف اشارا کر کے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" شہر بانو نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ "مہرو! تم مجھ سے بہت دور ہو گئی ہو۔ ہمارے درمیان ایسی تلخ اور رسمی باتیں تو کبھی نہیں ہوتی تھیں۔ سچ بتاؤ کیا ہم دونوں کی محبت اور دوستی سکندر بھائی کی وجہ سے تھی جو ان کی بے مہری سے تم نے مجھ سے بھی وہ سارے ناتے توڑ لیے ہیں؟"

مہر النساء اچانک گم صم ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ہم صرف عم زاد ہی نہیں ہم راز بھی تھیں۔ گھنٹوں کبھی بارہ دری میں کبھی آم کے گھنے پیڑ تلے اور گرمیوں کی راتوں میں تاروں کی چھاؤں میں ہم کیسے راز و نیاز کرتی تھیں۔ ہمارے دل شفاف آئینے تھے پھر ان پر کدورتوں کی دھول کیوں جمی۔ اگر سکندر بھائی کی وجہ سے تو آج میں تمہارے سامنے قسم کھاتی ہوں کہ میں زندگی بھر اس بھائی کی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

مہر النساء نے بھی اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"کہنے دو مجھے، انہی کی وجہ سے تم مجھ سے دور ہوئی ہو۔" شہر بانو اپنے ہونٹوں سے اس کا ہاتھ ہٹا کر مزید گریا ہوئی۔ "میرے ساتھ تو شاید تمہارا کوئی ناتا تھا ہی نہیں۔ نہ محبت نہ دوستی کا ورنہ سب سے پہلے تم مجھے بتاتیں کہ شاہ سکندر حویلی چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی تم نے اپنی تنہائیوں کے دکھ مجھے نہیں سنائے۔ کیونکہ تم نے مجھے ہمیشہ صرف شاہ سکندر کی بہن سمجھا، اور اگر اس کے جرم کی سزا مجھے دینی ہی ہے تو۔"

"نہیں شہر بانو!" مہر النساء نے فوراً ٹوک دیا۔ "میں تمہارا گھر نہیں اجاڑ سکتی۔"

"کیوں؟" بجائے خوش ہونے کے شہر بانو نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"تم اجڑ گئیں تو پھر میرا گھر کبھی نہیں بسے گا۔" اس کے ساتھ ہی مہر النساء اشکوں میں بھرا چہرہ لے کر رو دی۔ فیروزہ نے اسے چپ نہیں کرایا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دل کے آئینوں پر جمی کدورتوں کی دھول کو آنسوؤں سے ہٹنے دی اور اس نے اپنی پلکوں کے بند بھی توڑ دیے تھے۔

اور جب آنسو آپ ہی آپ تھم گئے تو آنکھوں کی طرح دل کے آئینے بھی دھل کر شفاف ہو گئے۔ تب مہر النساء بچے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس شاہ کو دیکھو، کیسا بے خبر سو رہا ہے۔ ماں اور پھوپھی کے آنسوؤں کی پروا ہی نہیں۔"

"بہت پروا کرے گا۔ بڑا تو ہونے دو۔" شہربانو بھی کھل کر مسکرائی۔ اور کچھ دیر بعد ان دونوں کی ہنسی کا ترنم کمرے کے باہر تک سنائی دے رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اس کا ارادہ کپڑوں کی دھلائی کا تھا لیکن شاہ سکندر نے سختی سے منع کر کے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور ٹوکتے ہوئے بولا۔

"تمہیں شوق ہے کام کرنے کا۔ صبح سے اٹھتی ہو تو ایک کے بعد ایک کام نکالتی چلی جاتی ہو۔ انتہائی فضول اور غیر ضروری۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن شاہ سکندر نے موقع نہیں دیا۔

"سوائے ناشتے، کھانے کے سب غیر ضروری ہیں۔ تم خواہ مخواہ خود کو الجھائے رکھتی ہو۔ مجھے تمہارا ماسیوں کی طرح کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔ فوراً کسی ماسی کا انتظام کرو۔"

"نہیں، ابھی ماسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کون سا ہمارے ہاں اتنا گند پھیلتا ہے جو ماسی آ کر صاف کرے گی۔ اور کپڑے بھی زیادہ نہیں ہوتے۔" اس نے ماسی رکھنے کو صاف منع کر دیا۔

"کام زیادہ ہو یا کم تم بہرحال سارا دن مصروف رہتی ہو کہ نہیں۔" شاہ سکندر کو غالباً اس کا مصروف رہنا کھل رہا تھا۔

"میں قصداً خود کو مصروف رکھتی ہوں کیونکہ مجھے فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا اور معاف کیجیے گا شاہ سکندر، آپ اپنے گھر کی عورتوں پر محمول کر رہے ہیں جنہیں شروع سے ملازمین کی عادت ہوتی ہے، جبکہ میرا تعلق مڈل کلاس سے ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں اپنے مصروف رہنے کا سبب بتانے جا رہی تھی کہ وہ ایک دم ٹوک کر بولا۔

"تمہارا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔ اب تم شاہ سکندر حیات کی منکوحہ ہو۔"

"شاہ سکندر حیات کی منکوحہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں خود کو بیکار کر لوں۔ بس آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ آپ کی بات مان کر میں اس وقت کپڑے نہیں دھو رہی لیکن ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ ضرور کروں گی۔" وہ اپنی بات کہہ کر اٹھنے لگی تھی۔

"صبح تو ایک گھنٹہ لگایا ہے تم نے ڈرائنگ روم کی صفائی میں۔" شاہ سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے سے روک دیا تھا۔

"کیا کروں۔ پتا نہیں کہاں سے اتنی گرد آ جاتی ہے۔ حالانکہ کھڑکیاں بند رکھتی ہوں۔" وہ گرد سے واقعی پریشان تھی۔

"بہرحال اس وقت تمہارے ڈرائنگ روم کو دیکھنے کوئی نہیں آ رہا۔" شاہ سکندر نے قدرے جھلا کر کہا۔

"کیا پتا کوئی آ جائے۔" وہ اس کی جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہو کر شرارت سے بولی۔

"مثلاً کون؟" وہ شاہ سکندر اس کے پرشوق انداز پر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

آسیہ کچھ دیر تک بظاہر اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی جبکہ ذہن مختلف سوچوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔ پھر وہ آرام سے ٹانگیں اوپر سمیٹ کر بیٹھ گئی اور اسی احتیاط سے کہنے لگی۔

"پتا ہے سکندر! مجھے گمان ہوتا ہے جیسے ہم پھر جائیں کسی وقت بی بی جان کو سلام کرنے کو آ جائیں گے۔ میں سوچتی ہوں شاہ ماموں کے ساتھ بابا جان بھی ہوں اور مہرالنساء بھی۔"

شاہ سکندر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ آخر میں مہرالنساء کے نام پر تعجب سے اس کی بھنویں سی سمٹ گئیں۔ غالباً اسے یاد نہیں تھا کہ کسی وقت وہ خود بھی اسی طرح مہرالنساء کا نام لے چکا تھا۔ تبھی اپنے اندر اٹھتے سوال کو زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔

"مہرالنساء کا کس نے بتایا؟ میرا مطلب ہے میں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"کیوں نہیں کیا، آپ ہی نے تو بتایا تھا۔ وہ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ حویلی میں کون کون رہتا ہے تو آپ نے مہرالنساء کا نام بھی لیا تھا۔" سیدھے سادھے انداز میں اسے یاد دلایا۔

"اچھا ہاں۔" شاہ سکندر یاد آتے ہی پوری طرح سنبھل گیا اور شاید دل میں چور تھا اس لیے فوراً وضاحت کرنے لگا۔ "مہرالنساء اب تو وہاں نہیں رہتی۔ وہ تو جب شہر بانو کی شادی نہیں ہوئی تھی تب وہ آ جاتی تھی۔ اب تو شہر بانو ہی وہاں چلی گئی۔ میرا مطلب ہے اس کے گھر۔ بہت دوستی ہے ان دونوں کی۔"

آسیہ کی نظروں میں وہ تصویر گھوم گئی تھی جو اس نے نائلہ کے پاس دیکھی تھی۔ شہر بانو اور وہ غیر معمولی حسن کی مالک مہرالنساء۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور وہ بے اختیار شاہ سکندر کا بازو تھام کر بولی۔

"وہ۔ وہ مہرالنساء تھی سکندر۔ وہاں ہاسپٹل میں۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ پہلے اسٹریچر پر پھر گاڑی میں۔"

شاہ سکندر کی تمام حسیات آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔

"اس وقت میں سوچتی رہ گئی کہ شاید وہ میری کلاس فیلو رہی ہوگی۔ مہرالنساء کی طرف دھیان نہیں گیا۔" آسیہ کے لہجے میں اب افسوس تھا کہ اس نے اس وقت مہرالنساء کو پہچان کیوں نہیں لیا تھا۔

"اُف۔ میری یادداشت اتنی کمزور تو نہیں ہے۔ پھر میں نے اسے پہچانا کیوں نہیں؟"

"کم آن یار۔ جس لڑکی کو تم نے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں اسے تم پہچاننے کی بات کر رہی ہو۔" شاہ سکندر نے اندر ہی اندر پریشان ہوتے ہوئے ٹوکا۔

"میں نے اس کی تصویر دیکھی ہے۔" وہ بے اختیار کہہ کر کچھ خائف نظر آنے لگی کیونکہ بھولی نہیں تھی کہ نائلہ نے تصویر کی بات بتانے سے منع کیا تھا۔

"کہاں، کس کے پاس؟" شاہ سکندر کی پیشانی پر بے شمار شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"وہ۔ نائلہ کے پاس۔" اس نے جھوٹ نہیں بولا کہ ایک جھوٹ کی وضاحت میں کئی جھوٹ بولنے پڑتے اس لیے صاف گوئی سے کام لے کر کہنے لگی۔

"مگر اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں تصویر کی بات آپ کو نہ بتاؤں کیونکہ اس کے بہت مجبور کرنے پر شہر بانو نے بڑی مشکل سے اور اسی وعدے پر اسے دی تھی۔ بہرحال یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو آپ پریشان ہو گئے؟"

"پریشان۔ نہیں تو۔" شاہ سکندر اپنی پیشانی چھو کر بولا۔ "بس تمہاری باتوں نے الجھا دیا۔ تم نے کسی اور کو دیکھا ہوگا۔"

"نہیں سکندر۔ وہ مہرالنساء ہی تھی۔ اس وقت آپ کی وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھی تبھی مجھے یاد نہیں آیا تھا۔ لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ مہرالنساء ہی تھی۔" آسیہ اب خائف نہیں تھی اس لیے اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی۔

شاہ سکندر کے ذہن پر بار بار مہرالنساء کا نام ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ آسیہ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کرا دے۔

"مہر النساء کا چہرہ بھولنے والا نہیں ہے۔ بہت خوبصورت ہے ناں وہ؟" اس کی کیفیت
جبکہ آسیہ کا اشتیاق ہنوز تھا۔ وہ غالباً ڈیلیوری کے لیے آئی تھی۔ اس کی گود میں بچہ بھی تھا۔
"بس آپ آپ۔" شاہ سکندر اچانک چیخ پڑا تھا۔

❀❀❀

آسیہ اس کے چیخنے پر قدرے سہم گئی تھی اور ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا پھر سوچنے لگی کہ اس کس بات سے وہ مشتعل ہوا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تب اسی خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ گئی شاہ سکندر کو فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ غلط کر گیا ہے۔ اس کے باوجود اس نے اسے نہیں روکا۔ اور اس کے کمرے سے نکلتے ہی بیڈ کی بیک پر سر رکھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں۔ حقیقتاً وہ بہت پریشان ہو گیا کہ کہیں اس کی شخصیت کا یہ کمزور پہلو سامنے آ کر اس کا وقار اور زعم نہ توڑ دے جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا۔ گو کہ مہر النساء کے ساتھ شادی کر کے تو وہ تسلیم کر چکا تھا نہ اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت تھی۔ اس کے برعکس وہ ایک ہی بار خود کو باور کرا چکا تھا کہ وہ بابا جان کی سازش تھی جس میں انہوں نے شاہ جہانگیر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا جو اسے گھیر کر لے گئے تھے۔ پھر شہر بانو کو دیکھ کر وہ واقعی مجبور ہو گیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو پہلے ہی آسیہ کو وہ سارے حالات بتا کر اسے اعتماد میں لے سکتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی اسے یہی خیال تھا کہ وہ کسی پہلو سے کمزور نظر نہ آئے۔ اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اور احساس برتری کے زعم میں شاید یہ بھول گیا کہ لاہور سے شاہ پور کے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ پھر سال میں ایک دو بار ہی سہی اس کے گھر کی خواتین لاہور ضرور جاتیں۔ کبھی شاپنگ اور کبھی تفریح کے لیے۔ یا ہو سکتا ہے اس نے یہ سب بھی سوچا ہو لیکن اپنے گھر سے وہ اعلانیہ نکلا تھا اس لیے یہ خدشہ نہیں تھا کہ اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اسے آسیہ کے ساتھ دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ البتہ یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ آسیہ کسی کو پہچان لے گی۔ یہی عجیب بات تھی اور خود اس کے لیے حیرت انگیز اور تشویشناک کہ جو بات اس کے گمان میں نہیں تھی وہ ہو گئی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے بالوں میں انگلیاں پھیر کر خود کو ریلیکس کرنے میں مصروف تھا۔ کیونکہ اب اس روٹھی لڑکی کو منانے کے لیے اسے بہت پرسکون رہنے کی ضرورت تھی۔ جانتا تھا ناں کہ وہ اس کے اچانک غصے میں آنے کا سبب ضرور پوچھے گی۔ اس عرصے میں وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ اپنے اور اس کے درمیان ذرا سی غلط فہمی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے یاد تھا، لاہور میں اس کی کوئی بات اسے ناگوار گزری تھی تو وہ اس پر جتانے کے بجائے خاموش اور اپنے آپ کچھ ناراض ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا تو اس کے سامنے جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"سکندر! اگر آپ کو میری کوئی بات ناگوار گزری ہے تو بتائیں، میں وضاحت کر دوں گی اس کے بعد بھی اگر ناراضگی کا پہلو نکلتا ہو تب آپ کو ناراض ہونے کا حق ہو گا۔ اور میں ہاتھ جوڑ کر مناؤں گی۔"

"تو مناؤ ہاتھ جوڑ کر۔" وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا تھا۔

"نہیں، پہلے مجھے سبب معلوم ہونا چاہیے تاکہ دوبارہ وہ غلطی دہرائی نہ جائے۔ اور آپ کے دل میں جو ذرا سی رنجش پیدا ہوئی ہے وہ بھی دفع ہو جائے گی۔" وہ اصل بات جاننے پر بضد تھی۔

"وہ تمہاری معافی سے دور ہو جائے گی۔" اس نے کہا۔

"نہیں سکندر، معافی سے رنجش دور نہیں ہوتی۔ میرے ہاتھ جوڑ لینے سے یقیناً آپ کی ناراضگی دور ہو جائے گی، لیکن ناراضگی کا سبب جو رنجش کی صورت آپ کے دل میں ہے اسے میری وضاحت

ہی دور کرے گی، بتا دیں سکندر آپ کو میری قسم اور وعدہ کریں مجھ سے کہ ہم اپنے دل میں کبھی کسی معصوم سی رنجش کو بھی گھر نہیں کرنے دیں گے۔" کس قدر جذباتی ہو گئی تھی وہ کہ سب بتانے کے بعد ہاتھ بھی اسے ہی جوڑنے پڑے تھے۔

"چائے!" آسیہ کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کے قریب کارنر ٹیبل پر بس ایک کپ رکھ رہی تھی۔

"تم نہیں پیو گی؟" وہ اس کے چہرے پر کوئی تاثر کھوجتا ہوا پوچھنے لگا۔

آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی خاموشی سے پلٹ گئی اور شام تک جانے کن کاموں میں مصروف رہی تھی۔

حسب معمول عدیل بھائی آئے تو پہلے آسیہ نے جو سامان منگوانا تھا وہ لا کر دیا اس کے بعد شاہ سکندر کے پاس کتنی دیر بیٹھے رہے تھے اور ان کے جانے کے بعد بھی وہ لاؤنج میں کھڑی جانے کیا کر رہی تھی۔ شاہ سکندر کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر گھبرا کر پکار لیا۔

"آسی! یہاں آؤ۔"

وہ دروازے تک آ کر رک گئی۔

"میرے پاس آ کر بیٹھو۔ کیا مجھے وضاحت کا موقع نہیں دو گی؟" شاہ سکندر کا لہجہ ملتجی تھا۔ وہ آ کر بیٹھ گئی تو کہنے لگا۔ "تم ناراضگی کا سبب بتاؤ، میں وضاحت کروں گا۔"

"میں ناراض نہیں ہوں۔ ناراض تو آپ ہوئے، میری کس بات سے مشتعل ہو کر آپ چلائے تھے؟" وہ ناخنوں سے کھیلتے ہوئے بولی پھر اسے دیکھنے لگی تھی۔

شاہ سکندر جانتا تھا کہ وہ یہی پوچھے گی، اور اس سارے وقت میں وہ اسی بات کی وضاحت سوچتا رہا تھا۔ جبھی اب بڑے آرام سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے مہر النساء کے بارے میں بات ہی ایسی کی کہ مجھے غصہ آ گیا۔ یعنی اس کی ڈیلیوری اور بچہ، جبکہ ابھی اس کی شادی بھی نہیں ہوئی۔"

"کیا؟" وہ سچ مچ بوکھلا گئی۔

"وہ لڑکی جسے تم نے دیکھا، ہو سکتا ہے مہر النساء سے مشابہت رکھتی ہو۔ لیکن مہر النساء نہیں ہو سکتی۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ اور آئندہ اس کے بلکہ میرے خاندان کے کسی بھی فرد کے بارے میں اس وقت تک یقین سے کچھ مت کہنا جب تک تم اس سے مل کر اسے جان نہ لو۔" شاہ سکندر کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔

آسیہ کچھ گم صم سی ہو گئی تھی کہ پتا نہیں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یا جو اس نے دیکھا وہ سچ تھا۔

ٹانگ کا پلاسٹر اترنے کے بعد شاہ سکندر اب کوئی بھی بزنس کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ کیونکہ اتنے دن گھر میں رہ کر وہ اکتا گیا تھا زندگی مفلوج لگنے لگی تھی۔ جبکہ وہ شروع سے بابندیوں سے گھبراتا تھا۔ ادھر ڈیڑھ دو مہینے بالکل گھر کا ہو رہنے سے اس کی صحت بھی متاثر ہوئی تھی اور کچھ مزاج بھی۔ اگر آسیہ سمجھداری سے کام نہ لیتی تو وہ روزانہ اس سے جھگڑتا، بہرحال اب صحت یاب ہو کر وہ پہلے کی طرح ایکٹو نظر آنے لگا تھا۔ اور چاہتا تھا جلد سے جلد کوئی کام شروع کرے۔ لیکن جہانگیر بھائی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ بس اس کی شادی پر ہی آئے تھے۔ اور کہا تھا کہ پھر اطمینان سے آئیں گے تو اس کے شایان شان بزنس سوچیں گے، چھوٹے موٹے بزنس کو انہوں نے منع کیا تھا۔ اور پیسے کی طرف سے بھی اطمینان دلایا تھا۔ پھر وہ الیکشن میں مصروف ہو گئے، اور اب تو الیکشن کا دور بھی گزر چکا تھا۔ ان دو مہینوں میں اس نے کئی بار ان سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ملے

"جی نہیں۔ پتا نہیں کہاں مصروف تھے۔ آخری بار اُس کے ایکسیڈنٹ سے پہلے اُن کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ فی الحال کسی بزنس میں پیسہ لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ الیکشن کے بعد دیکھیں گے۔

اُس کے اکاؤنٹ میں ڈرافٹ جمع کرانے کا بھی بتایا تھا جو کہ بہت بڑی رقم کا نہیں تھا۔ اُس نے حساب لگایا تو اتنا پیسہ اُس کے علاج معالجے میں خرچ ہو چکا تھا اور پتا نہیں اس سے پہلے اس کے اکاؤنٹ میں کتنا پیسہ تھا۔ اس وقت اس نہج پر سوچتے ہوئے وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا کہ اگر وہ ایکدم تہی دست ہو گیا تو کیا کرے گا۔

"فکر مت کرو، میں تمہارا اکاؤنٹ کبھی خالی نہیں ہونے دوں گا۔" شاہ جہانگیر نے کہا تھا اور ان کی بات یاد آتے ہی اُس نے گاڑی بینک جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔

اور پھر اسے اطمینان ہو گیا کہ شاہ جہانگیر اُس سے غافل نہیں تھے۔ انہوں نے ایک اور ڈرافٹ اُس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا تھا۔ لیکن وہ خود کہاں تھے اُسے اُن کی ضرورت تھی، کیونکہ اکیلے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جو ڈرافٹ انہوں نے جمع کرایا تھا۔ وہ بھی اتنی بڑی رقم کا نہیں تھا، جس سے وہ کوئی بزنس سیٹ کر سکتا۔ بس اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ تہی دست نہیں ہوا۔ اور شاہ جہانگیر نے شاید اپنا وعدہ نبھایا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" وہ گھر میں داخل ہوا تو آسیہ نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"بس یونہی ذرا آوارہ گردی کو دل چاہ رہا تھا۔" وہ اُسے چھیڑ کر بولا۔

"آوارہ گرد لگتے تو نہیں۔" آسیہ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"پھر کیا لگتا ہوں؟" وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"بعد میں بتاؤں گی، ابھی وقت نہیں ہے۔ چلیں جلدی سے تیار ہو جائیں۔" وہ اُس کے آگے چلتی ہوئی عجلت میں بول رہی تھی۔ "کپڑے باتھ روم میں لٹکا دیے ہیں۔ نہا لیں تو اچھا ہے اور۔"

"جانا کہاں ہے؟" وہ ٹوک کر پوچھنے لگا۔

"لیجیے آپ کو یاد ہی نہیں۔ آج بڑے بھیا اور بھابی جدہ جا رہے ہیں۔" آسیہ نے رک کر بتایا ساتھ ہی اُسے باتھ روم جانے کا اشارہ کیا تو وہ کندھے اچکاتا آگے بڑھ گیا۔

ابا جی کے گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔ چچا جان کے سب گھر والے آئے ہوئے تھے۔ اماں جی نے اُسے بھی صبح سے آنے کو کہا تھا لیکن شاہ سکندر کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔

"اپنی اہمیت جتانے کا یہ طریقہ کچھ پرانا نہیں ہو گیا۔" میمونہ بھابی نے اُن کی دیر سے آمد کو اپنے مخصوص انداز میں جتایا۔

"سوری بھابی! اصل میں سکندر کسی کام سے چلے گئے تھے۔ پھر انہیں یاد بھی نہیں تھا۔" آسیہ نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اچھا جاؤ، اماں جی کو اپنی شکل دکھاؤ۔ بار بار تمہارا پوچھ رہی ہیں۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

آسیہ نے پہلے اماں جی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ سب وہیں موجود تھے۔ اور صوفوں کے بجائے نیچے کارپٹ پر دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔ اُس نے دیکھا شاہ جہانگیر بھی سب کے ساتھ بڑے آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ سب کو سلام کرتے ہوئے اماں جی کے پاس بیٹھ گئی اور دھیمی آواز میں اُن کا حال احوال پوچھنے لگی۔ اس کا خیال تھا اماں جی بڑے بھیا کے باہر جانے سے ناراض ہوں گی، لیکن اس کے برعکس وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئی یہ ماں کی مجبوری ہے۔ اپنی اولاد کو خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔

پھر میمونہ بھابی نے وہیں سب کے درمیان دسترخوان بچھا دیا تو وہ اُن کی مدد کے لیے اٹھ گئی۔

ہوئی۔ سائرہ بھابی سے چھوٹی طاہرہ بھی ساتھ مل گئی تھی۔ کھانے میں اتنے سارے آئیٹم دیکھ کر وہ تعجب سے میمونہ بھابی سے پوچھنے لگی۔

"یہ اتنا سارا کھانا آپ نے اکیلے پکایا ہے؟"

"جناب!" میمونہ بھابی نے پہلے گردن اکڑائی پھر ہنستے ہوئے بولیں۔ "نہیں طاہرہ نے میری مدد کی تھی۔"

"وہی میں کہوں۔" اس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم کچھ بھی کہو لیکن جانتی اچھی طرح ہو کہ میں اکیلی بھی یہ سب کر سکتی ہوں۔" میمونہ بھابی اس کے ہاتھ میں سالن کا ڈونگا تھماتے ہوئے بولیں۔

"میں صرف جانتی ہی نہیں آپ کو مانتی بھی ہوں۔" وہ بہت محبت سے کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی۔

پھر کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ اس کے بعد سائرہ بھابی اپنی پیکنگ دیکھنے کے لیے اٹھیں تو ان کے پیچھے ساری خواتین باہر آگئیں۔ فلائیٹ چار بجے تھی اور گھر سے روانگی دو بجے گھڑی کی سوئیاں ایک سے کچھ آگے جا رہی تھیں۔

"بھابی جان! یہ تھوڑا سا وقت آپ ہمارے پاس بیٹھ جائیں پھر تو سال دو سال بعد ہی ملاقات ہوگی۔" آسیہ نے سائرہ بھابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم اگر صبح سے آجاتیں تو یہ تھوڑے سے وقت کی شکایت نہ ہوتی۔" سائرہ بھابی نے جتایا بھی اور اس کے پاس بیٹھ بھی گئیں۔

"بس غلطی ہوگئی۔ جب سکندر کام سے جا رہے تھے میں اس وقت انہیں یاد دلانا بھول گئی۔ لیکن آپ مجھے خط لکھنا نہیں بھولیے گا۔ میرا ایڈریس ہے آپ کے پاس یا لکھ کر دوں؟" اس نے اپنے بیگ کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں لکھ دو۔" سائرہ بھابی اس سے کہہ کر اماں جی کے پکارنے پر ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

کچھ دیر بعد عدیل بھائی نے آکر جلدی جلدی کا شور مچا دیا۔ اور شاہ سکندر کے اشارے پر وہ بھی ایئرپورٹ چلنے کو تیار ہوگئی، ورنہ خواتین میں سے کوئی نہیں جا رہی تھیں اس کی وجہ سے طاہرہ کو بھی اجازت مل گئی۔ تو وہ جلدی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم واپسی میں تمہیں چھوڑ بھی دیں گے۔"

"واپسی کا کوئی مسئلہ نہیں، ابو جی ہیں ناں۔" طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔

"ارے ہاں، چچا جان بھی تو جا رہے ہیں۔" وہ خوشدلی سے کہتی ایکدم خاموش ہوگئی، کیونکہ ادھر گلے ملنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اماں جی اور چچی جان کے رونے پر سائرہ بھابی کی آنکھیں بھی جھلملانے لگی تھیں۔ اور میمونہ بھابی، اماں جی کو تسلی دینے میں مصروف تھیں۔ پھر ابا جی کے ٹوکنے پر سب نے اپنے آنسو صاف کر لیے اور سائرہ بھابی، بڑے بھیا کے اشارے پر جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"کتنے بے حس ہوتے ہیں مرد۔" ایئرپورٹ سے واپسی پر وہ شاہ سکندر کو مخاطب کیے بغیر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "مجھے تو بڑے بھیا پر حیرت ہو رہی ہے۔ کتنی جلدی بدل گئے ہیں۔ ایک بار بھی نبیل کا نام نہیں لیا۔ اتنا ہی کہہ دیتے کہ وقتاً فوقتاً نبیل کا پتا کرتے رہنا۔ یہ بھی نہیں کہا۔ اور جب میں نے پوچھا کہ آپ نبیل سے مل کر جا رہے ہیں تو بڑے آرام سے بولے تھے، وہ اپنی ماں کے پاس خوش ہے۔ انہیں کیسے پتا جب اس سے ملے ہی نہیں۔"

"تم کیوں خوامخواہ الجھ رہی ہو۔" شاہ سکندر نے اس کے تپے ہوئے چہرے پر نظر ڈال کر کہا۔

"بس مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے۔ اپنی خوشیوں میں وہ بچے کو بھول ہی گئے۔ ٹھیک کہا تھا میمونہ بھابی نے کہ مرد بہت خود غرض ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر صرف اپنی ذات ہوتی ہے اور بس۔"

تو اسے بڑے بھیا پر بہت غصہ آ رہا تھا۔
"اب سارے مردوں کو ایک ہی قطار میں تو مت کھڑا کرو۔ پھر تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ایک دور کے بعد تمہارے بھائی کو اب خوشیاں میسر آئی ہیں۔"
"ان خوشیوں میں نبیل کا حصہ بھی ہونا چاہیے۔" وہ فوراً بول تھی۔
"وہ اپنی ماں کے ساتھ خوش ہے۔" شاہ سکندر نے جس انداز میں بڑے بھیا کی بات
سے وہ سمجھ گئی کہ وہ اس موضوع کو پسند نہیں کر رہا اور میمونہ جابی نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ اپنے
مسئلے وہ شاہ سکندر کے سامنے بیان نہ کرے۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ اور وہ کچھ تو اسی وقت
بس اس وقت نبیل کے لیے تڑپتے ہوئے وہ کچھ جذباتی ہو گئی تھی۔ اور شاہ سکندر کی اکتاہٹ دیکھ کر
کپڑے بدلنے کے بہانے باتھ روم میں بند ہو گئی تھی۔
پھر اگلے دن وہ شاہ سکندر کے کہیں جانے کے انتظار میں تھی۔ اور وہ گیارہ بجے کے قریب
تھا۔ تب جلدی سے دروازہ بند کر کے اس نے نبیلہ جابی کے گھر فون کر ڈالا۔ دوسری طرف شاید
سلازمہ تھی۔ اس کے انداز سے سمجھ کر وہ پوچھنے لگی۔
"نبیلہ بیگم ہیں؟"
"نہیں جی، آپ کون ہو؟" جواب کے ساتھ ہی سوال ہوا۔
"میری نبیل سے بات کرا دو۔" اس نے اپنے بارے میں قصداً نہیں بتایا۔
"نبیل تو جی اپنے کمرے میں ہے۔" ادھر سے بڑے آرام سے کہا گیا۔
"تو بلاؤ اسے۔" اس نے غصے سے کہا۔
"وہ نہیں آسکتا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جی۔" ادھر سے معذوری ظاہر کی گئی۔
"اچھا دیکھو۔" وہ فوراً غصے پر قابو پا کر رسان سے بولی۔ "میں نبیل کی پھوپھو ہوں۔ وہ مجھ سے بات
کر کے بہت خوش ہوگا۔ تم ایسا کرو، ٹیلی فون سیٹ اس کے کمرے میں لے جاؤ۔ جلدی کرو شاباش!"
"اچھا جی!"
آسیہ بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگی اور پھر اتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد نبیل کی آواز سن کر
اس کے آنسو بے اختیار چھلک گئے تھے۔
"نبیل! میری جان!"
"پھوپھو! آپ کہاں ہیں۔ ممی کہتی ہیں آپ بہت دور چلی گئیں۔ اب میرے پاس کبھی نہیں آئیں گی!"
نبیل کمزور آواز میں بول رہا تھا۔
"آؤں گی بیٹا آؤں گی۔" وہ تڑپ گئی تھی۔ "آپ ٹھیک تو ہو جاؤ۔ کب سے بیمار پڑے ہو، کیا ہوا ہے
آپ کو؟"
"پتا نہیں پھوپھو! میں چل نہیں سکتا۔ بیڈ سے اترتا ہوں تو میری ٹانگیں کانپتی ہیں پھر میں گر جاتا ہوں!"
نبیل کے لہجے کی بے بسی اسے رلا رہی تھی۔
"تم دوا نہیں لے رہے ہو؟"
"لے رہا ہوں اور آیا میری ٹانگوں کی مالش بھی کرتی ہے۔" نبیل نے بتایا پھر اسے پکار کر کہنے لگا
"پھوپھو! میں اماں جی کے پاس جاؤں گا۔ آپ ممی سے کہیں، مجھے اماں جی کے پاس چھوڑ دیں۔ میں تنگ
نہیں کروں گا۔"
"ہاں ہاں بیٹا! میں کہوں گی آپ کی ممی سے۔" وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر فوراً بول پڑی۔
"مجھے اماں جی بہت یاد آتی ہیں۔ اور سونیا، اسمر اور پھوپھو وہ چھوٹا سا عمر، میرا بھی بھائی ہے؟"
وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا!" آسیہ نے بے اختیار ماؤتھ پیس کو چوم لیا۔
"ممی کہتی ہیں، میرا کوئی بھائی، کوئی بہن نہیں ہے اور پاپا بھی۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا یا شاید اُس نے اپنی بات پوری کی تھی۔ لیکن آسیہ نہیں سن سکی کیونکہ اُسے اچانک بڑی زور کا چکر آیا تھا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی ریسیور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

شاہ جہانگیر نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ فون کی بیل پر واپس پلٹ آئے، اور ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ لیکن بولے کچھ نہیں۔ دوسری طرف بھی خاموشی چھائی رہی، جس سے وہ سمجھ گئے کہ فون کرنے والا کوئی اور نہیں اُن کا بھائی شاہ سکندر ہے۔ گزشتہ دو مہینوں سے یہی ہو رہا تھا۔ کوئی اور اگر ریسیور اٹھا کر ہیلو کہتا تو اُدھر شاہ سکندر فون بند کر دیتا۔ اور شاہ جہانگیر جانے کیوں اُس سے کترا رہے تھے۔ بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے فون ریسیو کرنے میں بہت احتیاط برت رہے تھے۔ کتنے پل خاموشی میں بیت گئے۔ اُدھر سے مہرالنساء کو آتے دیکھ کر شاہ جہانگیر نے اشارے سے اُسے پاس بلایا اور ریسیور اُسے تھما کر سرگوشی میں بولے۔
"سکندر ہے۔ بات کر لو اُس سے۔"
"شاہ۔ شاہ کیسے ہیں آپ؟" مہرالنساء بے اختیار ہو گئی تھی لیکن اگلے پل مایوسی سے شاہ جہانگیر کو دیکھنے لگی۔
"کیا ہوا، بند کر دیا اُس نے؟" شاہ جہانگیر نے اُس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے بولے۔ "لائن کٹ گئی؟"
"نہیں بھائی جی، اُنہوں نے فون پٹخا تھا۔" مہرالنساء نے فوراً جتایا کہ لائن کٹنے اور فون پٹخنے میں فرق ہے۔
"اچھا۔" شاہ جہانگیر اب نظریں چُرا گئے۔ اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا کہ ناحق مہرالنساء کو بلایا۔
"آپ سے کیا بات کی شاہ نے؟" مہرالنساء پوچھ رہی تھی۔
"کچھ نہیں، میرا مطلب ہے مجھ سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بس ابھی تو فون آیا تھا اُس کا اور میں نے تمہیں بلا لیا۔" شاہ جہانگیر گول مول جواب دے کر بابا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
"السلام علیکم بابا جان!" کمرے میں داخل ہوتے ہی شاہ جہانگیر نے سلام کیا۔
"وسلام، کہاں سے آ رہے ہو؟" جواب دینے کے ساتھ ہی بابا جان نے پوچھا۔
"میں رحیم یار خان گیا ہوا تھا۔" وہ بابا جان کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "ابوظہبی سے کچھ مشائخ آئے ہوئے تھے اُن کے ساتھ آپ جانتے ہی ہیں انہیں شکار کا شوق ہی یہاں لاتا ہے۔"
"ہوں۔" بابا جان کتنی دیر تک اثبات میں سر ہلاتے رہے۔ اور ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب مقابل کی بات پر ذہن میں اسی بات سے متعلق اور بھی بہت سے واقعات گردش کرنے لگتے ہیں۔
"ابھی سکندر کا فون آیا تھا۔" شاہ جہانگیر، بابا جان کے متوجہ ہوتے ہی کہنے لگے۔ "مجھے لگتا ہے بابا جان وہ کچھ پریشان ہے اس لیے جلدی جلدی فون کر رہا ہے۔"
"کچھ کہا اُس نے؟" بابا جان سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
"کچھ کہنے کے لیے ہی فون کیا ہوگا اُس نے، میں ملتا ہوں ناں۔ کیا کہتے ہیں آپ، اب مجھے اُس سے مل لینا چاہیے؟" شاہ جہانگیر نے پوچھا۔
"نہیں۔" بابا جان نے سختی سے منع کر دیا۔ "اب تمہیں اُس سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی اُس کے اکاؤنٹ میں مزید کوئی رقم جمع کرانا۔ اب ہم اُس کے لیے واپسی کے راستے کھول رہے ہیں۔"
"لیکن بابا جان! وہ غالباً پریشان۔"

"ممی! میری پھوپھو دُور نہیں گئیں، آج اُنہوں نے مجھے فون کیا تھا، میں نے اُن سے بہت ساری باتیں کیں پھر پتا نہیں کیا ہوا، پھوپھو خاموش ہو گئی تھیں۔" نبیل خوش ہو کر بتا رہا تھا۔
نبیلہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ آنکھوں سے ناگواری کا اظہار ہونے لگیں۔ "تم نے خود اُٹھ کر فون ریسیو کیا تھا؟"
"آیا نے ٹیلی فون یہاں لا دیا تھا۔ ممی آپ ٹیلی فون میرے پاس رکھ دیں، میں روزانہ پھوپھو سے بات کروں گا اور اماں جی سے بھی۔" نبیل نے اُن کی بات کا جواب دینے کے ساتھ التجا بھی کی۔
"نہیں، یہاں فون تمہیں ڈسٹرب کرے گا۔" نبیلہ اُس کی التجا رد کرتے ہوئے بولیں۔ "جب تمہاری پھوپھو فون کریں گی تب آیا تمہیں فون یہیں لا دے گی۔"
"اور ممی! پھوپھو کہہ رہی تھیں، وہ میرے پاس آئیں گی، میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں چل نہیں سکتا۔" نبیل بہت سادگی اور معصومیت سے بول رہا تھا۔
"تم!" نبیلہ نے غصّے سے دانت پیسے۔ "کیا بتایا ہے تم نے پھوپھو کو؟"
نبیل سہم کر چُپ ہو گیا۔
"دیکھو بیٹا!" نبیلہ ایکدم غصّے پر قابو پا کر بولیں۔ "اس طرح تو تمہاری پھوپھو پریشان ہوں گی، تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ تم اب ٹھیک ہو۔"
"سوری ممی! اب میں پھوپھو کو پریشان نہیں کروں گا۔" نبیل نے فوراً سوری کہا کہ کہیں ممی اُسے پھوپھو سے بات کرنے سے منع نہ کر دیں۔
"ہاں شاباش۔" نبیلہ نے جھک کر اُس کا گال تھپکا پھر پلٹیں تو آیا کو کھڑے دیکھ کر اُس سے بولی تھیں۔
"نبیل سو جائے تو میرے کمرے میں آنا۔"
"ممی، پھوپھو آئیں گی ناں؟" نبیل نے عقب سے پکار کر پوچھا۔
نبیلہ قصداً اَن سنی کر کے اُس کے کمرے سے نکل آئیں۔ اصل میں وہ جس دعوے سے نبیل کو لے کر آئی تھیں کہ اُن سے بہتر اُس کی دیکھ بھال کوئی نہیں کر سکتا تو اپنے دعوے کو وہ سچ ثابت نہیں کر سکی تھیں بلکہ اُنہوں نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اور شاید یہ اُن کے بس میں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے شروع ہی سے نبیل کو خود سے الگ رکھا تھا۔ کبھی اُس کی خاطر اپنی ایکٹوٹیز نہیں چھوڑی تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتیں، بلکہ طلاق کے بعد تو وہ اور بھی آزاد ہو گئی تھیں۔ یہاں کوئی روک ٹوک نہیں تھی، اُن کے ماں باپ اس عمر میں بھی کلب اور پارٹیز کے دلدادہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ اُن کی بیٹی اتنا عرصہ قید بامشقت کاٹ کر آئی ہے۔ اس لیے اس سے ہمدردی کرنے کے ساتھ اُسے مزید سر چڑھا لیا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ اب وہ اپنے ہی جیسے لوگوں میں کہیں ایڈجسٹ ہو جائے۔ خود نبیلہ بھی یہی چاہتی تھیں۔ اس لیے اُن کا زیادہ وقت کلب اور فائیو اسٹار ہوٹل میں ہونے والے فنکشنز میں گزرتا تھا۔ نبیل کا طوق تو اُنہوں نے خوامخواہ گلے میں ڈال لیا تھا۔ جس پر اب پچھتا رہی تھیں۔
اصل میں اُس وقت بھی انہیں نبیل کا خیال نہیں تھا۔ بلکہ چھوڑے ہوئے شوہر کو پریشان کرنا مقصود تھا۔ جیسے پہلے نبیل کو بغیر بتائے اسکول سے ہی اپنے ساتھ لے جا کر پریشان کر رہی تھیں، لیکن اس بار وہ خود پریشان ہو گئی تھیں، کیونکہ جس وقت وہ نبیل کو لے کر آئی تھیں اُس وقت وہ صرف بخار کی حالت میں تھا۔ اور یہاں اُن کی لاپروائی سے معصوم بچہ پولیو کا شکار ہو کر چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ گو کہ ڈاکٹرز پُرامید تھے کہ علاج کے ساتھ بھرپور توجہ سے وہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور نبیلہ ہر دوسرے دن ڈاکٹر کو بلوا لیتی تھیں۔ لیکن توجہ ندارد۔ اُس کے لیے آیا رکھ چھوڑی تھی، اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ جلد سے جلد ٹھیک ہو جائے۔ تاکہ اسے اُس کے دادا دادی کے پاس بھیج دیں۔ اس حالت

میں یوں نہیں بھیج پا رہی تھیں کہ بڑے دھڑے سے لال تھیں۔ گویا ہر لحاظ سے انہیں اپنا مفاد عزیز تھا اور ابھی نبیل سے آسیہ کے فون کرنے کا سن کر وہ سخت غصے میں آئی ہوئی تھیں کہ پتا نہیں نبیل نے آسیہ کو اپنے بارے میں اور کیا کیا بتایا ہے۔

چاہتیں تو نبیل سے معلوم کر سکتی تھیں۔ لیکن قصداً اس سے نہیں کریدا کیونکہ ان کا مقصد تو کچھ اور تھا اور نبیل کے سامنے اس کے ددھیال کا ذکر وہ اچھے طریقے سے کرتی تھیں تاکہ اسے واپس ان کے پاس بھیجنے میں انہیں کوئی پرابلم نہ ہو۔ بہر حال جب آپا ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بھڑکتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ٹیلی فون نبیل کے کمرے میں کیوں لے کر گئی تھیں؟"

"وہ۔۔ اس کی پھوپھی نے کہا تھا۔" آپا ان کے غصے سے کچھ ڈر گئی تھی۔

"پھوپھی ہو یا دادی، کسی سے فالتو بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنا۔" نبیلہ سخت لہجے میں تنبیہ کرتے ہوئے بولیں۔

"ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، کوئی بھی نبیل کا پوچھے کہہ دینا وہ میرے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔ سمجھ گئی؟"

"آپ کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔" آپا منمنائی۔

"ہاں اور خبردار نبیل کو نہیں بتانا کہ اس کی کسی پھوپھی، چاچی، دادی کا فون آیا تھا۔ وہ پوچھے تب بھی نہیں، سمجھیں۔" وہ سارا غصہ اس پر نکال رہی تھیں۔

"جی۔"

"جاؤ، اپنا کام کرو۔" وہ آپا کو بھیج کر بھی کتنی دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔

بیل کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اور پھر مجبوراً اٹھنا بھی پڑا کیونکہ دروازہ تو کھولنا تھا۔ بہت سستی سے آ کر دروازہ کھولا۔ تو سامنے شاہ سکندر بے حد جھنجلایا ہوا کھڑا تھا۔

"سو رہی تھیں کیا؟" اس کی آواز میں بھی جھنجلاہٹ تھی۔

آسیہ سمجھ گئی اسے کھولنے میں دیر ہو گئی ہے۔ جانے کب سے وہ بیل بجا رہا تھا۔

"ہاں بس نیند آ گئی تھی۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی تو اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔

شاہ سکندر نے رک کر دیکھا اور پھر اس کا بازو تھام کر اپنے سامنے کر لیا۔ آنکھیں سرخی مائل اور چہرہ ستا ہوا۔ نیند کے باعث نہیں لگ رہا تھا جب ہی وہ تشویش سے پوچھنے لگا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔۔؟"

"ہوں، ٹھیک ہوں۔" اس نے فوراً اپنے چکرا کر گرنے کا بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اور بات بدل گئی۔

"کیا بہت دیر سے بیل بجا رہے تھے۔؟"

"پورے دس منٹ۔" شاہ سکندر نے گھڑی اس کے سامنے کی۔

"منٹ اور گھنٹے میں فرق ہوتا ہے شاہ سکندر حیات۔ دس منٹ یوں کہہ رہے ہیں جیسے دس گھنٹے کھڑے رہے ہوں۔" وہ اس کی کلائی کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بولی۔

"جناب! جب بندہ کہیں سے تھکا ہارا آئے تب دروازے پر ایک پل رکنا بھی عذاب لگتا ہے۔ اور تمہیں ابھی بھی احساس نہیں۔ بھوکا پیاسا کھڑا ہوں۔" شاہ سکندر نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ۔" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ "آئی ایم سوری سکندر۔ کھانا تو میں نے پکایا ہی نہیں۔"

"کیوں، کچھ پکانے کو تھا نہیں یا۔۔" شاہ سکندر نے تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گرتے ہوئے

پوچھا۔

"نہیں پکانے کو تو موجود تھا۔ بس میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔" اسے بتانا پڑا۔ "کیا ہوا تھا؟" "نہیں چکرا کر گری تھی پھر اندر جا کر لیٹی تو نیند آگئی، ابھی اٹھی ہوں۔"

"یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی، چلو ابھی ڈاکٹر کے پاس۔" وہ ابھی بیٹھا تھا فوراً کھڑا ہو گیا۔

"نہیں اب تو میں ٹھیک ہوں، بلکہ بہت بہتر ہوں۔ آپ جب تک چینج کریں میں اتنی دیر میں پیٹ پوجا کے لیے کچھ تیار کر دیتی ہوں۔" وہ عجلت میں کہہ کر کچن میں جانے لگی تھی کہ شاہ سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کوئی ضرورت نہیں کچن میں جانے کی۔ جاؤ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ کھانا بھی باہر کھا لیں گے۔" شاہ سکندر نے اسے کمرے کی طرف دھکیل دیا۔

وہ اس کی بھوک کے خیال سے کہتی رہ گئی کہ پہلے کھانا پھر ڈاکٹر لیکن وہ اسے پہلے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ جہاں سے نئے مہمان کی آمد کی نوید لے کر وہ اسے فائیو اسٹار ہوٹل میں لے گیا جہاں وہ اس کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔

"یہ تو وہی جگہ ہے۔" وہ بیٹھتے ہی بے اختیار گنگنائی پھر جھینپ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

شاہ سکندر آنکھوں میں شرارت لیے اسے دیکھ رہا تھا، ہونٹ دلکش مسکراہٹ کی گرفت میں تھے۔

"اس طرح دیکھنا منع ہے۔" اس کا چہرہ رنگین ہو گیا تھا۔

شاہ سکندر نے آنکھ مار کر اسے مزید بوکھلا دیا تھا۔

"لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں رہے۔ ایسی حرکتیں کریں گے تو میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گی۔" اس نے روٹھ کر کہا اور گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔

"اوں ہوں۔ کھانے سے ناراضگی بالکل نہیں چلے گی۔ سنا نہیں تھا، ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں۔" وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا پھر ویٹر کے آنے پر سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

ڈاکٹر نے اسے ریسٹ بھی بتایا تھا لیکن اس طرح نہیں کہ وہ بالکل بستر پر لیٹ جائے ہلکے پھلکے کام کر سکتی تھی۔ اور وہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن شاہ سکندر نے اسے "یہ نہیں کرو، وہ نہیں کرو، آرام سے بیٹھو" کہہ کہہ کر پریشان کر دیا تھا۔ آخر عاجز آ کر وہ اس سے الجھ پڑی تھی۔

"میں خود ڈاکٹر ہوں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ آپ براہِ مہربانی خاموش رہا کریں۔ اور ہر وقت میرے سر پر سوار رہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"میرے ساتھ رہنے سے؟" شاہ سکندر نے جانے کس لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، آپ کے ٹوکنے سے سیدھا سادا کام خراب ہو جاتا ہے۔ چلیں کمرے میں جائیں میں یہ دو برتن دھو کر ابھی آتی ہوں۔" وہ اسے کچن سے نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

شاہ سکندر مصنوعی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ اور جب وہ فارغ ہو کر اندر آئی تو وہ فون پر جانے کس سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور چپ چاپ اپنی جگہ پہ لیٹ گئی۔

"تھک گئی ہو ناں؟" شاہ سکندر فوراً فون رکھ کر پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ قصداً مسکرائی پھر اچانک خیال آنے پہ اس کی طرف کروٹ لے کر کہنے لگی۔ "آج خالہ جی کا فون آیا تھا۔ یونہی باتوں میں عدیل بھائی کی شادی کا ذکر نکلا تو میں نے نائلہ کا نام لے دیا۔ ایک بار میں نے شاید آپ سے بھی کہا تھا۔ ہے ناں؟"

"ہوں۔ کہا تو تھا۔ پھر؟" شاہ سکندر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پھر یہ کہ وہ اماں جی کو بھی پسند ہے اور وہ کہہ رہی تھیں کہ میں عدیل بھائی سے بات کر کے دیکھوں

اگر وہ رامنی ہوں تو پھر ہم چلیں گے، آئی مین باقاعدہ پروپوزل لے کر۔ ہیں ناں۔" آخر میں اس نے اپنا خیال ظاہر کرکے اس سے پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے تو اُدھر کی خبر ہے نہ اِدھر کی۔" وہ اُس کی پیشانی پر آئی بالوں کی لٹ اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولا۔

"آپ کو تو شاید اپنی خبر بھی نہیں ہے۔" آسیہ نے اپنے بال اُس کی انگلی سے نکالتے ہوئے کہا۔

"اب رکھنی پڑے گی، کیونکہ اب میں باپ بننے والا ہوں۔" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔ پھر ایکدم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور شوق سے پوچھنے لگا۔

"یہ بتاؤ، تمہاری کیا خواہش ہے بیٹا یا بیٹی؟"

"بیٹی!" آسیہ نے سوچنے کا توقف بھی نہیں کیا، فوراً بولی تھی۔

"کیوں؟" شاہ سکندر کی حیرت اُس کے فوری جواب دینے پر تھی۔

"آپ نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ اب کیوں کا کیا سوال۔؟" وہ اُس کی حیرت پر محظوظ ہو کر بولی۔

"نہیں بتانا چاہتیں مت بتاؤ، ویسے میری خواہش بھی بیٹی ہے۔" شاہ سکندر نے کہا تو وہ بے اختیار بولی۔

"کیوں؟"

شاہ سکندر کا بھرپور قہقہہ بے ساختہ تھا۔ پھر اُس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

"پہلے تم بتاؤ!"

"پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میری کوئی بہن نہیں ہے شاید اس لیے مجھے بیٹی کی خواہش ہے، دوسرے بیٹے بیٹیاں اچھی لگتی ہیں۔" آسیہ نے بتانے میں یوں جلدی کی کہ اپنے "کیوں" کا جواب سننا چاہتی تھی۔

"ہاں، بیٹیاں اچھی لگتی ہیں۔" شاہ سکندر نے تائید کے ساتھ اُس کی بات دُہرائی پھر کہنے لگا۔

"میری خواہش میں ایک غرض پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ بابا جان میری شادی سے کتنے ناراض ہی جب بیٹی کا سنیں گے تو بھاگے آئیں گے۔ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کریں گے۔ کیونکہ ہمارے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔"

آسیہ جو بڑے اشتیاق سے سننے لگی تھی اندر ہی اندر جز بز ہو کر رہ گئی۔

"ہاں اگر ہماری شادی ان حالات میں نہ ہوئی ہوتی یعنی اس کے برعکس میں تمہیں بیاہ کر شاہ پور لے جاتا تب یقیناً میں پہلے بیٹے کی آرزو کرتا۔" شاہ سکندر نے اپنی بات پوری کی پھر آہستہ سے اُس کی ناک چھو کر بولا۔

"بیٹا ہو یا بیٹی! یہ بتاؤ نام کیا سوچا ہے؟"

"نام!" وہ قدرے بے دھیانی میں اُسے دیکھنے لگی پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے ایک نام بہت پسند ہے۔ اگر بیٹی ہوئی تو ہم اُس کا نام مدیحہ رکھیں گے۔" نام بتاتے ہوئے شاہ سکندر کی آنکھوں میں جانے کس خیال کا عکس تھا۔

"مدیحہ اچھا نام ہے۔" آسیہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر معنی خیز انداز میں پوچھنے لگی۔ "کون تھی مدیحہ۔"

"ہیں!" شاہ سکندر نے چونک کر اُسے دیکھا پھر سمجھتے ہی اُس کے ہاتھ کو زور سے دبا کر بولا۔

"کیا سمجھتی ہو تم مجھے؟"

"اُف میرا ہاتھ۔" وہ تکلیف سے چیخ پڑی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔" شاہ سکندر نے اُس کے چیخنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"بہت نیک۔ شریف۔ پارسا۔" وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی۔

"ہاں۔" وہ اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا۔ "تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری خاتون ہو۔"

"یہ بات آپ ایسے بھی کہہ سکتے تھے۔ ہاتھ توڑنا ضروری تھا کیا؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
"سوری۔ سوری یار۔" شاہ سکندر نے نادم ہو کر دوبارہ بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے۔ آسیہ کو متلی الٹیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رکنے کا نام نہیں تھا۔ کوئی چیز اس کے اندر نہیں ٹھہرتی تھی۔ جس سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ کوئی کام بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ کھانا پکانے کھڑی ہوتی تو اس کی مہک ناگوار لگتی، فوراً کچن سے نکل آتی۔ ایسی حالت میں شاہ سکندر کو مجبوراً اسے کچھ دنوں کے لیے اماں جی کے پاس چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ وہ خود ایک انڈا بھی فرائی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اسی خیال سے آسیہ بھی جانے پر تیار نہیں تھی کہ اسے کھانے کی پرابلم ہو گی لیکن پھر وہ بھی مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی۔" میمونہ بھابی اس پر خفا ہونے لگیں۔
"بی بی بچہ پیدا کرنا آسان نہیں ہے۔ تم نے اپنے ڈاکٹر ہونے کے زعم میں سوچا ہو گا کہ سارے مرحلے خود ہی طے کر کے پھر ایکدم بچہ ہمارے سامنے لا کر ہمیں سرپرائز دو گی۔"
آسیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سرپرائز اپنے سسرال والوں کو دینا جنہیں کچھ خبر نہیں۔" اس کے ہنسنے کے باوجود میمونہ بھابی اپنی کہے گئیں: "ہم تم سے کبھی بے خبر نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ بار جب تم آئی تھیں تب میں نے تم سے یہاں رکنے پر کتنا اصرار کیا تھا۔ اسی لیے کہ میں جانتی تھی۔ تمہاری یہ حالت ہونے والی ہے۔ اگر تم میری بات مان لیتیں تو کم از کم یوں ہڈیوں کا ڈھانچہ تو نہ بنتیں۔"

"جی نہیں میں کوئی ڈھانچہ نہیں ہوئی۔" وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "بس ذرا کمزوری ہے ایک دو ڈرپ لگیں گی ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"خالی ڈاکٹری نسخوں سے کام نہیں چلے گا۔"

"چلیں آپ اپنے نسخے بھی آزما لیجیے گا۔ تین بچے پیدا کر کے بہت ایکسپرٹ ہو گئی ہیں ناں۔" اس نے کہا اور عدیل بھائی کو آتے دیکھ کر میمونہ بھابی کو خاموش رہنے کا اشارا کیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" عدیل بھائی نے ان کے قریب کرسی کھینچتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔
"ہم تمہاری شادی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" میمونہ بھابی فوراً بولیں۔ "نائلہ کے لیے تو غالباً تم نے منع کر دیا تھا اس لیے ہم ایک اور۔"

"کیا، کب۔ میں نے کب منع کیا تھا؟" عدیل بھائی قدرے بوکھلا کر بولے تو میمونہ بھابی بڑی زور سے ہنسیں اور ہنستی چلی گئیں۔

آسیہ پہلے کچھ کبھی نہیں پھر جب عدیل بھائی کو جھینپ کر سر کھجاتے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھا بچو کیسے پکڑا۔ بڑے چکر دے رہے تھے۔ میں نے اسے اس انداز سے نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کیسی ہے سوچوں گا۔" میمونہ بھابی ہنستی ہوئی ان کے ایک ایک انداز کی نقل اتار رہی تھیں۔
"آپ کو تو موقع چاہیے۔" عدیل بھائی انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر آسیہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "تم سناؤ آسیہ شاہ سکندر آئے تھے۔"

"جی، شام میں آئے تھے۔" آسیہ، میمونہ بھابی سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔
"روکا نہیں انہیں، کھانا وغیرہ کھایا یا یونہی چلے گئے؟"
"بس کچھ جلدی میں تھے، غالباً کسی سے ملنا تھا۔"
"ابھی تک کوئی کام شروع نہیں کیا انہوں نے۔ مجھے ان کا ارادہ کچھ ڈانواں ڈول سا لگتا ہے۔ پتا نہیں بزنس کی طرف ان کا رجحان نہیں ہے یا کوئی پرابلم۔" عدیل بھائی کا انداز کچھ سوچتا ہوا تھا۔ پھر پوچھنے لگے۔
"تمہیں بتایا نہیں انہوں نے کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"جہانگیر بھائی کے انتظار میں ہیں۔ غالباً وہی کہہ گئے تھے کہ وہ خود آکر کوئی بزنس سیٹ کر دیں گے۔" آسیہ نے سرسری انداز میں بتایا۔

"تو اب تک تو انہیں آجانا چاہیے تھا۔ کافی دن بلکہ مہینے ہو گئے ہیں۔ فون وغیرہ آتا ہے ان کا یا وہ بھی نہیں۔" عدیل بھائی اس مسئلے کو بہت سنجیدگی سے لے رہے تھے۔

"اس عرصے میں دو یا تین بار فون آیا ہے ان کا۔ مجھ سے تو بات نہیں ہوئی۔ سکندر بتا رہے تھے کہ پہلے الیکشن کی وجہ سے نہیں آسکے پھر اپنی زمینوں کے کسی جھگڑے میں الجھے رہے۔ اب پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔" آسیہ کا انداز بتا رہا تھا جیسے شاہ سکندر نے اسے پورا اطمینان دلایا ہوا ہے کہ اس معاملے میں اسے فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

عدیل بھائی کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر جانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"بھئی شاہ لوگ ہیں انہیں کیا پروا؟" میمونہ بھابی اپنے مخصوص انداز میں ان کی سنجیدہ گفتگو میں شامل ہوئیں۔ "شاہ سکندر بزنس کریں نہ کریں میرا خیال ہے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

عدیل بھائی نے اپنے خیال سے چونک کر میمونہ بھابی کو دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"شاہوں کو بھی اپنی شاہی قائم رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

آسیہ نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر میمونہ بھابی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"ٹھیک تو کہہ رہے ہیں عدیل بھائی۔ پتا نہیں سکندر اتنے اطمینان سے کیوں ہیں، اور میں جہانگیر بھائی کو نہیں سمجھا پا رہی — جب ملے کر کے گئے تھے کہ وہی آکر بزنس کا بتائیں گے تو سب سے پہلے انہیں ہی کام کرنا چاہیے تھا۔"

"سنو!" میمونہ بھابی اچانک کسی خیال کے تحت اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگیں: "تم نے کبھی شاہ پور فون کیا ہے؟"

"نہیں، ایک دو بار سکندر سے کہا تھا کہ میری بی بی جان سے بات کرا دیں۔ لیکن انہوں نے ٹال کر دیا۔ کہنے لگے جب سب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا تب تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔" آسیہ نے سادہ سے انداز میں بتایا۔

"اس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بات کر لو۔" میمونہ بھابی بڑے آرام سے مشورہ دیتے ہوئے بولیں: "یہ بات شوہر سے کہنے کی تھوڑی ہوتی ہے خوامخواہ اکڑ جاتے ہیں۔ سکندر کی بی بی نے تمہاری شادی پر کتنے تحائف بھیجے تھے۔ بیچاری شوہر کی وجہ سے مجبور ہیں ورنہ ان کا دل تو چاہتا ہوگا تمہارے پاس آنے کو اور تمہاری مجبوری بھی یہی ہے کہ جب شوہر لے جائے گا تب جاؤ گی۔ لیکن ان سے بات تو کر سکتی ہو خوش ہو جائیں گی وہ۔"

"ہوں۔" آسیہ کتنی دیر تک پُرسوچ انداز میں سر ہلاتی رہی پھر قدرے مایوسی سے بولی: "لیکن میرے پاس ان کا نمبر نہیں ہے۔"

"نمبر حاصل کرنا کون سی مشکل بات ہے ڈائریکٹری دیکھ لو، میرا خیال ہے شاہ پور کے جتنے بھی نمبر ہوں گے وہ سب تمہارے سسرال میں ملیں گے۔" آخر میں میمونہ بھابی خود ہی محظوظ ہوئیں۔

"اور اگر سکندر کو پتا چل گیا تو؟" اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"چلنے دو۔ اس کی ماں کو فون کرو گی نا کہ کسی پرانے عاشق کو؟" میمونہ بھابی کا جملہ بے ساختہ تھا۔ آسیہ نے پہلے گھورا پھر ہنس پڑی۔

شاہ سکندر نے گھر میں داخل ہوتے ہی ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر آن کر دیا تھا۔ کیونکہ آسیہ نہیں تھی تو اسے بہت سناٹا محسوس ہوتا تھا۔ اور حقیقتاً اس کے بغیر اس کا دل بھی نہیں لگ رہا تھا

ولا لے گئے ابھی صرف تین دن ہوئے تھے۔ پھر وہ صبح شام اُس کے پاس حاضری بھی دے رہا تھا۔ پھر بھی گھر میں داخل ہوتے ہی اُس کی کمی شدت سے محسوس ہوتی اور وہ سونے تک خود کو ٹیپ ریکارڈر وغیرہ میں بہلائے رکھتا۔ ابھی وہ ٹیپ آن کر کے کپڑے بدلنے واش روم میں چلا گیا تھا۔ اور کیونکہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگا تھا، جبھی فون کی بیل سنائی نہیں دی۔ جب واش روم سے نکلا تب جلدی سے پہلے ٹیپ بند کیا۔ پھر آ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!"

"گھر میں نہیں تھے کیا؟" اُدھر سے شاہ جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

"جہانگیر بھائی! السلام علیکم! کہاں ہیں آپ؟" وہ اُن کی آواز سنتے ہی بے اختیار ہو گیا تھا۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہو؟" شاہ جہانگیر اُس کا سوال یکسر نظر انداز کر گئے۔

"ٹھیک ہوں، کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ آ کیوں نہیں رہے؟" اُس کے لہجے سے پریشانی ہویدا تھی اور جیسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میرا آنا مشکل ہے سکندر! کیونکہ اِدھر باباجان نے مجھے بہت سے کاموں میں اُلجھا دیا ہے۔ بہت کوشش کرتا ہوں کچھ وقت نکال سکوں لیکن... خیر تم سناؤ کوئی کام وغیرہ شروع کیا یا نہیں؟" شاہ جہانگیر اپنی مجبوری بتا کر بات بدل گئے۔

"کیا کام کروں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کوئی چھوٹا موٹا بزنس نہیں کرنا، اور بڑے بزنس کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ پہلے آپ نے جو رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کرائی تھی وہ میرے علاج معالجے پر خرچ ہو گئی اور اب..."

"خیریت تھی کیا ہوا؟" شاہ جہانگیر اُس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگے۔

"میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ تقریباً دس دن ہاسپٹل میں اس کے بعد ڈیڑھ دو مہینے گھر میں بستر پر پڑا رہا ہوں۔" اُس نے بہت عجلت میں بتایا۔

"اوہ... اب کیسے ہو؟" شاہ جہانگیر نے تشویش سے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔ بس بیکاری نے پریشان کیا ہوا ہے۔ اس طرح تو کام نہیں چلے گا بھائی کہ آپ ہر دو تین مہینے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کرا دیں۔ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔" اُس نے اپنے تئیں اُنہیں احساس دلایا۔

"ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم خود کچھ کرو۔ لیکن مسئلہ پیسوں کا ہے۔ اِدھر باباجان نے سارا حساب کتاب اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" شاہ جہانگیر باباجان کے کہنے کے مطابق اُس کے سامنے مزید پیسوں سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے بولے۔ "میرے ساتھ ساتھ یونس بھائی کو بھی لگا بندھا خرچ دے رہے ہیں یعنی ہم بالکل اُن کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"پھر؟" شاہ سکندر کچھ چڑ سا گیا تھا۔

"پھر میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ کوئی بڑی رقم ہاتھ لگ جائے، تب پہلی فرصت میں تمہارے پاس آؤں گا۔ تب تک تم کوئی جاب وغیرہ کر لو۔" اُنہوں نے تسلی کے ساتھ مشورہ بھی دیا۔ اور اُس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر قدرے توقف سے خود ہی کہنے لگے۔

"نہیں، میرا خیال ہے تم جاب نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ ایک تو تم شہر کے ہر بڑے آدمی سے متعارف ہو، دوسرے سسرال میں جو امیج بنا چکے ہو اُسے بھی قائم رکھنا چاہیے ناں!"

شاہ سکندر کوشش کے باوجود ایک لفظ "جی" نہیں کہہ سکا۔

"ایک اور راستہ ہے۔" شاہ جہانگیر اُس کی خاموشی محسوس کرنے کے بعد کہنے لگے۔ "تم یہاں چلے آؤ۔ میرا مطلب ہے باباجان کے پاس۔"

"نہیں!" وہ سختی سے کہہ کر ہونٹ بھینچ گیا۔

"پہلے میری پوری بات سنو، اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔" شاہ جہانگیر نے اُسے ٹوکا … "بابا جان تمہارے منتظر ہیں۔ گو کہ وہ ہم پر ظاہر نہیں کرتے لیکن انہیں اپنی غلطی کا احساس … نے خود سنا ایک دن بی بی جان سے کہہ رہے تھے کہ انہیں تمہاری بات مان لینی چاہیے … دوری شدت سے محسوس کرتے ہیں سکندر، بہت آزردہ رہتے ہیں۔ اگر انا کا سوال نہ ہوتا تو … منانے ضرور آتے۔ بہت محبت کرتے ہیں وہ تم سے، ہم سب سے زیادہ چاہتے ہیں … میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ انہیں اپنے سامنے جھکانے کے بجائے خود آ کر اُن سے معافی مانگ … مان جائے گا۔ خوش ہو جائیں گے وہ پھر تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"آپ بھول رہے ہیں بھائی جان! میں اکیلا نہیں ہوں۔ آسیہ میرے ساتھ ہے جسے اگر … کے ساتھ شادی کا علم ہو گیا تو وہ!"

"ایک منٹ یار۔" شاہ جہانگیر فوراً اُسے روک کر کہنے لگے۔ "میں نے یہ کب کہا کہ آسیہ کو … لے کر آؤ، بلکہ اُسے یہاں لانے کی غلطی تو کبھی کرنا بھی نہیں، بس تم آ کر بابا جان کو راضی کر لو پھر … اپنی ہر بات منوا لینا۔"

"مثلاً؟" اُس کے استفسار میں ہلکا سا استہزا تھا۔

"مثلاً یہ کہ تم شاہ پور کے بجائے آسیہ کے ساتھ کراچی میں رہو گے اور مہینے میں دو تین بار … بھی اپنا فرض نبھانے آ جاؤ گے۔" شاہ جہانگیر معنی خیز انداز میں بولے تھے۔

"کیا مطلب؟" وہ سٹپٹا گیا۔

"مرد ہو یار! دو کیا چار بیویاں رکھ سکتے ہو۔" شاہ جہانگیر نے خود ہی قہقہہ لگایا پھر کہنے لگے … "مذاق نہیں کر رہا۔ تم بھی جذباتی ہو کر مت سوچنا۔ سنجیدگی سے غور کرنا۔ سب سے مناسب … مہر النساء جانتی ہے کہ تم دوسری شادی کر چکے ہو اس کے باوجود تمہاری راہ دیکھتی ہے۔ اور یہ … تم سے محبت کی انتہا ہے جس نے اُسے اسٹینڈ لینے سے باز رکھا ہوا ہے۔"

"میں نے اُسے کبھی پسند نہیں کیا۔" وہ جیسے اُکتا کر بولا۔

"نہ سہی، لیکن اُس کی محبت کو زندہ رکھو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور آسیہ کے لیے بھی … ان باتوں میں، میں آسیہ کا پوچھنا تو بھول ہی گیا۔ کیسی ہے وہ؟" شاہ جہانگیر نے اچانک موضوع بدلا …

"اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہاں ریسٹ نہیں مل رہا تھا اُسے اس لیے کچھ دنوں کے لیے … میں نے اُسے اُس کے والدین کے پاس چھوڑ دیا ہے، ایک دو دن میں لے آؤں گا۔"

"کیا کر رہے ہو یار! پہلے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا اب وہ بیمار ہے، تم نے تو پریشان کر دیا ہے … اچھی خبر نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"اچھی خبر بھی سن لیں گے۔" شاہ سکندر اپنے آپ مسکرایا تھا۔

"ہاں، ذرا جلدی سنانا اور یہاں آ کر۔ اوکے خدا حافظ۔" شاہ جہانگیر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور رکھتے ہوئے شاہ سکندر نے یوں سر ہلایا جیسے اُن کی ساری باتوں کو فضول قرار دیا ہو … جب سونے کے لیے لیٹا تو اپنے مسئلے کا کوئی اور حل سوچتے ہوئے اُس کا ذہن بار بار شاہ جہانگیر کی باتوں میں اُلجھ رہا تھا۔ اور وہ پوری رات اُس کی یونہی سوچتے اُلجھتے گزری تھی۔ صبح کے قریب کہیں جا کر وہ بس تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا پھر اُٹھتے ہی آسیہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

آسیہ کو اسی وقت ڈاکٹر ڈرپ لگا کر گیا تھا جسے دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

"مریض کو چند گھنٹے مکمل آرام کروانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ خصوصاً تم جیسی خواتین کو جنہیں فضول کام کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔"

"جناب کوئی کام فضول نہیں ہوتا۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے سر اونچا کرتے ہوئے بولی۔ "ناشتا کیا آپ نے یا نہیں؟"

"نہیں یار! آج تو بس اُٹھتے ہی تمہارے پاس بھاگا آیا ہوں، بہت دن ہو گئے ہیں، بس اب گھر چلو۔"

"کیوں اُداس ہو گئے ہیں؟" میمونہ بھابی چائے لے کر آ رہی تھیں اُس کی آخری بات سن کر کہنے لگیں۔

"ہاں آنکھوں سے بھی لگ رہا ہے رات بھر کروٹیں بدلتے رہے ہیں شاید، سچ مچ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے۔"

"شکریہ اور یہ صرف چائے؟" وہ اُن کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے بولا۔

"بھابی! یہ ناشتا بھی کریں گے۔" آسیہ نے کہا۔

"ابھی لاتی ہوں۔" میمونہ بھابی بیٹھنے کا ارادہ ترک کر کے واپس پلٹ گئیں۔

"اچھی خاتون ہیں، ہنس مکھ، زندہ دل اور اسمارٹ۔" شاہ سکندر نے چائے کا سپ لے کر ایمانداری سے میمونہ بھابی کی تعریف کی۔

"آپ واقعی رات میں نہیں سوئے؟" آسیہ اُس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے بغیر نیند کہاں آتی ہے، پھر رات میں جہانگیر بھائی کا فون آ گیا تو!"

"کیسے ہیں جہانگیر بھائی؟" وہ درمیان میں بول پڑی۔

"ہاں ٹھیک ہیں، تمہارا بہت پوچھ رہے تھے۔" وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا

"اور بی بی جان وغیرہ!" آسیہ نے اب سنبھل کر پوچھا۔ یعنی اور کسی کا نام نہیں لیا۔

"میں نے کسی کا نہیں پوچھا کیونکہ ایک تو جہانگیر بھائی عجلت میں تھے دوسرے اسلام آباد سے فون کر رہے تھے۔" وہ رات یہی سوچ کر سویا تھا کہ فی الحال آسیہ کو اپنے شاہ پور جانے کا نہیں بتائے گا اس لیے اسلام آباد کا بتا کر کہنے لگا۔

"مجھے انہوں نے وہیں بلایا ہے۔ کہہ رہے تھے وہ بالکل وقت نہیں نکال پا رہے لہٰذا میں ایک دو دن کے لیے وہاں آ جاؤں۔ اور میں یہی سوچ رہا ہوں کہ تمہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟"

"میری حالت کوئی ایسی تشویشناک تو نہیں ہے۔" وہ اُس کی پوری بات سن کر کہنے لگی۔ "اور یہ بھی دیکھ لیں کہ یہاں مجھے کتنے آرام سے رکھا جا رہا ہے، پھر دو دن کی تو بات ہے آپ اطمینان سے ہو آئیں۔"

شاہ سکندر نے فوراً ہامی نہیں بھری اور یوں دیکھنے لگا جیسے اُس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کیا کرے تبھی میمونہ بھابی ناشتا لے کر آ گئیں۔ اور دونوں کو خاموش دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیا مسئلہ ہے، اگر مجھے بتانے کا ہے تو بتاؤ، فوراً حل کر دوں گی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں بھابی! آپ بیٹھیں ناشتا کریں۔" آسیہ نے کہا۔

"ہائیں۔ کتنی بار ناشتا کراؤ گی مجھے۔ اب تو میں اماں جی سے کھانے کا پوچھنے جا رہی ہوں۔ اور اگر تمہیں کوئی خاص چیز کھانی ہو تو بتاؤ۔" میمونہ بھابی ٹرے شاہ سکندر کے سامنے رکھ کر آسیہ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں جو پکے گا کھا لوں گی۔" آسیہ قصداً مسکرا کر بولی۔

"اور سکندر آپ؟" میمونہ بھابی نے اخلاقاً اُس سے بھی پوچھ لیا۔ ورنہ جانتی تھیں کہ وہ کھانے کے وقت موجود نہیں ہوگا۔

"نہیں، میں تو ابھی جا رہا ہوں۔ ناشتے کے لیے آپ کو زحمت دے کر شرمندہ ہوں۔" شاہ سکندر کو واقعی انہیں زحمت دینا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"چلیں ناشتا کریں، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے چلی گئیں۔

"ہاں، کیا کہہ رہے تھے آپ، کب بلایا ہے جہانگیر بھائی نے؟" آسیہ نے میمونہ بھابی کے جاتے ہی

پھر وہی بات چھیڑ دی۔

"یہ پوچھنا تو میں بھول ہی گیا کہ وہ اسلام آباد میں کب تک رہیں گے، پھر انہی حساب سے
طے کر لیتا۔" شاہ سکندر نے سرسری انداز میں کہا۔

"آپ کو جہانگیر بھائی سے ملنا تو ہے اور ابھی میں یہاں ہوں تو آپ آرام سے جا سکتے ہیں
آپ کی مرضی۔ جیسا مناسب سمجھیں۔" آسیہ پہلے فوراً بولی تھی پھر احساس ہونے پر اس کی مرضی پر
"ہوں۔" شاہ سکندر نے ناشتے میں مصروف رہ کر سر ہلایا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم، اپنے گھر میں پھر تمہارے اکیلے ہونے کا خیال ہوگا پھر واقعی میرا جانا
ہو جائے گا۔" پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا، "میں آج ہی کی فلائیٹ سے چلا جاتا ہوں۔ پرسوں تک
آجاؤں گا۔"

آسیہ نے یونہی سر ہلا دیا۔

"اور پھر اسی وقت تم میرے ساتھ گھر چلو گی، میرا وہاں تمہارے بغیر دل نہیں لگتا۔ حالانکہ
سے پہلے میں کتنا عرصہ اکیلا رہا ہوں۔ لیکن اب تو ایک ایک پل بھاری لگتا ہے اور سن لو آئندہ
تمہیں ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ناشتا چھوڑ کر بولنے لگا تھا۔ اس کے لہجے
تنبیہہ نہیں محبت بھری دھونس تھی۔

آسیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

شاہ سکندر اپنی جگہ سے اٹھا اور پہلے اس کی ڈریپ چیک کی پھر جھک کر اس کی پیشانی چوم کر
"تم میری محبت میری زندگی ہو آسی! تم سے ایک پل کی دوری میری جان پہ بنا دیتی ہے۔ اپنا
رکھا کرو، یہ سوچ کر کہ میری سانسوں کی ڈور تمہارے ساتھ بندھی ہے۔"

اس کی محبتوں کی شدتیں یونہی آسیہ کی پلکیں نم کر دیتی تھیں۔ چپ چاپ سرکتے لمحوں میں سے ایک
لمحہ بہت چپکے سے ان بھیگی پلکوں پر بسیرا کر گیا تھا۔

یہ دھوپ کنارا، شام ڈھلے
ملتے ہیں دونوں وقت جہاں
جو رات نہ دن، جو آج نہ کل
پل بھر کو امر، پل بھر میں دھواں
اس دھوپ کنارے پل دو پل
ہونٹوں کی لپک
باہوں کی چھنک
یہ میل ہمارا، جھوٹ نہ سچ
کیوں زار کرو، کیوں دوش دھرو
کس کارن جھوٹی بات کرو
جب تیری سمندر آنکھوں میں
اس شام کا سورج ڈوبے گا
سکھ سوئیں گے گھر در والے
اور راہی اپنی راہ لے گا

تقریباً ڈیڑھ برس بعد شاہ سکندر کی گاڑی ہائی وے پر فراٹے بھر رہی تھی۔ آپ کے پاس سے آنے کے بعد اُس نے ایک بار پھر تمام حالات کو نئے سرے سے سوچا تو اُس پر بابا جان کی حکمت عملی پوری طرح واضح ہونے لگی تھی کہ کس طرح انہوں نے بظاہر خاموشی اختیار کر کے اُسے ایک طرح سے مجبور کرنے کی کوشش کی تھی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گئے تھے کیونکہ اُسے فی الفور واپسی کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور اُس نے واپسی کی تیاری کر لی لیکن اس طرح نہیں جیسے بابا جان چاہتے تھے۔ اس کے برعکس اُس نے سوچ لیا تھا کہ اب اُس کی باری ہے۔ بابا جان سے اپنا حق وصول کرنے کے لیے اُس نے پوری پلاننگ کے بعد اپنا سفری بیگ اٹھایا تھا۔

وہی ڈھائی تین گھنٹے کی مسافت تھی۔ اس دوران وہ جہاں خود کو بابا جان اور بی بی جان کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتا رہا، وہاں یہ خیال بھی تھا کہ اُسے کسی طرح خود کو مجبور ظاہر نہیں کرنا بلکہ اُن کی محبت میں وہ اُن سے ملنے آیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی غرض نہیں۔ اس کے بعد بابا جان کا ردعمل سوچتے ہوئے اس نے کچی سڑک پر گاڑی اتاری تو دونوں اطراف پھیلے کھیتوں میں کام کرتے مزارعوں نے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات سے اُسے دیکھا جبکہ اُس کی نظریں حویلی پر جمی تھیں جس کے بڑے سے گیٹ پر موجود چوکیدار نے اُس کی گاڑی دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح پورا گیٹ کھول دیا تھا۔ اور وہ بھی رکے بغیر گاڑی اندر لے آیا تھا البتہ جب گاڑی سے اترا تب سوچ میں پڑ گیا کہ پہلے اُسے کس کے پاس جانا چاہیے۔ بابا جان یا بی بی جان اور پھر کچھ طے کیے بغیر اُس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ غالباً سب کھانے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ طویل راہداری سے گزر کر لاؤنج میں آیا تو سامنے سے گزرتی جیراں نے اُسے دیکھ کر انتہائی بے یقینی سے پوری آنکھیں پھیلا لیں۔

"بی بی جان کہاں ہیں؟" شاہ سکندر پوچھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا تو جیراں جواب دینے کے بجائے سیڑھیاں بھاگتی اوپر چلی گئی۔

"نان سنس۔" جیراں کی بدحواسی پر اُس نے ناگواری سے سر جھٹکا تو نظر بچے پر پڑی جو ٹیبل کا کور پکڑ کر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل غیر ارادی طور پر وہ پوری طرح اس بچے کی طرف متوجہ ہو گیا، جو دو تین بار کی کوشش کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گیا پھر گھٹنوں کے بل گھسیٹتا ہوا اُس کی طرف آنے لگا۔ اور ایک قدم کے فاصلے پر تھا کہ دو ہاتھوں نے بہت پھرتی سے اُسے اٹھا لیا۔ اور وہ جو بہت اشتیاق سے بچے کو دیکھ رہا تھا چونک کر نظریں اٹھائیں تو سامنے مہرالنساء تھی۔ اُس کے دیکھنے پر بچے کو سینے میں چھپاتی لہرا کر پلٹی اور بے نیازی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اُس کے گلابی پاؤں سرخ کارپٹ پر نشان نہیں چھوڑ رہے تھے پھر بھی وہ اُس کے نقشِ پا دیکھتا رہ گیا۔

"ارے سکندر! تم کب آئے؟" شاہ جہانگیر کی آواز نے اُس کی محویت کو توڑا تھا۔

"ابھی۔ بس ابھی آ رہا ہوں۔" وہ چونک کر بولا اور بڑھ کر شاہ جہانگیر کے سینے سے لگتا ہوا پوچھنے لگا۔

"سب ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں تم آ گئے ہو تو سب ٹھیک ہو گا۔ بی بی جان سے ملے؟ چلو پہلے اُن سے مل لو۔ بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔" شاہ جہانگیر اُس کی اتنی جلد آمد پر اندر ہی اندر حیران ہو رہے تھے اور بظاہر بہت خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے اپنے ساتھ لگائے بی بی جان کے کمرے تک آئے اور دروازہ کھول کر انہیں مخاطب کر کے بولے۔

"بی بی جان! دیکھیں کون آیا ہے؟"

"کون؟" بی بی جان نے تکیے سے سر اٹھایا تو اُن کے ساتھ شاہ سکندر کو دیکھ کر پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا پھر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئیں اور دونوں بازو پھیلائے تو وہ بھی بے اختیار ہو گیا تھا۔ ماں جب تک نظروں سے اوجھل تھیں تو کبھی بھولے بھٹکے یاد آ جاتی تھیں اور اب وہ اپنے آپ پر حیران ہو رہا تھا کہ اتنا عرصہ وہ اُن

سے دور کیسے رہا۔

"بہت ستایا ہے تم نے مجھے۔ کوئی اس طرح بھی ماں سے ناراض ہوتا ہے؟" بی بی جان اُس کا چہرا ہاتھوں میں تھام کر شکوہ کرنے لگیں۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا پھر اُن کے رخساروں پر چھلکتے آنسو انگلیوں پر سمیٹ کر بولا۔

"آ تو گیا ہوں بی بی جان۔ اور مجھے آپ کی محبت کھینچ لائی ہے۔ ورنہ میں تو تہیہ کیے بیٹھا تھا کہ..."

"بی بی جان! تھکا ہوا آیا ہے اس سے کھانے وغیرہ کا تو پوچھیں۔" اُس کے ہونٹوں پر آسیہ کا نام آنے سے پہلے شاہ جہانگیر بول پڑے۔

"نہیں بس۔ اس وقت بھوک نہیں ہے۔" اُس نے کھانے کا منع کر دیا۔

"تو کوئی چائے، ٹھنڈا بلکہ ایسا کرو پہلے شاور لے لو۔" شاہ جہانگیر نے کہا تو وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے پہلے میں بابا جان سے مل لوں۔"

"بابا جان تو نور بانو کی طرف گئے ہیں۔ شام میں آئیں گے۔"

"خیریت۔ آپا نور ٹھیک تو ہیں ناں؟" اُس نے سوالیہ نظروں سے بی بی جان کو دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے نور بانو اور شہر بانو بھی۔ ابھی تو تم آئے ہو۔ دو چار روز میں جا کر بہنوں سے مل آنا۔" بی بی جان نے کہا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گیا۔

"جو گھر میں ہیں پہلے اُن سے تو ملنے دیں بی بی جان اسے۔" شاہ جہانگیر کا اشارہ مہر النساء کی طرف تھا اور بی بی جان نے غالباً دھیان نہیں دیا۔

"ہاں ہاں جاؤ، بھاوج کو سلام کرو۔"

وہ کن انکھیوں سے شاہ جہانگیر کو دیکھتا کمرے سے نکل آیا اور لاؤنج میں رُک کر انتظار کرنے لگا کہ شاید جہانگیر اس کے پیچھے آئیں گے لیکن وہ جانے قصداً بی بی جان کے پاس رُک گئے تھے یا روک لیے گئے تھے۔ وہ کچھ دیر انتظار کے بعد سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا تو اپنے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر ایک بار پھر رُک گیا۔ اندر مہر النساء کی موجودگی نے اسے شش و پنج میں ڈال دیا تھا۔ غالباً اپنی پلاننگ میں وہ اس لڑکی کو بھول گیا تھا۔ جب ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ جانے کیوں وہ کچھ خائف سا ہو رہا تھا۔ بمشکل خود کو اس کا سامنا کرنے پر آمادہ کر کے وہ کمرے کے دروازے تک آیا تو سامنے بیڈ پر وہ بچے کو گود میں لٹائے اس پر جھکی نظر آئی۔ ابھی تک بچے کے بارے میں اُس کے ذہن میں کوئی سوال نہیں تھا اور اب اچانک ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔

"وہ مہر النساء تھی سکندر! میں نے اُسے ہاسپٹل میں دیکھا تھا۔ غالباً ڈلیوری کے لیے آئی تھی۔ اُس کی گود میں بچہ بھی تھا۔"

اُس وقت اس نے چلا کر آسیہ کو خاموش کر دیا تھا لیکن اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بے اختیار چند قدم آگے آ کر بولا۔

"یہ میرا بچہ ہے۔"

مہر النساء نے چونک کر اسے دیکھا اور فوراً ہی نظروں کا زاویہ بدل گئی تو وہ اپنی بے اختیاری پر جز بز ہو کر بولا۔

"کیسی ہو تم؟"

مہر النساء نے سر جھکا لیا۔ جانے حجاب تھا یا ناراضگی کا اظہار۔ وہ کچھ دیر رُک کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا اور اپنے کپڑے نکال کر واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولا تھا۔

"میں سونا چاہتا ہوں، تم بی بی جان کے پاس چلی جاؤ۔"

شام اُتر رہی تھی جب بابا جان کے کہنے پر مہر النساء نے کمرے میں آ کر پہلے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے پھر دھیرے سے شاہ سکندر کا بازو ہلایا تو وہ نیند میں بڑبڑایا۔

"سونے دو ناں۔"

مہرالنساء کے پورے وجود میں چنگاریاں بھر گئیں۔ ایک جھٹکے کو ہونٹ بھینچے پھر اس کا ہاتھ کھینچ کر لائی۔
"اٹھیں شاہ! آپ کو بابا جان بلا رہے ہیں۔"
"ہوں" شاہ سکندر نے ذرا سی آنکھیں کھولیں لیکن جب مہرالنساء کا چہرہ نظر آیا تو فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر پوچھا۔
"کیا کہا تم نے؟"
"بابا جان بلا رہے ہیں۔"
"بابا جان آگئے؟" وہ ہاتھ نیچے گرا کر اُسے دیکھنے لگا۔
"جی اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" مہرالنساء کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔
کچھ دیر بعد شاہ سکندر نے بابا جان کے کمرے میں داخل ہو کر انہیں سلام کیا تو جواب میں وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں بازو پھیلاتے ہوئے بولے۔
"تو صبح کا بھولا لوٹ آیا۔"
شاہ سکندر کے اُن کی طرف بڑھتے قدم وہیں رُک گئے۔ اور اُن کے سینے سے لگنے کی خواہش دبا کر مضبوط لہجے میں بولا۔
"آپ غلط سمجھے بابا جان! میں بھولا نہیں ہوں۔"
"ہم نے تو یونہی ایک بات کہہ دی۔ برخوردار! ورنہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ خیر رُک کیوں گئے۔ آؤ گلے لگو ہمارے۔" بابا جان خوش دلی، فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھے تو وہ فوراً درمیانی فاصلہ سمیٹ کر اُن کے سینے سے جا لگا۔
"خوش تو ہو ناں۔"
"جی۔ دعائیں ہیں آپ کی۔" وہ کھل کر مسکرایا۔
"جیتے رہو۔" بابا جان اُس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "کہاں ہوتے ہو آج کل؟"
"کراچی میں۔" شاہ سکندر نے اُن کے انجان بننے پر بغور انہیں دیکھا پھر سر جھکا کر کہنے لگا۔ "میں آپ کو ناراض کر کے نہیں جانا چاہتا تھا بابا جان! اگر آپ اُس وقت میری بات مان لیتے تو میری خوشیوں میں آپ بھی شریک ہو سکتے تھے۔"
"جسے تم خوشی کہہ رہے ہو اُسے ہم تسلیم نہیں کرتے اور بہتر ہوگا جو تم ہمارے سامنے اس کا ذکر نہیں کرو۔" بابا جان نے واضح الفاظ میں ٹوک دیا۔
شاہ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے تو کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"اپنے بچے سے ملے؟" قدرے توقف سے بابا جان نے موضوع بدل کر بھی ایک طرح سے اُس پر جتا دیا کہ وہ مہرالنساء کو تسلیم نہ کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔
"جی۔" بادل نخواستہ جواب آیا۔
"خوش نہیں ہوئے۔ وارث ہے تمہارا۔" بابا جان کو اس کا انداز پسند نہیں آیا۔
"وارث۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔ "میری کون سی جائیداد یں کھڑی ہیں جس کے لیے میں۔"
"ہم نے تمہیں عاق تو نہیں کیا۔" بابا جان فوراً بولے تھے۔
"کر دیتے تو اچھا تھا۔" وہ سوچ کر رہ گیا اور مزید تلخی سے بچنے کی خاطر وہاں سے اُٹھنے کا بہانا ڈھونڈ رہا تھا کہ شاہ جہانگیر آگئے۔ ایک نظر اُسے دیکھ کر بابا جان سے پوچھنے لگے۔
"صبح رقبے پر چلنا ہے بابا جان؟"
"ہاں چلیں گے۔ سکندر بھی جائے گا ہمارے ساتھ۔" بابا جان نے کہا تو وہ چونک کر بولا۔
"میں؟"
"اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ کیا پہلے تم بابا جان کے ساتھ نہیں جاتے رہے؟" شاہ جہانگیر نے

اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"ابھی بھی جائے گا۔ کیوں سکندر؟" بابا جان نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا تھا۔

"جی چلوں گا۔" پھر ان سے اجازت لے کر کمرے سے نکل آیا۔

بی بی جان نے رات کے کھانے میں اس کی پسندیدہ ڈشز بنوائی تھیں اور وہ کھانے کے لیے بیٹھ بھی گیا لیکن اس کا ذہن مختلف سوچوں کے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا۔ مزید سب کے رویے حیران کر رہے تھے کیونکہ اس کے خیال میں اسے یہاں آتے ہی پہلے بابا جان اور بی بی جان کی ناراضگی کا سامنا کرنا تھا، پھر معافی مانگ کر انہیں منانے کا مرحلہ تھا لیکن یہاں سب کے برعکس اس کے اقدام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا رہی تھی گویا اس کا جانا اور آنا معمول کی بات ہو۔ اور ظاہر ہے جب معافی تلافی کا مرحلہ ہی نہیں آیا تو وہ کس بنیاد پر اپنی شرائط بیان کرتا۔

"کیا بات ہے۔ دوپہر میں بھی تم نے کھانے سے انکار کر دیا تھا اور ابھی بھی کچھ نہیں لے رہے۔" بی بی جان نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر ٹوکا۔

"جی بس۔ میں کھا چکا۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا اور جیران سے جانے کا کہہ کر باہر لان میں نکل آیا۔ حقیقتاً اسے بہت گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اپنوں کے درمیان ان کی محبتوں کے باوجود لگ رہا تھا جیسے وہ پھر کسی چکر میں پھنس گیا ہے۔

تم کو میرے سوا اور میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا
میں تیری دھوپ ہوں تو ہے سایا میرا
زندگی کے عوض پیار پایا تیرا
تو رہے ہمسفر تو یہ لمبی ڈگر
کٹ جائے گی پھولوں بھرا راستہ
تم کو میرے سوا اور میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا

آسیہ بڑی مگن سی گنگنا رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کس خیال کی چمک تھی۔ سبزی بناتی ہوئی میمونہ بھابی نے دو تین بار اسے دیکھا لیکن ٹوکا نہیں۔ شاید اس کے ہونٹوں پر مچلتا گیت انہیں اچھا لگ رہا تھا۔

رات دن کا جو یہ عجب کھیل ہے
ہے جدائی کہیں اور کہیں میل ہے
عمر فانی وہی، یہ کہانی وہی
لوگ رکتے ہیں رکتا نہیں قافلہ
تم کو میرے سوا اور میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا

"واہ۔ کیا خوبصورت گیت ہے۔" میمونہ بھابی نے بے اختیار تعریف کی۔

"شکریہ، ویسے میرا نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اسے جو اچھا گا دے اسی کا۔ اور تم نے اچھا۔"

"بس بس۔ زیادہ تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے میری آواز کیسی ہے۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی اور باسکٹ میں سے گاجر اٹھا کر کھانے لگی۔

"اور بھی لے لو۔ میں اب پکانے جا رہی ہوں۔" میمونہ بھابی پھیلاوا سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بس، کافی ہے۔ اور سلاد میں کاٹ دیجیے گا۔ بلکہ لائیے میں کاٹ دوں۔" یوں بھی فارغ بیٹھی ہوں۔"
اُس نے باسکٹ اپنی طرف کھینچ لی اور میمونہ بھابی باقی چیزیں اُٹھا کر کچن میں چلی گئیں۔
"آسیہ!" امّاں جی نے اپنے کمرے سے نکل کر اُسے پکارا۔
"جی امّاں جی!" اُس نے جواب دیا تو امّاں جی قریب آکر بولیں۔
"وہ۔ وہ تم نے نائلہ کا کہا تھا۔ عدیل سے معلوم کیا، کیا کہتا ہے وہ؟"
"انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ابّا جی سے پوچھ لیں پھر چلیں گے۔" وہ باسکٹ ہٹا کر امّاں جی کے بیٹھنے کو جگہ بناتے ہوئے بولی۔
"تمہارے ابّا جی سے تو پوچھ لیا ہے اور وہ سکندر کب آئے گا۔ وہ بھی ساتھ چلتا۔"
"سکندر۔ دو دن میں آنے کا کہہ گئے تھے۔" اُس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔
"آج تیسرا دن ہے۔" امّاں جی نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔
"جی۔ ہو سکتا ہے آج آجائیں۔"
"بس تو اس کے آنے پر چلیں گے۔ اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ بڑے کی طرف سے تو اللہ کا شکر ہے اطمینان ہو گیا ہے۔ ایک یہ عدیل رہ گیا ہے۔ اس کی شادی ہو جائے تو پھر میں اور تمہارے ابّا جی بڑے کے پاس جا رہیں گے۔"
"حج کے لیے؟" وہ خوش ہو کر بولی۔
"ہاں بیٹا، دعا کرو قسمت میں حج لکھا ہو۔ بڑی آرزو ہے مکّہ مدینے جاؤں۔" فرطِ عقیدت سے امّاں جی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"انشاء اللہ امّاں جی! آپ ضرور جائیں گی اور اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بڑے بھیا وہاں ہیں۔ آرام سے آپ کو اور ابّا جی کو حج کرائیں گے۔" اُس نے امّاں جی کے ہاتھ تھام لیے۔
"آسیہ! تمہارا فون ہے۔" میمونہ بھابی پکار رہی تھیں۔ وہ "سکندر کا ہو گا" کہتے ہوئے بہت عجلت میں اُٹھ کر بھاگی تھی۔
"طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" اُدھر سے شاہ سکندر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"بہت بہتر۔ آپ سنائیں، میرا تو خیال تھا آج آپ خود آئیں گے۔ اور ابھی امّاں جی سے میں یہی کہہ رہی تھی۔"
"ہاں آنا تو تھا لیکن ادھر بابا جان! میرا مطلب ہے جہانگیر بھائی بابا جان کے کسی کام میں اُلجھے ہوئے ہیں اور میں اُن کے ساتھ ہی آؤں گا۔" شاہ سکندر بہت سنبھل کر بات بنا گیا۔
"کب، کتنے دنوں میں؟" اُس نے فوراً پوچھا۔ "تم فکر نہیں کرنا۔ کوئی پرابلم تو نہیں ہے نہ؟"
"میں یہی بتا رہا ہوں، کچھ دن لگ جائیں گے۔ تم فکر نہیں کرنا۔ کوئی پرابلم تو نہیں ہے نہ؟"
"نہیں۔ آپ بتائیں شکیل بھائی کے ہاں گئے تھے۔" اُس نے ایک دم خیال آنے پر پوچھا تو وہ قدرے رُک کر بولا۔
"ابھی تو نہیں گیا۔ موقع ملا تو جاؤں گا۔"
"اچھا سنیں۔ ابھی امّاں جی نائلہ کے ہاں جانے کی بات کر رہی تھیں۔ وہ عدیل بھائی کے سلسلے میں کہہ رہی تھیں آپ آجائیں تو پھر میرا مطلب ہے آپ کو بھی ساتھ چلنا ہے۔" اُس نے ایک طرح سے اُسے جلدی کرنے کو کہا۔
"یہ عورتوں کے معاملات ہیں یار! تم چلی جانا۔" وہ گھریلو گفتگو سے پہلو تہی کرتے ہوئے بولا۔ "سنو کوئی خوبصورت سی بات کہو۔ جو میری سماعتوں میں ہمیشہ کے لیے امر ہو جائے۔"
"چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ اور فوراً خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اُدھر سے خوبصورت مترنم ہنسی کی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ ایک لمحہ رُک کر پوچھنے لگی۔ "کون ہے سکندر؟"
"کہاں؟" اُدھر سے بے دھیانی میں کہا گیا۔

"آپ کے آس پاس۔"
"وہ جہانگیر بھائی کی۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گیا۔ تو وہ فوراً بولی تھی۔
"بھابی ہیں، میری بات کرائیں اُن سے۔"
"نہیں، پھر کسی وقت، اچھا خدا حافظ۔" شاہ سکندر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ تو وہ اس کی اتنی احتیاط پر قدرے جھنجلا گئی تھی۔

پھر اُس نے امّاں جی کو شاہ سکندر کی معروفیات بتا کر اُسی روز ان سے نائلہ کے ہاں چلنے پر اصرار کیا تو میمونہ بھابی نے بھی اُس کی تائید کی۔ اُن کا کہنا بھی ٹھیک تھا کہ پہلے عورتوں کے درمیان بات ہوگی اس لیے شاہ سکندر کا جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ یوں شام میں جلنے کا طے کر کے اُس نے ابا جی کے کہنے پر نائلہ کی امی کو فون کر دیا تھا۔

نائلہ کی امی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے آ رہی ہے اس لیے انہوں نے نائلہ کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ جیسے ہی آسیہ کو دیکھتے ہی وہ اپنے لاابالی انداز میں بھاگ کر اُس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔
"کہاں ہوتی ہیں آپ؟"
"یہیں، اسی شہر میں۔" آسیہ مسکرائی۔
"لیکن اپنے گھر میں نہیں ہوتیں۔ پرسوں میں اور بھائی جان گئے تھے۔"
"ہاں میں آج کل امّاں جی کے پاس ہوں۔" آسیہ نے امّاں جی کی طرف دیکھ کر کہا تب نائلہ کو امّاں جی اور میمونہ بھابی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ فوراً آسیہ سے الگ ہو کر بولی۔
"السلام علیکم۔"
"جیتی رہو۔" امّاں جی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"میری طرف سے خوش رہو۔" میمونہ بھابی فوراً کھلتی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔
"بیٹھیں پلیز، میں امی کو بلاتی ہوں۔" نائلہ کمرے سے نکل گئی۔
"اچھی لڑکی ہے۔ اپنے مزاج کی۔ ہے نا اماں جی۔" میمونہ بھابی بیٹھتے ہی امّاں جی کو مخاطب کر کے بولیں۔
"ہاں۔ اس کی ماں بھی اچھی عورت ہے۔" امّاں جی نے کہا تب ہی نائلہ کی امی آ گئیں۔ آسیہ کے ساتھ میمونہ بھابی نے بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر انہیں سلام کیا تو جواب کے ساتھ وہ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی۔ امّاں جی کے پاس جا بیٹھیں۔ اور اُن کا حال احوال پوچھنے لگیں۔
"بس موسم بدلتا ہے تو جوڑوں کا درد شروع ہو جاتا ہے۔ رات آسیہ نے دوا لکھ کر دی تھی۔ اُس سے کافی فائدہ ہوا ہے۔" امّاں جی اپنا احوال سنا رہی تھیں۔
"میں نائلہ کے پاس جا رہی ہوں۔" آسیہ نے سرگوشی میں میمونہ بھابی سے کہا اور اُٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے لیے یہ گھر اجنبی نہیں تھا۔ لابی سے گزر کر کچن کی طرف جا رہی تھی کہ احمد حسن کو آتے دیکھ کر رُک گئی۔
"ارے آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کی طرف سے ہو کر آ رہا ہوں۔" احمد حسن نے قریب آ کر کہا۔
"جی۔ نائلہ نے بتایا ہے، پرسوں بھی آپ لوگ گئے تھے۔"
"تو کہاں ہیں آپ لوگ؟" احمد حسن نے برجستہ پوچھا۔
"سکندر اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اور میں امّاں جی کے پاس ہوں۔" اُس نے بتایا تو احمد حسن تعجب سے بولا۔
"کمال ہے، سکندر نے مجھے اسلام آباد جانے کا بتایا ہی نہیں کب گئے ہیں؟"
"تین چار روز ہو گئے ہیں۔ اور غالباً اتنے ہی دنوں بعد آئیں گے۔" اُس نے خود سے قیاس کر کے کہا۔ تبھی نائلہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے کچن سے نکلی اور اُن دونوں کو راستے میں کھڑے دیکھ کر رُکتے ہوئے بولی۔
"آپ لوگ بیٹھ کر بھی بات کر سکتے ہیں۔ خیر اب یہاں کہیں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُدھر ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

"اور کون ہے آپ کے ساتھ، عدیل بھائی؟" احمد حسن نے لوازمات سے بھری ٹرالی پر نظر ڈال کر آسیہ سے پوچھا۔

"نہیں، اماں جی اور میمونہ بھابی ہیں۔ چلیں آپ بھی۔" آسیہ نے نائلہ کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ چلیں، میں چینج کر کے آتا ہوں۔" احمد حسن اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ڈریسنگ روم میں آئی تو غالباً اماں جی اپنی آمد کا مقصد بیان کر چکی تھیں۔ جب ہی نائلہ کی امی نے اُسے فوراً واپس جانے کا اشارا کیا جسے دیکھ کر وہ عقب سے سرگوشی میں بولی تھی۔

"یہاں تمہاری شادی کی بات ہو رہی ہے۔"

"ہیں۔" نائلہ نے بوکھلا کر اُسے دیکھا اور اُس کی معنی خیز مسکراہٹ سے گھبرا کر بھاگ گئی۔

احمد حسن کی امی نے سوچنے کو وقت مانگ کر ایک طرح سے نیم رضامندی کا اظہار کر دیا تھا مگر آتے ہی میمونہ بھابی، عدیل بھائی کو چھیڑتے ہوئے بولیں۔

"اف، تمہاری جھوٹی تعریفیں کر کے میں نے اپنا نامۂ اعمال خراب کر لیا۔ اللہ توبہ۔ اللہ معاف کرے مجھے۔"

"کبھی معاف نہیں کرے گا اللہ آپ کو۔" عدیل بھائی چڑ کر بولے۔

"ہاں تمہارے عیب چھپانے کا گناہ قابلِ معافی تو نہیں ہے پھر بھی اللہ بڑا مہربان ہے۔" وہ عدیل کے چڑنے پر کھلکھلا کر بولی تھیں۔

بابا جان مسلسل شاہ سکندر کو اپنے ساتھ مصروف رکھے ہوئے تھے۔ تیسرے دن بمشکل اُسے آسیہ کو فون کرنے کا موقع ملا تھا اور اُسے اپنے مزید چند دن اسلام آباد میں رہنے کا بتا کر وہ کسی حد تک اطمینان سے ہو گیا تھا۔ کیونکہ جس مقصد سے یہاں آیا تھا اُس کے حصول تک وہ بابا جان کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک طرح سے اُن کی خوشنودی ضروری تھی۔

اُس وقت وہ بابا جان کے کہنے پر شہر بانو کے ہاں یعنی اپنے پہلے سسرال جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آیا تو بی بی جان کے پاس پوری سج دھج سے تیار کھڑی مہر النساء کو دیکھ کر دروازے میں ہی رک گیا تھا۔

"جاؤ سکندر آ گیا۔" بی بی جان اُسے دیکھ کر مہر النساء سے بولیں۔

"یہ میرے ساتھ۔" وہ اس صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ پیشانی پر گہری لکیر نمودار ہو کر اُس کی ناگواری ظاہر کر گئی۔

بی بی جان نے تیکھی نظروں سے دیکھا تو وہ سر جھٹک کر پلٹا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ گاڑی کے پاس ڈرائیور موجود تھا اُسے دیکھتے ہی دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم جاؤ۔" وہ ڈرائیور کو بھیج کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد مہر النساء بچے کو اٹھائے اُس کے برابر آ کر بیٹھی تو اُس نے جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

مہر النساء اُس کے چہرے پر ناگواری اور اب کر خفگی دیکھ کر ہی خائف ہو گئی تھی۔ اندر ہی اندر ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ اس کے گھر والوں کے سامنے بھی اسی طرح پیش نہ آئے۔ شادی کے بعد پہلی بار اُس کے ساتھ جا رہا تھا اور وہ بھی اتنے عرصے بعد۔ اس تمام عرصے میں وہ کس طرح سب کو اپنی طرف سے اطمینان دلاتی رہی تھی، یہ تو وہی جانتی تھی اور اب یہ خدشہ بجا تھا کہ کہیں بھرم نہ ٹوٹ جائے۔

جب اُس کے بابا کی حویلی نظر آنے لگی تب وہ بہت ہمت کر کے بولی تھی۔

"سنیں شاہ! یہاں شہر بانو کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم کہ آپ شاہ پور چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

شاہ سکندر کچھ نہیں بولا۔ لیکن اپنے اعصاب پر قابو پا لیا اور خاصا پُرسکون نظر آنے لگا تھا۔

حویلی میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے شاہ ہارون سے سامنا ہوا۔ یوں بھی وہ اُس کا عم زاد تھا

اور اس سے بہت دوستی بھی تھی۔ جب ہی اس کے گلے لگتے ہی وہ سب بھول گئی۔ پرانے بلکہ خونی رشتے اور محبتیں حاوی ہو گئی تھیں۔

"تمہیں عید کا چاند بھی نہیں کہا جا سکتا سکندر، کہ وہ بھی سال میں دو بار نظر آ جاتا ہے۔" شاہ ہارون نے پُرجوش انداز میں اُسے بازوؤں کے حلقے میں بھینچتے ہوئے کہا۔

شاہ سکندر کے پاس جواب نہیں تھا تو زوردار قہقہہ لگا کر گویا اُس کی بات سے محظوظ ہوا۔

مہرالنساء نے ایک لمحہ کو رُک کر دیکھا پھر مطبخ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کچھ دیر تک سارے گھر میں اس کی آمد کی خبر ہو گئی تو سب اپنے اپنے کمروں سے نکلنے لگے جبکہ شہر بانو بے قراری سے بھاگی آئی تھی۔

"کیسی ہو شہر بانو؟" وہ شہر بانو کے سامنے کچھ چور سا بن گیا تھا۔

"اچھی ہوں بھائی! آپ سنائیں، آپ تو...." شہر بانو ایکدم خاموش ہو گئی۔

"ہاں، تمہیں پتا ہے میں اس وقت چاند ہوں گا۔" اس نے خوبصورتی سے شہر بانو کی بات مکمل کی۔

"اور وہ بھی میرے ہاتھ تو کی۔" شہر بانو بات بن جانے پر ہنستی کرتی کمرے سے نکل گئی تو وہ چچا جان کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان کے پوچھنے پر اپنی مصروفیات بتانے لگا۔

شاہ سکندر کا خیال تھا وہ شام سے پہلے گھر کی راہ لے گا لیکن رات کے کھانے تک تو اسے بھی وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا اس کے بعد چچا جان نے زبردستی روک لیا کہ بغیر کسی حفاظتی انتظام کے رات میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

"بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آجکل کے حالات تم جانتے ہو۔ اور یہاں تمہیں پریشانی کیا ہے اپنے گھر میں ہو۔" شاہ ہارون اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلو اٹھو، سونے کی بات کرو، تمہارا ولی عہد تو سو چکا۔"

"بادشاہ کہو۔" وہ مہر کی گود میں سوئے بچے کو دیکھ کر مسکرایا پھر اٹھ کر شاہ ہارون کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے پیچھے شہر بانو، مہرالنساء سے سرگوشیوں میں جانے کیا کہتی آ رہی تھی۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی پھر بھی ایک شوخ جملہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

"اب قابو کر کے رکھنا اپنے شاہ کو۔"

بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلے کوٹ اتار کر صوفے کی بیک پر رکھا پھر بیٹھ کر شوز اتارنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر سیدھا ہوا تو نظر مہرالنساء پر پڑی، وہ بچے کو بیڈ پر لٹانے کے بعد اس کا فیڈر اور تھرماس لے کر جا رہی تھی۔ اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر بچے کے ایک طرف لیٹا اور کچھ دیر سوئے ہوئے بچے کو دیکھنے کے بعد آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

اپنے گھر میں تو مہرالنساء جہاں وہ کمرے میں داخل ہوتا وہ وہاں سے چلی جاتی تھی اور یہاں مجبوری تھی پھر بھی وہ ایک بہانے سے چلی گئی تھی تو لاشعوری طور پر وہ اس کا انتظار کرنے لگا شاید اسے اس کا اتنا یقین تھا۔ کتنی دیر گزر گئی اس کے انتظار پر نیند غالب آ گئی، اور وہ جانے کب آئی تھی۔

رات کے کسی پہر کروٹ بدلتے ہوئے شاہ سکندر کی آنکھ کھلی تھی تو کھڑکی کے پاس کھڑی مہرالنساء کو دیکھ کر وہ یکلخت بیدار ہو گیا۔ اور کہنیوں پر وزن ڈال کر اونچا ہو کر بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"تم سوئی نہیں؟"

مہرالنساء بجلی کی طرح چونکی اور پھر اس پر بس ایک نظر ڈال کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے۔ نیند نہیں آ رہی؟" اس نے کارنس سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"نیند قسمت والوں کو آتی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پھر دھیرے دھیرے چلتی اُس کے سامنے آکر کہنے لگی۔ "ایک بات بتائیں شاہ! اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ یا آپ خود اُسے چھوڑ آئے ہیں؟"

"کیسے؟" وہ ہونٹوں میں دبا سگریٹ نکال کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اُسے، جس کی خاطر آپ مجھے بلکہ سب کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔" مہر النساء براہ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ اُس نے مجھے یا میں نے اُسے چھوڑ دیا۔"

"کسی نے نہیں، آپ کی واپسی سے میں نے خود سمجھ لیا۔" مہر النساء نے کہا۔

"اچھا!" وہ اُس کی سمجھ پر ذرا سا ہنسا۔ پھر لائٹر جلا کر اُس کے ننھے سے شعلے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنو مہر النساء! تم اگر اس کے بارے میں جان گئی ہو تو یہ بھی جان لو کہ وہ میری محبت میری زندگی ہے۔"

"اور میں؟" مہر النساء کی بے اختیاری نے اُسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اور فوری جواب سے بچنے کی خاطر وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے لگا۔ اس کے بعد بھی سوچ کر بولا تھا۔

"میں تمہاری حقیقت اور اہمیت سے انکار نہیں کروں گا مہر النساء! کیونکہ تم میرے بچے کی ماں ہو۔ مجھے اگر تم سے محبت نہیں تو نفرت بھی نہیں ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم دنیا دکھاوے کو محض میرے نام کے سہارے زندگی گزارو اور اس امید پر کہ کبھی میں آئیسہ کو چھوڑ کر تمہاری طرف لوٹ آؤں گا۔

ہو سکتا ہے تمہیں بابا جان نے ایسا کوئی یقین دیا ہو کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں بلکہ مسلسل اسی کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے مہر النساء! تم خود کو فریب مت دو۔ میں چند دنوں کے لیے آیا ہوں، واپس لوٹ جاؤں گا۔ میری طرف سے تمہیں پوری آزادی ہے اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو سوچ لو۔"

مہر النساء گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہ سکندر نے خاموش ہو کر اُسے دیکھا اور مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے دوبارہ لیٹ گیا۔ لیکن اب نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

پھر صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی شاہ سکندر واپس جانے کے لیے تیار ہو گیا اور چچا جان سے اجازت لینے اُن کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ شاہ جہانگیر آ گئے، انہیں بابا جان نے بھیجا تھا۔ لیکن شاہ سکندر کے سامنے وہ بابا جان کا نام لیے بغیر کہنے لگے۔

"میں فارم پر جا رہا ہوں، تم بھی چلو، ذرا فراغت سے بیٹھیں گے۔" شاہ سکندر خود بھی اُن سے تنہائی میں فرصت سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مہر النساء کا خیال آنے پر کہنے لگا۔

"مہر النساء بھی ساتھ ہے بھائی۔"

"تو کیا ہوا۔ وہ بھی چلے گی۔" شاہ جہانگیر نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

"لیکن اُس کی موجودگی میں۔" مہر النساء کے آنے سے شاہ سکندر کی بات ادھوری رہ گئی۔

"آپ کب آئے بھائی جی؟" مہر النساء نے شاہ جہانگیر کو دیکھ کر پوچھا۔

"بس ابھی آ رہا ہوں۔ اصل میں فارم پر جا رہا تھا۔ راستے میں خیال آیا تم لوگوں کو بھی ساتھ لیتا چلوں۔ ذرا گپ شپ رہے گی۔ وہ آغا کہاں ہے؟" شاہ جہانگیر نے آخر میں بچے کا پوچھا تو مہر النساء کمرے کی طرف اشارا کر کے بولی۔

"شہر بانو کے پاس ہے۔"

"اچھا تم اُسے لے کر آؤ، ہم جب تک چچا جان سے مل لیں۔" شاہ جہانگیر نے شاہ سکندر کو چلنے کا اشارا کرتے ہوئے کہا تو وہ اپنے کسی خیال سے چونکا پھر سر جھٹک کر اُن کے ساتھ چل پڑا۔

پھر چچا جان کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ دونوں باہر آئے تو مہر النساء شہر بانو کے ساتھ

کھڑی تیز تیز جلنے کیا بول رہی تھی کہ انہیں دیکھ کر ایکدم خاموش ہو گئی جبکہ اُس کی آنکھیں ابھی بھی کچھ کہتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"اچھی تو ہو شہر بانو۔" شاہ جہانگیر نے آگے آکر شہر بانو کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جی۔" شہر بانو کا دھیان مہر النساء کی طرف تھا اس لیے بس جی کہہ کر رہ گئی۔

"ہارون نظر نہیں آرہا؟"

"انہیں حیدرآباد جانا تھا۔ سویرے ہی نکل گئے۔ اور آپ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں۔ شام تک رکتے۔"

"بس بیٹا کچھ کام ہے۔ پھر آؤں گا۔ چلو سکندر۔" شاہ جہانگیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"اچھا شہر بانو چلتا ہوں۔" شاہ سکندر نے شہر بانو کو خدا حافظ کہنے میں بہت عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

مہر النساء بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اُس کے ہر انداز سے تنفر ظاہر ہو رہا تھا۔ اور یہ یقیناً اُس کے سامنے آسیہ سے گہری وابستگی کے اظہار کا نتیجہ تھا جسے وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ کل تک تو وہ ایسی نہیں تھی۔ اُس سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے باوجود اپنے جذبوں کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ شاید اس خوش فہمی کی بنا پر کہ وہ ہمیشہ کے لیے اُس کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اور حقیقت معلوم ہونے پر اُس کا تلملانا فطری امر تھا۔ تمام راستہ بھی بچے کی معصوم شرارتوں پر اُسے بُری طرح جھڑکتی رہی تھی اور اب ریسٹ ہاؤس کے ملازمین پر برس رہی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" شاہ جہانگیر نے بہت آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے شاہ سکندر سے پوچھا تو اُس نے کندھے اُچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

"کیا تم اسے خاموش نہیں کرا سکتے!" شاہ جہانگیر کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کیسے مرد ہو۔

"چلانے دیں بھائی! آخر وہ بھی انسان ہے۔ گھٹ گھٹ کر تو مر جائے گی۔" وہ اپنی ناگواری چھپا کر بولا۔

"اس کے مرنے سے تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔" شاہ جہانگیر نے مذاقاً کہا اور سمجھنے کے باوجود وہ بُری طرح سلگ کر بولا۔

"اب میں اتنا حوصلہ غرض بھی نہیں ہوں جہانگیر بھائی! کہ اپنے فائدے کے لیے کسی کی جان ہی لے لوں۔"

"ہا ہا ہا ہا۔" شاہ جہانگیر کا استہزائیہ قہقہہ زوردار تھا۔ وہ بمشکل ضبط کرتا اُن کے پاس سے اُٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔

پہلے بھی وہ اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ کبھی بابا جان کے کام سے اور کبھی یونہی تفریح کی غرض سے خصوصاً جب سردیوں کی آمد ہوتی اور مالٹوں سے پورا باغ مہک رہا ہوتا۔ ابھی تو ہر طرف خشک پتے بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں وہ پیروں تلے روندتا بڑی دور نکل گیا۔ عجیب سی بے بسی تھی۔ وہ شان و تمکنت جو اُس کی ذات کا خاصا تھی۔ جانے کہاں کھو گئی تھی کہ خود اُسے اپنا آپ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزرا تھا۔ جب وہ بابا جان سے اپنی ہر بات منوا لیا کرتا تھا۔ اور اُس وقت یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی زندگی میں یہ مقام بھی آئے گا کہ بابا جان اُس کی بات سننے پر ہی آمادہ نہیں ہوں گے اور اُسے بھائی کا سہارا لینا پڑے گا، کتنا فریب تھا اس سہارے میں۔ وہ پہلے جان ہی نہیں پایا تھا۔

"کاش جہانگیر بھائی ہی میرے ساتھ فیئر ہوتے، کچھ نہ کرتے میرے لیے۔ مجھے تنہا چھوڑ دیتے تو میں اپنی زندگی گزار لیتا۔ اُن کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر میں کس قدر بے مایا ہو گیا ہوں۔" وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھا کہ گاڑی کا ہارن بھی سنائی نہیں دیا۔

"کہاں چلے جا رہے ہو یار۔" شاہ جہانگیر نے گاڑی اس کے قریب لا کر کہا تو وہ رک کر کچھ نا سمجھی کے عالم میں دیکھنے لگا۔

"میری کسی بات سے ناراض ہوئے ہو؟" شاہ جہانگیر گاڑی سے اتر کر اس کے قریب چلے آئے۔

"نہیں، آپ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"پھر یوں خفا خفا سے کہاں جا رہے تھے؟" وہ گہری سانس لینے کے بعد ــــ قصداً مسکرایا۔

"کہیں نہیں۔ بس کچھ پرانی یادیں تازہ کرنے نکل آیا۔ آپ کو یاد ہے ایک بار نہر کے اس طرف خانہ بدوشوں کا قافلہ آن کر ٹھہرا تھا۔" وہ ایکدم سے یوں ہو گیا تھا جیسے اس وقت سے واقعی ان ہی پرانی یادوں کو سوچتا آ رہا ہو۔

"ہاں۔ اور مجھے اپنی زندگی میں پہلا عشق اسی قافلے کی ایک لڑکی سے ہوا تھا جس کا مجھے اب نام بھی یاد نہیں۔" شاہ جہانگیر نے بڑے محظوظ انداز میں کہا۔

"پہلا عشق۔ اس کا مطلب ہے فہرست طویل ہے۔" اس نے فوراً گرفت کی۔

"لیکن تمہاری طرح اتنا سیریس میں کسی کے ساتھ نہیں ہوا کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آ جائے۔" شاہ جہانگیر بھی فوراً بولے تھے۔

"تو انہیں آپ عشق تو نہ کہیں، دل لگی ہو سکتی ہے۔"

"تم جو بھی کہہ لو یار۔" شاہ جہانگیر نے اس بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا اور اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ واپس کے راستے پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"کیا میں اتنی دور نکل آیا ہوں؟"

"ہاں، کبھی کبھی خود کو بھی پتا نہیں چلتا۔" شاہ جہانگیر کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھنے لگے کہ اس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

"بھائی! پہلے میری بات سن لیں۔"

شاہ جہانگیر گویا کچھ گھبرا کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

"میں آپ کے کہنے پر یہاں آیا ہوں۔" وہ بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ بابا جان سے معافی تلافی کے بعد سارا معاملہ ٹھیک ہو جانے تھا۔ لیکن یہاں تو وہی اول روز والی صورتِ حال ہے۔ بابا جان کو آسیہ کا ذکر تک سننا گوارا نہیں۔"

"تو تم سے کس نے کہا ہے کہ ان کے سامنے آسیہ کا ذکر کرو۔ تم ہمیشہ جلد بازی میں حماقت کر جاتے ہو سکندر! پہلے تمہیں عملی طور پر ان پر یہ ثابت کرنا ہے کہ تمہیں ان کا بھی اتنا ہی خیال ہے جتنا آسیہ کا۔ اس کے بعد تمہاری کوئی بات سنی جائے گی۔" شاہ جہانگیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس میں بہت وقت لگے گا بھائی! اور میں اتنا عرصہ آسیہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایک دو دن میں اس کے پاس جانا ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے یوں کہا جیسے مزید رکنا ناممکن ہو۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، اس طرح تو تم کبھی بابا جان کو آسیہ کے حق میں ہموار نہیں کر سکو گے، کچھ دن تو تمہیں یہاں رہنا پڑے گا۔" شاہ جہانگیر زچ ہو کر بولے تھے۔

"میں آسیہ سے صرف دو دن کا کہہ کر آیا تھا۔"

"تو کیا ہوا؟ وہ ماشاءاللہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے۔ اسے فون کر کے کہہ دینا کہ تم جس کام سے آئے ہو، وہ کر کے ہی آؤ گے، وہ جاہل عورتوں کی طرح تم سے جرح تو نہیں کرے گی۔"

"وہ جرح نہیں کرے گی لیکن۔ آپ نہیں سمجھیں گے کیونکہ آپ نے کبھی عشق کیا ہی نہیں۔" اس کے لہجے کی تپش نے شاہ جہانگیر کو خاموش کرا دیا تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا، جب اچانک وہ نیند میں سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا

کہیں کوئی آواز، کوئی آہٹ نہیں تھی، اور اپنے زور زور سے دھڑکتے دل کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔ کتنی دیر تک بیٹھے بیٹھے اس نے مدھم سی روشنی میں وہ چاروں طرف نظریں گھما گھما کر [illegible] اپنے قریب سوئی سونیا کو دیکھ کر شاید اس کی نیند ٹوٹنے کا سبب سونیا ہو، لیکن وہ بے خبر سو رہی تھی پھر بھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اس نے دھیرے سے پکارا تو سونیا ہوں ذرا سا کسمسا کر رہ گئی۔

تب کچھ حیران ہوتی وہ دوبارہ لیٹ گئی، لیکن نیند یوں اچاٹ ہوئی تھی کہ وہ دیر سے سو نہ سکی۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے زبردستی سونے کی کوشش ترک کر دی اور [illegible] سوچنے لگی۔ آج سارا دن بھی دھیان اسی کی طرف رہا تھا اور ابھی شاید خوابوں کی [illegible] بہرحال وہ جو دو دن کا کہہ کر گیا تھا تو پورے آٹھ دن ہو گئے تھے۔ اور [illegible] بتایا تھا کہ اسے آنے میں کچھ دن لگیں گے مگر اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ اور ابھی تک وہ مطمئن ہی تھی۔ لیکن اب اچانک اس کے اطمینان میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں۔ شاہ سکندر کی طرف سے بدگمانی نہیں تھی، بلکہ اس کے بھائی شاہ جہانگیر کچھ پراسرار سے لگنے لگے تھے، جو شادی کے بعد [illegible] ہونے کے باوجود پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اور ابھی بھی شاہ سکندر ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ [illegible] وہ فقط شاہ سکندر کے کام نہیں [illegible] رہے ہوں۔ پتا نہیں وہ جانتا بھی ہے یا نہیں [illegible] وہ سوچتے سوچتے صبح کے قریب جا کر سوئی تھی۔ اس لیے معمول کے مطابق اٹھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ مہوش جہاں نے ناشتے کے لیے اٹھایا تو اس وقت ذرا سی آنکھیں کھول کر اس نے صرف ناشتے [illegible] بعد میں اٹھانے کو منع کر دیا تھا۔

پھر گیارہ بجے کے قریب شاہ سکندر کے فون پر مہوش جہاں کو مجبوراً اسے جھنجھوڑنا پڑا۔

"شاہ سکندر کا فون ہے۔ سن لو پھر سو جانا۔" مہوش جہاں نے اس کے کان کے قریب اونچی آواز میں کہا تو وہ فوراً اٹھ گئی۔ اور کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے روٹھے لہجے میں بولی۔

"یہ اٹھانے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"تمہیں روٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے [illegible] کی خبر لو جو ایک پل صبر نہیں کر رہے۔"

"سکندر کا فون ہے کیا؟" اس کا اشتیاق چھپائے نہ چھپا۔

"جی نہیں، ان کا فون ہے۔" مہوش جہاں نے کہا تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ فون [illegible] تھا اور وہ سکندر سے بات کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے شاہ سکندر کو اس کی آمد کا بتا کر ریسیور اسے تھما دیا۔

"خیریت، کیا رات میں نیند نہیں سوئیں؟" شاہ سکندر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ہاں، رات کچھ سوتے جاگتے گزری۔" اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"آپ بتائیں کب آ رہے ہیں؟"

"بس دو چار دن میں آ رہا ہوں۔" شاہ سکندر کی بے یقینی اس کے انداز سے ظاہر تھی، اور [illegible] بات بھی بدل گیا۔

"سکندر مجھے ابھی خیال آیا تھا کہ آج تمہیں [illegible] کے پاس جانا ہے۔ تم مہوش جہاں کے ساتھ چلی جانا۔"

"نہیں، آج میرا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ کل چلی جاؤں گی یا جب آپ آئیں گے تب۔"

اس نے سستی سے کہا۔

"تم اپنا خیال نہیں رکھو گی تو [illegible]"

[illegible]

"ناشتا کرو گی؟" میمونہ بھابی نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر پوچھا۔
"نہیں، صرف چائے پیوں گی اور وہ بھی نہانے کے بعد۔" اس نے اس خیال سے منع کر دیا کہ کہیں میمونہ بھابی اپنا کام چھوڑ کر اس کے لیے ناشتا بنانے نہ کھڑی ہو جائیں۔ اس کے باوجود جب وہ نہا کر نکلی تو ٹرے میں چائے کے ساتھ ناشتے کے لوازمات بھی موجود تھے۔ اور ابھی وہ جائزہ لے رہی تھی کہ سونیا اور احمر اسکول سے آ گئے۔
"پھوپھو! میں بھی ناشتا کروں گی۔" سونیا نے اپنا بیگ اتار کر تخت پوش پر پھینکتے ہوئے کہا تو احمر نے فوراً اسے ٹوکا۔
"بھوکی! ندیدی! صبح ناشتا کیا نہیں تھا۔"
"ہوں، بری بات۔ تم بیٹھو سونیا یہ تمہارے ہی لیے ہے۔" اس نے احمر کو ٹوک کر سونیا کو بٹھایا پھر گھڑی دیکھ کر پوچھنے لگی۔
"آج تم لوگ جلدی کیسے آ گئے۔؟"
"آج ہمارا ہاف ڈے تھا۔ تھرٹی فرسٹ ہے ناں۔" سونیا نے حسبِ عادت قابلیت جتائی۔
"اچھا ہاں۔ خیر تم دونوں ناشتا کرو، میں اماں جی کے پاس جا رہی ہوں اور دیکھو لڑنا نہیں۔" وہ نرمی سے دونوں کو تنبیہہ کرتی اماں جی کے پاس چلی آئی۔
"کیا کہہ رہا تھا سکندر؟" اماں جی نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔
"بات کہاں ہوئی ان سے۔ لائن ہی کٹ گئی تھی۔" وہ سرسری انداز میں جواب دے کر عمر کو گدگدانے میں لگ گئی۔
"ابھی سونیا اور احمر کی آواز آئی تھی۔ اسکول سے آ گئے کیا؟"
"جی ادھر میرے کمرے میں ہیں، خیر اب تو وہ میرا کمرہ نہیں ہے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔
"کیوں نہیں، ابھی بھی تمہارا ہے، تم جب آؤ گی اسی میں رہو گی۔" اماں جی کی فکر کے سامنے وہ خاموش ہو رہی تھی۔
پھر دوپہر کے کھانے کے بعد جب میمونہ بھابی عمر کو لے کر اپنے کمرے میں سونے چلی گئیں تب بوریت سے بچنے کی خاطر وہ سونیا اور احمر کے ساتھ لڈو کھیلنے بیٹھ گئی۔ لیکن پہلے مرحلے پر ہی اسے نبیل یاد آ گیا۔ اور اس کی خالی جگہ کو دیکھتے ہوئے شدت سے اس کی کمی محسوس ہونے لگی۔
"چلیں ناں پھوپھو، آپ کی باری ہے۔" احمر نے اس کا ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔
"نہیں بس، میرا دل نہیں چاہ رہا۔"
"یہ گیم تو پورا کریں۔" احمر نے اصرار کیا۔
"رات میں کھیلیں گے، جب تمہارے عدیل چاچا بھی آ جائیں گے۔"
"عدیل چاچا میرے پارٹنر بنیں گے۔" سونیا خوش ہو کر بولی۔
"اور میں پھوپھو کا۔"
"ہاں ٹھیک ہے، جاؤ اب تم دونوں کچھ دیر آرام کرو۔ شام میں اٹھ کر پہلے ہوم ورک کرنا، پھر کھیلیں گے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی پھر دونوں کو سونے کے لیے اماں جی کے پاس بھیج کر لابی میں آ کر نبیلہ بھابی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔
گزشتہ بار جب اس نے فون کیا تھا تو نبیل سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ اس کی ملازمہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنی ممی کے ساتھ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ اور ابھی بھی اس کے پوچھنے پر ملازمہ نے وہی بات دہرائی تو اسے لگا جیسے پہلے بھی اور ابھی بھی اس سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ اور ملازمہ خود سے تو جھوٹ بول نہیں سکتی تھی۔ یقیناً نبیلہ بیگم نے کہا ہو گا۔ وہ کتنی دیر تک سوچتی اور کڑھتی رہی کہ آخر نبیلہ ایسا کیا کر

کر رہی تھی۔ حالانکہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ نبیل اس سے کتنا مانوس ہے۔ اور جانے نبیل سے کیا کیا کہتی ہوں گی، ہم سب سے متنفر کرنے کی کوشش اور وہ ابھی ناسمجھ بچہ ہی تو ہے۔

وہ یونہی سوچتے ہوئے لابی ہی میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سب ہی سو رہے تھے۔ اور وہ کیونکہ دیر سے اٹھی تھی، اس لیے اب چکراتی پھر رہی تھی۔ کوئی کام بھی تو نہیں تھا، اور ہوتا تو کون سا میمونہ بھابی کرنے دیتیں۔ وہ سخت بور ہو کر ٹیلی فون کو گھورنے لگی۔ کیسے شاہ سکندر سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اس کا کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ ورنہ وہ خود اسے فون کر لیتی۔ اسے فون کرنے کے خیال کے ساتھ ہی اسے میمونہ بھابی کی بات یاد آئی جو انہوں نے اسے شاہ پور فون کر کے بی بی جان سے بات کرنے کو کہا تھا۔

بس اسی وقت اس نے فون ڈائریکٹری کھول کر شاہ پور کے نمبر تلاش کیے اور شاہ حیات محمد کا نام دیکھ کر ان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کچھ ملی جلی سی کیفیت تھی اس کی۔ ڈر بھی لگ رہا تھا اور بی بی جان سے بات کرنے کی خوشی بھی تھی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ پھر ریسیور اٹھنے کے ساتھ ہنکارا بھرنے کے انداز میں ہوں کی آواز سنائی دی۔ تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔

"وہ بی بی جان ہیں؟"

"آپ کون؟" خاصی بارعب آواز تھی۔ وہ پہچانتی نہیں تھی، پھر بھی سمجھ گئی بابا جان ہوں گے۔ اور آج نہیں تو کل یعنی کبھی تو ان سے بات ہونی ہی تھی پھر ابھی کیوں نہیں۔ اس نے سوچا اور پھر محض ان کا ردِعمل جاننے کے لیے قدرے جتا کر بولی۔

"جی میں آسیہ ہوں۔ آسیہ سکندر حیات۔"

"یعنی سکندر حیات کی۔" سوچتے ہوئے انداز میں بس اسی قدر کہا گیا۔

"بیوی۔" وہ پوری جان سے متوجہ ہو کر بولی جیسے ان کی ایک ایک جنبش محسوس کر رہی ہو۔

"کون سی بیوی، دوسری، تیسری، چوتھی؟" اتنے آرام سے پوچھا گیا کہ وہ تڑپ گئی۔

"جی!"

"ہم سکندر حیات کی صرف ایک بیوی کو جانتے اور مانتے ہیں، جسے سکندر پوری شان و شوکت سے بیاہ کر لایا تھا۔ اور وہ ہے مہرالنساء۔" بابا جان نے اس کے سر پر ایٹم بم دے مارا تھا۔ وہ چیخ پڑی۔

"نہیں، آپ غلط کہہ رہے ہیں۔"

"اپنی حیثیت جان کر بات کرو لڑکی، شاہ سکندر حیات نے اگر تمہیں اپنی رکھیل بنا کر رکھا تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہو گا۔" بابا جان نے انتہائی سفاکی سے اس کی عزت وقار کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔

اس کا پورا وجود جھٹکے کھانے لگا۔

"اور ایک رکھیل کی اتنی جرأت کہ وہ ہماری بات کو غلط کہے۔ شاید تم ہماری حیثیت و مرتبے سے واقف نہیں ہو یا پھر تمہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہو، کہو کیا چاہیے تمہیں، لیکن ٹھہرو، مانگتے ہوئے ذہن میں ہماری نہیں ہماری حیثیت رکھنا۔ ہم اپنے بیٹے کا صدقہ دینے میں تاخیر نہیں کریں گے۔" بابا جان کی آواز اس کی سماعتوں سے گزر کر روح میں نشتر چبھو رہی تھی۔

اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا اور دوسرے پل اس کی دلدوز چیخ در و دیوار ہلا گئی تھی۔

"اماں جی!"

کو چیرتی ہوئی آسیہ کی چیخ نے سوتے میں سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ سب سے پہلے میمونہ بھابھی بھاگی آئیں۔ غالباً پہلے اس کے کمرے میں گئی تھیں پھر ان ہی پیروں ڈرائنگ روم کی طرف بھاگ رہی تھیں کہ لابی میں وہ فرش پر گھٹنے ٹیکے دوہری ہوتی نظر آئی۔

"آسیہ!" انہوں نے لپک کر اسے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا تو وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"اماں جی! جلدی آئیں۔" میمونہ بھابھی نے گھبرا کر اماں جی کو پکارا' معاً" نظر ریسیور پر پڑی جو اسٹینڈ سے نیچے جھول رہا تھا' انہوں نے فوراً" تھام کر کان سے لگا کر ہیلو کہا تو ادھر سے جیسے اطلاع دی گئی۔

"سکندر! شاہ پور پہنچ چکا ہے۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"کیا ہوا ہے؟" ابا جی اور ان کے پیچھے اماں جی بے حد گھبرائی ہوئی تھیں۔ آسیہ کی چیخ پر ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور اب اسے فرش پر پڑے دیکھ کر تو رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا ہے میری بچی کو؟"

"حوصلہ' حوصلہ۔" ابا جی نے انہیں آسیہ کے قریب نہیں جانے دیا اور پہلے بڑھ کر اس کے سر کے نیچے ہاتھ ڈال کر میمونہ بھابھی کو ادھر سے اٹھانے کا اشارا کیا اور بہ مشکل تمام اسے کمرے میں لا کر لٹاتے ہی بولے۔

"بیٹی میمونہ! خلیل یا عدیل کو فون کرو' جلدی ڈاکٹر کو لے کر آئیں۔"

میمونہ بھابھی پوری بات سنے بغیر فون کرنے دوڑ گئیں تو اماں جی' آسیہ کے قریب بیٹھ کر اس کی ہتھیلیاں ملنے لگیں۔ ان کے آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔

"ابا جی! آپ بیٹھ جائیں۔" میمونہ بھابھی واپس آئیں تو ابا جی کو بے بسی سے ٹہلتے دیکھ کر کرسی ان کے سامنے کھینچ کر بولیں۔ پھر گلاس میں پانی ڈال کر آسیہ کے قریب آئیں اور اس کے منہ پر ہلکا سا چھینٹا مار کر گلاس اماں جی کو تھما دیا۔

جب عدیل بھائی ڈاکٹر کے ساتھ آئے اس وقت تک سارے گھریلو نسخے آزمائے جا چکے تھے پھر بھی اس کی بے ہوشی ہنوز تھی۔ اماں جی کی حالت کے پیش نظر عدیل بھائی کے اشارے پر میمونہ بھابھی انہیں وہاں سے اٹھا کر کمرے سے باہر لے گئیں۔ تب ڈاکٹر اسے چیک کرنے لگا۔

"ازشی پریگننٹ؟" دھڑکنیں چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر نے پوچھا۔

"یس۔" عدیل بھائی کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ بمشکل ڈاکٹر کو جواب دے سکے۔

"شدید شاک۔" ڈاکٹر نے آسیہ کو انجکشن لگانے کے بعد کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں میڈیسن لکھ کر دے رہا ہوں اگر آدھے گھنٹے میں انہیں ہوش آجائے تو یہ دوائیں ٹھیک رہیں گی۔ دوسری صورت میں ہاسپٹل لے جائیں۔"

"ابھی۔ ابھی لے جاؤں؟" عدیل بھائی نے فوراً" پوچھا تو ڈاکٹر کندھے اچکا کر بولا۔

"آپ کی مرضی اگر آپ آدھ گھنٹہ انتظار نہیں کر سکتے تو ضرور لے جائیں۔"

عدیل نے پلٹ کر ابا جی کو دیکھا۔ ان کے ساتھ خلیل بھائی کھڑے تھے اور انہوں نے ذرا سا نفی میں سر ہلا کر گویا آسیہ کو فوری ہاسپٹل لے جانے سے منع کر دیا۔ تب عدیل ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گئے۔

کچھ دیر بعد وہ دوائیں لے کر واپس آئے تو ابا جی خلیل بھائی کو بتا رہے تھے۔

"ہمیں نہیں معلوم' ہم سب سو رہے تھے۔ پتا نہیں آسیہ کو کیا ہوا؟ بہت زور سے چیخی تھی اور ہمارے آنے تک بے ہوش ہو چکی تھی۔"

"اس سے پہلے' میرا مطلب ہے کھانا وغیرہ کھایا تھا اس نے۔" عدیل نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور اس وقت بالکل ٹھیک تھی بلکہ کھانے کے بعد سونیا اور احمر کے ساتھ لڈو

بھی کھیل رہی تھی۔" ابا جی نے بتایا تو دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ تب ہی میمونہ بھابھی آ ر لیں۔

"ابا جی! آپ اندر چلیں، اماں جی کو دیکھیں۔ مسلسل روئے جا رہی ہیں۔"

"کہاں ہیں؟۔"

"ادھر آسیہ کے پاس۔"

"وہاں کیوں جانے دیا ان کو۔" ابا جی کہتے ہوئے آسیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے وہ بھی جانے لگے لیکن میمونہ بھابھی نے اشارے سے روک لیا اور جب ابا جی آسیہ کے کمرے میں داخل ہو گئے تو باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"آسیہ فون پر کوئی بری خبر سن کر بے ہوش ہوئی ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟۔" عدیل نے فوراً پوچھا۔

"تمہیں ابا جی نے بتایا نہیں کہ وہ وہاں لابی میں پڑی تھی اور جب میں اس کے پاس پہنچی تو ریسیور ریسیور بھی رہا تھا۔ میں نے کان سے لگایا تو ادھر سے کوئی کہہ رہا تھا کہ سکندر شاہ پور پہنچ چکا ہے۔" میمونہ بھابھی بہت متوحش انداز میں بتا رہی تھیں۔

"سکندر کا شاہ پور جانا تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے سن کر آسیہ شاکڈ ہو اور اور کیا بات ہوئی؟۔" عدیل نے بے تابی سے میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ مایوسی سے سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

"اور تو کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ ادھر سے فون بند ہو گیا تھا اور اس سے پہلے آسیہ نے کیا سنا یہ تو وہی بتائے گی۔"

"کیا سنا ہو گا آسیہ نے۔ کہیں خدانخواستہ شاہ سکندر کے ساتھ کوئی حادثہ۔" خلیل بھائی کا انداز سوچتا ہوا تھا۔ عدیل نے چونک کر انہیں پھر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

"خدانخواستہ ایسی کوئی بات ہوئی تو ہم آسیہ کے سامنے تو ابھی ذکر نہیں کر سکتے، ایسا کریں، آپ لوگ خود ہی اپنے طور پر معلوم کریں کہ شاہ سکندر کہاں ہے اور خیریت سے ہے یا؟۔"

"ہم۔ میں جاتا ہوں۔" عدیل کہہ کر گھڑی دیکھنے لگے۔

"کہاں جاؤ گے؟۔" خلیل بھائی نے پوچھا تو وہ قدرے توقف سے بولے تھے۔

"شاہ پور۔"

"میرا خیال ہے آسیہ کو ہوش میں آنے دو شاید اس سے معلوم ہو جائے۔"

"نہیں خلیل بھائی! آسیہ ہوش میں آ جائے تب بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیجیے گا بلکہ اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کریں۔ میں شام تک لوٹ آؤں گا۔ کیوں بھابھی! ٹھیک ہے ناں؟۔"

عدیل نے آخر میں قصداً متفکر کھڑی میمونہ بھابھی کو مخاطب کیا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئیں۔

"پریشان کیوں ہوتی ہیں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔ جائیے آپ بچوں کے پاس، میں بھی چلتا ہوں۔ جاؤں ناں خلیل بھائی؟۔"

عدیل نے خلیل بھائی کو دیکھا اور ان کی اجازت ملنے پر باہر نکل گئے۔

* ☆ * ☆ *

عدیل کے پیش نظر صرف دو باتیں تھیں۔ شاہ سکندر کے ساتھ واقعی حادثہ یا پھر آسیہ کے ساتھ کسی نے مذاق کیا ہے اور گو کہ مذاق اتنا سنگین تھا کہ ان کی بہن کی جان پر بن گیا تھا پھر بھی تمام راستہ وہ یہی دعا کرتے رہے تھے، خدا کرے یہ مذاق ہی ہو اور شاہ سکندر خیریت سے ہو۔ اس کے علاوہ ان کے ذہن میں کوئی تیسرا خیال آیا ہی نہیں تھا اس لیے جب وہ حویلی کے سامنے اترے تو فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اندر کیسے پیغام بھجوائیں۔

اپنے تعارف میں کیا کہیں۔ جبکہ چوکیدار منتظر کھڑا تھا۔
"وہ، شاہ سکندر یا شاہ جہانگیر صاحب سے کہو۔ کراچی سے عدیل آئے ہیں۔" عدیل نے قدرے تاخیر سے چوکیدار کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً پلٹ کر اندر چلا گیا، کچھ دیر بعد واپس آکر بولا۔
"آؤ صاحب! اس طرف سے آجاؤ۔"
وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑے۔ دوسرے سمت سے چکر کاٹ کر گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر پورچ میں کھڑی شاہ سکندر کی گاڑی پر پڑی تو انہوں نے چوکیدار سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ ان سے کافی فاصلے پر آگے اور تیز چل رہا تھا اور جب تک وہ اس کے قریب پہنچتے اس نے ایک دروازے کے سامنے رک کر انہیں اندر جانے کا اشارا کیا اور فوراً "یوں آگے بڑھ گیا جیسے اسے یہی حکم ملا ہو۔ عدیل نے حیران ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر کمرے میں داخل ہو کر دروازے کے پاس ہی رک گئے۔
سامنے آرام دہ صوفے پر شاہانہ وقار کے ساتھ بابا جان بیٹھے تھے ان کے رکنے پر کہنے لگے۔
"رک کیوں گئے، یہاں آکر بیٹھو۔"
"شکریہ۔ آپ؟" عدیل ان کے دائیں طرف صوفے پر بیٹھے اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ہم سکندر کے بابا جان ہیں اور تم غالباً" اس کے دوست۔" بابا جان نے اپنے تعارف کے ساتھ ان کا مرحلہ بھی طے کر دیا۔
"جی میں کراچی سے آرہا ہوں، شاہ سکندر ملیں گے؟" انہیں شاہ سکندر کے بارے میں جاننے کی جلدی تھی۔
"ہاں ملے گا کیوں نہیں، لیکن تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔" بابا جان نے ایک نظر میں جان لیا تھا کہ شکار خود چل کر آگیا ہے۔
"کہیں گئے ہوئے ہیں شاہ سکندر؟"
"فارم پر ہوتا ہے آج کل، آجائے گا ایک دو دن میں تم آرام سے رہو، تمہارا اپنا گھر ہے۔" بابا جان عموماً جیسے شاہ سکندر کے دوستوں سے بات کرتے تھے ان سے بھی اسی طرح بولے۔
"جی شکریہ۔ میں زیادہ دیر رک نہیں سکتا۔" انہوں نے فوراً معذوری ظاہر کی تو بابا جان ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگے۔
"ایک دو دن زیادہ تو نہیں ہوتے اور سکندر کے دوست تو یہاں دو دو مہینے رہتے ہیں۔ پچھلے مہینے آصف جاہ آیا تھا۔ وہ ابھی کوئی ہفتہ دس دن ہوئے گیا ہے۔"
"لیکن اس وقت تو شاہ سکندر کراچی میں تھے۔" عدیل بے اختیار کہہ گئے۔
"ہاں، کافی دن سکندر کراچی میں رہ آیا ہے۔" بابا جان بہت سرسری انداز میں ان کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "سکندر کو کراچی شہر پسند ہے اور میں نے بھی سوچا تھا، اسے وہیں سیٹ کر دوں گا لیکن وہاں وہ کسی برے چکر میں پھنس گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے واپس بلوا لیا ہے۔"
"برے چکر میں؟" عدیل نے قدرے الجھ کر انہیں دیکھا۔
"ہاں تھی کوئی طوائف زادی، سنا ہے سکندر کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہنے لگی تھی۔" بابا جان نے گالی دے کر گویا ان کی غیرت کو للکارا تھا۔
عدیل کا سچ مچ دماغ گھوم گیا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے اور ضبط کی کوشش میں ہونٹوں کے ساتھ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھی بھینچ گئی تھیں۔
بابا جان جانتے تھے کہ ان کے سامنے اس لڑکی کا بھائی ہے، جس کی چیخ ابھی بھی ان کے کانوں میں گونج رہی تھی

اور اس کی عزت کے بعد اب اس کے بھائی کی غیرت کی دھجیاں اڑا کر وہ اس قصے کو ہمیشہ کے لیے یہیں ختم کرنے
ہیں اس لیے عدیل کی کیفیت دیکھتے ہوئے وہ خود کو مزید انجان ظاہر کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"تم تو دوست ہو سکندر کے اور دوستوں کے درمیان رازداری نہیں ہوتی۔ یقیناً" اس لڑکی کو جانتے ہو گے
گزشتہ ایک سال سے سکندر نے رکھیل بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر نہیں جانتے تو ہم تمہیں اس کا اتا پتا معلوم کروا
دیتے ہیں کچھ دے دلا کر فارغ کرواسے۔ اس کی وجہ سے سکندر کی گھریلو زندگی متاثر ہو رہی ہے۔ وہ اپنی بیوی اور
بچے کو زیادہ وقت نہیں دیتا۔"

"میرے خدا! لوگ اسی لیے بیٹیوں کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے کہ اگر جوان کی قسمت میں بے ...
لکھی ہو تو جوان بھائی بے موت مر جاتے ہیں۔

کاش سامنے بیٹھا اونچے شملے والا شخص عمر میں ان کے باپ کے برابر نہ ہوتا تو وہ اس کا خون کر دیتے اس کے بعد
خود کو پھانسی پر لٹکانا ان کے لیے بہت آسان ہوتا۔

"لاحول ولا۔ اپنی باتوں میں ہم تم سے چائے پانی کا پوچھنا تو بھول ہی گئے۔ اوئے غلام علی! بابا مہمانوں کی خاطر
مدارت کرو۔ کراچی سے آئے ہیں اپنے سکندر کے دوست ہیں۔" بابا جان نے اونچی آواز میں ملازم کو پکار کر کہا۔

عدیل کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ ساری توانائیاں صرف کر کے بھی وہ اپنے حواس یکجا نہیں کر پا رہے تھے۔ ایسا
لگ رہا تھا جیسے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ قالین پر جمی نظریں تک ساکت تھیں البتہ ماؤف ذہن میں وقفے وقفے
سے کوئی مبہم سا خیال لہراتا تھا۔

کتنی دیر گزر گئی۔ ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی ان کے سامنے رکھ کر جانے لگا تو بابا جان اسے روک کر خود اٹھتے
ہوئے بولے۔

"تم مہمان کے پاس رہو غلام علی! ہم ابھی آتے ہیں۔" بابا جان کمرے سے جانے لگے تب عدیل کی نظریں ان
کے تعاقب میں دھیرے دھیرے اٹھی تھیں اور ان کے جاتے ہی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ
لیا۔ وہ مرد تھے آسیہ کی طرح چیخ سکتے تھے نہ رو سکتے تھے اور شدت ضبط سے پورا وجود انگارہ بن گیا تھا۔

"سائیں! چائے بناؤں؟" غلام علی پوچھ رہا تھا۔

انہوں نے ہاتھ نیچے گرا کر لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کاش شاہ سکندر واقعی کسی حادثے میں مر گیا ہوتا تو وہ۔ بس کو سینے سے لگا کر اس کے ساتھ آنسو بہا لیتے۔ اب
جانے اس کا سامنا کیسے کر پائیں گے۔ ایک لحظہ کو رک کر وسیع رقبے پر پھیلی پرشکوہ عمارت کو انہوں نے نفرت
سے دیکھا پھر اسپیڈ سے گاڑی کچی سڑک پر اتاری تو مٹی دھول کے غبار اٹھنے لگے تھے اور اس غبار میں انہیں سیاہ
مرسیڈیز نظر ہی نہیں آئی جسے بروقت شاہ سکندر حیات نے سڑک سے نیچے اتار کر انتہائی غصے سے دھول اڑاتی
گاڑی کو دیکھا تو کچھ ٹھٹھک گیا تھا۔

.☆..☆.*

آسیہ کو ہوش تو آگیا تھا لیکن بالکل گم صم حالت میں تھی۔ کچھ دیر کو آنکھیں کھولتی اور اپنے اطراف پریشان
چہروں کو دیکھ کر پھر پلکیں موند لیتی۔ اماں جی مسلسل آیات قرآنی کا ورد کر کے اس پر دم کر رہی تھیں۔ میمونہ بھابی
گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ ادھر کچن دیکھتیں ادھر بچوں کی پکار پر دوڑتیں پھر آسیہ کے پاس۔ اور شدت سے عدیل
کی واپسی کے منتظر خلیل بھائی برآمدے ہی میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ ابا جی مسجد چلے گئے۔ اماں جی نے وہیں آسیہ کے کمرے میں جانماز بچھالی تھی۔
میمونہ بھابی وضو کرنے جا رہی تھیں کہ فون کی بیل پر خلیل کو بھاگتے دیکھ کر وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئیں۔

"کون؟ شاہ سکندر! یار کہاں ہو تم؟" خلیل کی آواز ہی میں نہیں جیسے سارے جسم میں زندگی دوڑ گئی تھی۔
قریب کھڑی میمونہ نے بے اختیار ان کا بازو تھام لیا۔

"ہاں۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔ آسیہ غالباً نماز پڑھ رہی ہے۔" انہوں نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔
"اور عدیل بھائی کہاں ہیں؟" شاہ سکندر نے ایک ہی بات جاننے کے لیے فون کیا تھا۔
"عدیل پتا نہیں۔ میں تو ابھی آفس سے آرہا ہوں، خیر تم بتاؤ کب آرہے ہو؟" انہوں نے ایک بار پھر مبالغے سے کام لے کر پوچھا اور اس کا جواب سننے کے بعد الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا پھر میمونہ کو دیکھ کر بولے۔
"شکر ہے کوئی بری خبر نہیں ہے۔ شاہ سکندر خیریت سے ہے۔"
"میں آسیہ کو بتا دوں شاید اس کے ساتھ کسی نے۔" میمونہ کہتی ہوئی بھاگیں پھر ایکدم رک کر پوچھنے لگیں۔
"اور وہ عدیل، اس کی شاہ سکندر سے ملاقات نہیں ہوئی۔"
"عدیل شاہ پور گیا ہے اور سکندر اسلام آباد میں ہے اور تم ابھی آسیہ سے کچھ مت کہو جب تک وہ خود کوئی سوال نہ کرے۔" خلیل دھیرج سے کہتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔
میمونہ بھابھی نے نماز سے فارغ ہو کر برآمدے میں تخت پر دسترخوان بچھا دیا اور ابا جی کے آتے ہی کھانا لگا کر زبردستی اماں جی کو بھی لے آئیں۔ پھر کھانے کے دوران خلیل بھائی نے والدین کی پریشانی دور کرنے کی غرض سے آسیہ کی بے ہوشی کا سبب جو انہوں نے خود سے فرض کر لیا تھا بتا کر شاہ سکندر کی خیریت کی نوید بھی سنا دی۔
"ایسا جان لیوا مذاق کون کر سکتا ہے؟" ابا جی ساری بات سن کر بولے تھے۔
"یہ تو آسیہ ہی بتائے گی۔" میمونہ بھابھی نے کہا۔
"ہاں، لیکن ابھی اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے اسے کھلاؤ پلاؤ اور عدیل جو دوائیں لے کر آیا تھا وہ بھی ضرور دینا۔" خلیل بھائی نے میمونہ کو تنبیہہ ضروری سمجھی۔
"آپ مجھے احمق اور غیر ذمہ دار کیوں سمجھتے ہیں؟" میمونہ برا مان گئیں۔
"ہو نہیں کیا؟" خلیل کا انداز چھیڑنے والا نہیں تھا جب ہی میمونہ سے پہلے ابا جی بول پڑے۔
"نہیں میمونہ، میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ سارے گھر کو چلا رہی ہے اور بہت احسن طریقے سے۔"
"بس رہنے دیں ابا جی۔" خلیل دسترخوان سے ہاتھ صاف کرتے اٹھنے لگے کہ ابا جی انہیں روک کر پوچھنے لگے۔
"تمہیں کیا شکایت ہے اس سے؟ کھانا وقت پر نہیں دیتی، تمہیں کپڑے دھلے ہوئے نہیں ملتے یا تمہارے بچوں کی تربیت میں کوتاہی کر رہی ہے۔"
خلیل لاجواب ہو کر رہ گئے۔
"یہی نہیں بلکہ یہ تمہارے ماں باپ کی خدمت بھی کر رہی ہے جس کے لیے تمہیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔" اماں جی نے بھی بہو کی طرف داری کی تو خلیل میمونہ کو گھورتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔
پھر یہاں سے فارغ ہو کر میمونہ بھابھی آسیہ کے لیے دودھ کا گلاس لے کر اس کے کمرے میں آئیں تو اسے چھت پر نظریں جمائے دیکھ کر دھیرے سے پکار کر بولیں۔
"آسیہ! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" اس کی آنکھیں یکبارگی پانیوں سے بھر گئیں۔
"میں تمہیں رونے سے منع نہیں کروں گی لیکن پہلے یہ دودھ پی لو کیونکہ رونے کے لیے بھی توانائی چاہیے جو تم میں بالکل نہیں ہے۔"
وہ اس کے قریب بیٹھ کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولیں تو ان کی طرف نظروں کا رخ موڑتے ہوئے اس کی آنکھوں کا پانی کناروں سے چھلک گیا۔
"اٹھو شاباش! اس میں اوولٹین سے زیادہ میری محبت شامل ہے اور تم جانتی ہو ناں میری محبت۔"
انہوں نے گلاس ٹیبل پر رکھا پھر اس کے سر کے نیچے ہاتھ ڈال کر ذرا سا اونچا کر کے بٹھایا تو وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے مجھے؟۔"

"کمزوری۔ غالباً کمزوری کے باعث تمہیں چکر آ گیا تھا۔ لو دودھ پیو۔" انہوں نے فوراً گلاس اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"میرا سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔" اس نے ذرا سا دودھ پی کر سر بیک پر ٹکا دیا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے کسی نے میں جکڑا ہوا ہو۔ اماں جی کہاں ہیں؟۔"

"میں بلاتی ہوں انہیں۔ تم پہلے یہ دودھ ختم کرو۔" میمونہ بھابھی نے زبردستی اسے دودھ پلایا پھر جا کر اماں جی کو پکارا تو وہ فوراً آ گئی تھیں۔

"آپ آسیہ کے پاس بیٹھیں اماں جی! میں بچوں کو دیکھ لوں۔" میمونہ بھابھی کمرے سے نکل گئیں جیسے ہی اس کے پاس آ کر بیٹھیں اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا اور ہاتھ تھام کر گال سے لگا لیا۔

"آپ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں اماں جی!"

"میں تمہارے پاس ہوں بیٹا!" اماں جی کو وہ بالکل چھوٹی بچی کی طرح لگی۔ جبکہ وہ اس کی پیشانی دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں تو بہت پرسکون ہو کر اس نے پلکیں موند لیں۔

"میں آپ کو بہت تنگ کرتی ہوں ناں؟۔"

"کہاں تنگ کرتی ہو۔ اللہ نے مجھے بہت نیک اور سعادت مند اولاد دی ہے۔ مجھے کبھی کسی نے تنگ نہیں کیا۔" فرط محبت سے اماں جی کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میں تو پریشان کرتی ہوں آپ کو۔" وہ بچوں کی طرح بول رہی تھی۔

"جان بوجھ کر تو نہیں کرتیں اور اب تو کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تم ذہن پر بوجھ مت ڈالو سو جاؤ۔" اماں جی آہستہ آہستہ اسے تھپکنے لگیں۔

جب میمونہ بھابھی بچوں کو ہوم ورک کروا کر سلانے کے بعد دوبارہ آسیہ کے کمرے میں آئیں تو انہیں اماں جی پر بہت رحم آیا جو بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھیں جبکہ ان کی گود میں سر رکھے آسیہ بے خبر سو رہی تھی۔ میمونہ بھابھی نے آرام سے اس کا سر تکیے پر رکھا پھر سہارا دے کر اماں جی کو اٹھاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

"اب یہ آرام سے سو گئی ہے چلیں آپ بھی سو جائیں۔"

"مجھے ابھی عشاء پڑھنی ہے پھر میں یہیں سوؤں گی آسیہ کے پاس، یہاں ایک چارپائی ڈال دو۔" اماں جی کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔

"عدیل کچھ بتا کر نہیں گیا۔ کہاں گیا ہے؟۔"

"ابھی آتا ہوگا، پوچھ لیجیے گا۔" میمونہ بھابھی دامن بچاتی، ٹیبل اور کرسی ہٹا کر چارپائی بچھانے کے لیے جگہ بنانے لگیں۔

اماں جی نماز پڑھنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

میمونہ نے شوہر کو بلا کر ان کی مدد سے چارپائی رکھوائی پھر اس پر بستر لگا کر اماں جی کے آنے تک وہیں بیٹھ کر انتظار کر رہی تھیں کہ عدیل کی گاڑی کی آواز سن کر بھاگ کر باہر آئیں لیکن برآمدے میں خلیل کو کھڑے دیکھ کر رک گئیں۔

"خیریت کہاں رک گئے تھے؟۔" عدیل کے قریب آتے ہی خلیل نے ان سے پوچھا۔

"بس وہ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" عدیل بے حد مضمحل دکھائی دے رہے تھے۔ "اب کیسی ہے؟۔"

"ہاں ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔" میمونہ بھابھی آگے آ کر بولیں۔ "تم ہو آئے شاہ پور؟ بات ہوئی ہو؟۔"

[illegible] اطمینان سے [illegible] کر اٹھ گئے۔

[illegible] میرا خیال ہے ابھی تم [illegible] نہیں ہو سکے کہ سکندر [illegible] اطمینان ہو گیا [illegible] آپ ابھی تک پوری طرح [illegible] نہیں [illegible] ہے۔ شاید [illegible] پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم آرام کرو۔" [illegible] نے

[illegible] خیال سے [illegible] شکر کر دیا۔

[illegible] پوچھا۔

[illegible] کمرے کی طرف [illegible] گئے تھے۔

* * * * *

[illegible]

[illegible] کی تھی [illegible] تک [illegible] رہی تھی۔ [illegible]
[illegible] اس کی [illegible] عالم تھا کہ جیسے [illegible] ایک دم اس کی آنکھ کھل
گئی۔

[illegible] اس نے [illegible] کے ہاتھوں کی آواز [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] کہ وہ کہاں ہے۔ [illegible] خواب کی [illegible] میں تھا
[illegible] اس کے [illegible] کر رہی تھی۔ اور [illegible] ایک [illegible] تھا جو
[illegible] اس کے بعد کوئی اور [illegible] تھا۔

[illegible] کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں [illegible] سے [illegible] گئیں اور [illegible] اس کے
[illegible] ایک ساتھ [illegible] گئے تھے۔

[illegible] سکندر [illegible] کرا دیا تھا
[illegible]"

[illegible] نے [illegible] کی کوشش کی تھی کہ [illegible] گیا۔

[illegible] اس نے [illegible] سکندر [illegible] اس کے [illegible]
[illegible] اس نام سے [illegible] تھا۔

[illegible] کہ سکندر [illegible] کا نام [illegible] ہے اس لیے اسے [illegible] سے
[illegible] کی کوشش کرتی۔ [illegible] کے ساتھ اپنا
[illegible] کی [illegible]۔

[illegible]"

[illegible] سکندر [illegible] میرے ساتھ [illegible] نہیں کھیل سکتے۔ [illegible] اس کے بابا جان [illegible]
[illegible] صرف میری خاطر۔ اور بابا جان [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]۔"

[illegible] بابا جان کو [illegible] تھی [illegible] جا رہا تھا اور آنکھوں کے
[illegible] تھے۔

[illegible] کہ میری سانسوں کی ڈور تمہارے ساتھ بندھی ہے۔" [illegible] کی [illegible]
[illegible]

[illegible] نے [illegible] کر [illegible] پر رکھ لیا اور سسک سسک کر رونے لگی تھی۔
[illegible] اور [illegible] کے ساتھ ساتھ اس کے [illegible]

دہرانے لگیں۔ آخر میں قدرے اونچی آواز میں کلمہ پڑھ کر دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے۔ پھر چارپائی سے اتر کر
آسیہ کو دیکھا تو زیرو پاور کی مدھم روشنی میں وہ انہیں سوئی ہوئی نظر آئی۔ اس کی خرابی طبع کے باعث انہوں نے
اسے نماز کے لیے نہیں اٹھایا بلکہ چلنے میں بھی احتیاط کی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔ کمرے سے نکل کر
برآمدے میں آئیں تو عدیل کو ٹہلتے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"تم اتنی جلدی اٹھ گئے؟"

عدیل چونک کر رکے پھر بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔

"رات کہاں چلے گئے تھے؟" اماں جی نے پوچھا۔

"آسیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ ان کا سوال نظر انداز کر گئے۔

"بہتر ہے۔ رات بھر آرام سے سوئی رہی۔"

"چلیں۔ آپ نماز پڑھ لیں میں ذرا آسیہ کو دیکھ لوں۔" عدیل کہتے ہوئے آسیہ کے کمرے میں آئے تو پہلی نظر
میں انہیں بھی وہ سوئی ہوئی لگی لیکن جب قریب گئے تو سسکنے کے باعث اس کا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔

عدیل کے دل پر ایک اور قیامت بیت گئی۔ ان کی نازوں پلی بہن کی زندگی میں یہ کونسا مقام آگیا تھا۔

"آسیہ!" دھیرے سے پکارتے ہوئے انہوں نے اس کے منہ پر سے تکیہ کھینچ لیا تو بے حد پریشان ہو کر دونوں
ہاتھ چہرے پر رکھنا چاہتی تھی کہ وہ فوراً اس کی کلائیاں تھام کر بولے۔

"رونا اور منہ چھپانا اس وقت، جب ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے۔"

"عدیل بھائی!" وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ "اللہ کرے میری زندگی بھی آپ کو لگ جائے۔"

"سب کو اپنی زندگی آپ جینا ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں؟" عدیل کا لہجہ اچانک گمبھیر ہو گیا تھا۔

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ ان کی بڑی بڑی ذہین آنکھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی تھیں۔ گھنے بال بے ترتیبی سے
پیشانی پر جھول رہے تھے اور چہرے پر کسی قیامت کے گزرنے کے واضح اثرات تھے۔

"کیا ہوا ہے عدیل بھائی آپ کو؟" وہ اپنا دکھ بھول گئی۔

عدیل بھائی نظریں چرا گئے۔

"بتایئے ناں عدیل بھائی! آپ کو میری قسم۔" اور وہ جن کی تمام شب خود کو سنبھالنے اور یہ باور کراتے
گزری تھی کہ انہیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ان کی بہن کا معاملہ ہے
اس وقت بھی وہ ضبط کرتے کرتے اچانک ٹوٹ گئے تھے۔

"ہماری عزت و غیرت کوئی کھلونا نہیں ہے آسیہ! جسے کوئی امیر زادہ اپنی دل بستگی کے لیے خرید سکے۔ شاہ
یہاں سوالی بن کر آیا تھا۔ جانتی ہو ناں پھر اس کے باپ نے تمہیں اور ہم سب کو گالی کیوں دی؟"

آسیہ کا پورا وجود سن ہو گیا تھا۔

"میں اگر اسے زندہ چھوڑ کر واپس آیا ہوں تو صرف یہ جاننے کے لیے کہ کہیں تم نے قصداً تو فریب نہیں
کھایا۔ شاہ سکندر کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر۔ مجھے بتاؤ آسیہ! ورنہ میں خود کو گولی مار لوں گا۔" عدیل
نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"خدا کے لیے عدیل بھائی!" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سسک پڑی۔ "مجھے گولی مار دیں لیکن خدارا
کوئی الزام نہ لگائیں۔"

"کیا ہوا ہے؟" کچن میں جاتے ہوئے آواز سن کر میمونہ بھابھی اس طرف آئی تھیں۔ آسیہ کو روتے دیکھ کر
پریشان ہو گئیں۔

"کچھ نہیں، آپ جائیں اپنا کام کریں۔" عدیل بھائی کو ان کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔

"مجھے کوئی کام نہیں ہے۔" صورت حال سے بے خبر میمونہ بھابھی محض عدیل کو چھیڑنے کی غرض سے چہک کر بولی ہو گئی تھیں۔

"کیا کیا ہے آپ نے؟" عدیل ان کے چھیڑنے کا نوٹس نہ لیتے ہوئے سابقہ انداز میں آسیہ سے مخاطب ہوئے۔ "کیا آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ شاہ سکندر شادی شدہ اور بچے کا باپ ہے؟"

"کیا؟" میمونہ بھابھی بھی اچھل پڑیں۔

"نہیں عدیل! مجھے یہ سب معلوم نہیں تھا اور یہ معلوم کرنا آپ کا کام تھا۔" وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سچ مچ اس کا مان ٹوٹ گیا تھا۔

عدیل بھائی کے ہاتھوں کی گرفت اس کے کندھوں پر کمزور پڑنے لگی اور پھر ایک دم انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"روؤ نہیں میری بہن! تمہاری قسم تمہارے ایک ایک آنسو کا حساب لوں گا۔"

میمونہ بھابھی بھی ششدر کھڑی تھیں۔

اماں جی گھبرائی، آسیہ کے رونے کی آواز سن کر خلیل کو پکارتے ہوئے آئے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟" خلیل بیڈ میں سے اٹھ کر آئے تھے۔ ایک ایک کی شکل دیکھنے لگے پھر گم صم کھڑی بیوی کا کندھا ہلایا تو وہ چونکنے کے ساتھ ہی عدیل پر بگڑنے لگیں۔

"عدیل! تم نے صبح صبح سب کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ چلو اٹھو یہاں سے۔"

تب ہی عدیل کے ہونٹوں سے گہری سانس خارج ہوئی پھر آسیہ کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "خلیل بھائی! ذرا آپ بھی آئیے۔"

جانے کیا بات تھی کہ اماں جی بھی روتی ہوئی بیٹی کو چھوڑ کر ان تینوں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھیں۔

★ ☆ ★ ☆ ★

شاہ سکندر کی تمام رات سوتے جاگتے گزری تھی گو کہ کل خلیل بھائی کی باتوں سے کہیں بھی ظاہر نہیں ہوا تھا کہ عدیل شاہ پور آئے ہیں اور تیز رفتاری کے باعث خود اس نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ان کی گاڑی وہ پہچانتا تھا اور اسی وقت سے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی بار جھٹلانے کی کوشش کی کہ اسے دھوکا ہوا ہے۔ عدیل یہاں کیوں آئیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں شاہ پور چھوڑ چکا ہوں اور ابھی بھی میری یہاں موجودگی کا کسی کو پتا نہیں یہاں تک کہ آسیہ بھی نہیں جانتی پھر ان کا یہاں آنا؟؟

"نہیں۔ عدیل بھائی نہیں ہو سکتے۔" وہ بار بار جھٹلاتا اور ہر بار دھول اڑاتی گاڑی اس کی نظروں کے سامنے آ جاتی تھی۔

پھر صبح ناشتے کے بعد اس نے اچانک واپسی کا سوچ لیا۔ کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی تھی یا ہونے والی تھی جو اس کی چھٹی حس الارم بجانے لگی تھی۔ وہ بہت عجلت میں تیار ہو کر سب سے پہلے بابا جان کو اپنے جانے کا بتانے کی غرض سے ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ شاہ جہانگیر سے کہہ رہے تھے۔

"جس کام سے تمہیں کراچی جانا تھا وہ یہیں ہو گیا۔ اب تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"السلام علیکم بابا جان!" اس نے سلام کیا تو شاہ جہانگیر بھی جھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ بابا جان نے چونک کر اسے دیکھا اور زیر لب مسکرا کر بولے۔

"آؤ آؤ ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔ آؤ یہاں ہمارے پاس بیٹھو۔"

اس نے بیٹھتے ہوئے یونہی شاہ جہانگیر کو دیکھا تھا۔

"کہو کس تیاری میں ہو؟" بابا جان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بلکہ وہ پرانی بات بھی نہیں تھی۔ ایک دم اجاڑ ویران لگتا ہے۔ آپ کو وہاں کی اراضی سے دلچسپی نہیں رہی؟" اس نے اپنے تئیں بابا جان کو احساس دلانا چاہا کہ عدم توجہی کے باعث زرخیز زمین ناکارہ ہو رہی ہے۔

"وہ زمین تمہاری ہے سکندر! اور تم ہی اسے آباد کرو گے۔" بابا جان نے کہا اور پھر فوراً "موضوع بدلنے کی خاطر اچانک یاد آنے کا تاثر دیتے ہوئے بولے تھے "اور ہاں کل تمہارا کوئی دوست آیا تھا۔"

"کک۔ کون؟" وہ پوری جان سے متوجہ ہو گیا۔

"وہ کیا بھلا سا نام بتایا تھا اس نے۔" بابا جان ذہن پر زور ڈالنے لگے۔

"عدیل۔" وہ اتنا صبر نہیں کر سکا۔

"ہاں شاید یہی نام تھا۔ ہم نے اسے رکنے پر بہت اصرار کیا کہ ایک دو روز میں تم آجاؤ گے لیکن اسے شاید جلدی تھی۔ پتا نہیں کس کام سے آیا تھا۔ وہ بھی نہیں بتایا۔"

بابا جان اپنی کہے جا رہے تھے جبکہ وہ عدیل بھائی کی آمد کی تصدیق ہونے پر بے حد پریشان ہو کر شاہ جہانگیر کو دیکھنے لگا تھا۔

"کیا۔ کیا کہہ رہا تھا؟" شاہ جہانگیر نے اس سے نظریں چرا کر بابا جان سے پوچھا۔

"ہم سے تو کوئی خاص بات نہیں کی اس نے۔ بس سکندر کا پوچھ کر چلا گیا۔" بابا جان اب بہت سرسری انداز میں بول رہے تھے۔

"میرے بارے میں آپ نے کیا بتایا؟"

"یہی کہ تم فارم پر گئے ہوئے ہو۔ ایک دو روز میں آجاؤ گے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم اسی وقت آنے والے ہو تو ہم اسے ہرگز نہ جانے دیتے۔" بابا جان بڑے آرام سے اس کے اندیشوں کو ہوا دے رہے تھے۔

وہ سخت مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا اور شاہ جہانگیر کو چلنے کا اشارا کرتا ہوا بابا جان کے کمرے سے نکل آیا۔

شاہ جہانگیر کافی دیر بعد اس کے پاس آئے تھے۔ اس وقت تک اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے پھر بھی انہیں دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے جہانگیر بھائی؟"

"دھیرج سے۔ دھیرج سے۔" شاہ جہانگیر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بٹھاتے ہوئے بولے۔ "آخر عدیل کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"شاید انہیں تمہارے بارے میں انکوائری کرنے کا خیال اب آیا ہو۔" شاہ جہانگیر نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب، کیسی انکوائری؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہم۔ تم واقعی شاہ پور کے زمیندار ہو یا۔"

"نہیں۔" اس نے شاہ جہانگیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مسترد کر دی۔ "انہوں نے اپنی بہن کی شادی میری یہاں کی حیثیت کو سوچ کر نہیں کی تھی جو اب انکوائری کرنے آئیں گے۔"

"پھر اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

"میں آپریشن سے معلوم کرتا ہوں۔" وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا اور جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے لگا۔

شاہ جہانگیر خود کو نئی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں لگ گئے جبکہ کان اس کی آواز پر لگے تھے۔

"کون میمونہ بھابھی! السلام علیکم!"

"پلیز ذرا آپریشن کو۔"

"سوری، رانگ نمبر۔" کھٹاک سے فون بند ہو گیا تھا۔
شاہ سکندر کتنی دیر بے یقینی کی حالت میں کھڑا رہا پھر ریسیور رکھ کر شاہ جہانگیر کی طرف پلٹا تو انتہائی دکھ اور تاسف سے بولا۔
"آپ میرے بھائی نہیں ہو سکتے۔" اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔
میمونہ بھابھی کا فون بند کر دینا اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا کہ سبب صرف اس کا شاہ پور آنا نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً "بابا جان نے عدیل بھائی سے اور بھی بہت کچھ کہا ہو گا، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عدیل بھائی یہاں کس سلسلے میں آئے تھے۔ کیا انہیں اس پر کوئی شبہ ہوا تھا یا کوئی اور بات۔ اور بات کوئی بھی ہو، اس کے لیے اب صورت حال کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔
وہ آسیہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ اس کے پہلے سے شادی شدہ ہونے کا سن کر اس پر کیا بیت رہی ہو گی۔ وہ جو اس کو اپنے آپ سے بڑھ کر اعتبار کرتی تھی، کس بری طرح ٹوٹی ہو گی۔ اور جانے اب وہ دوبارہ اس کا اعتبار حاصل کر سکے گا یا نہیں۔ معاً اسے بابا جان کی بات یاد آئی جو وہ ابھی کچھ دیر پہلے شاہ جہانگیر سے کہہ رہے تھے۔
"تمہیں جس کام سے کراچی جانا تھا، وہ یہیں ہو گیا، اب تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"اس کا مطلب ہے بابا جان اور جہانگیر بھائی نے پوری حکمت عملی سے میرے لیے جال بنا ہے اور میں ایک بار پھر۔" وہ بری طرح چکرا گیا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

صبح بند کمرے میں جانے کیا باتیں ہوئی تھیں کہ ناشتے کے بعد اب کھانے کی بھی کسی کو پروا نہیں تھی۔ میمونہ بھابھی ایک ایک کمرے میں جھانکتی پھر رہی تھیں۔
عدیل منہ سر لپیٹے پڑے تھے۔
اماں جی تسبیح کے دانے گن رہی تھیں۔
اور وہ صبح سے جو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی تو اب تک اسی حالت میں تھی۔ ذہن میں شاہ سکندر کے سنگ گزارا ایک ایک پل اپنی تمام تر جزئیات سمیت ایک تسلسل سے ابھر ابھر کر مٹ رہا تھا اور وہ کہیں گرفت نہیں کر رہی تھی۔ اس لیے کہ وہ خود سے نہیں سوچ رہی تھی، بس اپنے آپ فلم سی چلنے لگی تھی جس کا دورانیہ بہت طویل بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک سال جو اس کی زندگی ہی بدل گیا تھا۔ اتنی محبتیں، اتنی چاہتیں جن میں بظاہر کہیں کھوٹ نہیں تھی اور وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ جن محبتوں پر وہ صرف اور صرف اپنا حق سمجھتی ہے وہ شاہ سکندر پہلے ہی کسی کو دان کر آیا ہے۔ اس کے بعد بھی اتنا زعم۔
"میں تمہارے دل میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں، جہاں مجھ سے پہلے کوئی تھا نہ میرے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔" یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم تھی لیکن اس کے دل اور زندگی سے کھیلنے کا حق اسے کس نے دیا تھا۔ وہ اتنی نادان، اتنی بیوقوف تو کبھی نہیں تھی پھر اتنی آسانی سے اس کے جال میں کیسے پھنس گئی۔
"آسیہ!" میمونہ بھابھی دھیرے سے اس کا کندھا ہلا کر بولیں "سارے گھر میں ایسی خاموشی چھائی ہے کہ اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ خدا کے لیے تم ہی کچھ بولو۔"
وہ گھٹنوں پر سے ٹھوڑی اٹھا کر خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔
"ایسے مت دیکھو۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" میمونہ بھابھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں "کچھ بولو اور کچھ نہیں تو شاہ سکندر کو گالیاں ہی دو۔ کم از کم تمہارا جمود تو ٹوٹے اور یہ بہت ضروری ہے ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔"
اس کی آنکھیں ذرا سی سکڑی تھیں جیسے کہہ رہی ہو اور کیا نقصان۔۔۔
"دیکھو۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ صبح اماں جی کے کمرے میں ان سب کے درمیان کیا طے پایا ہے۔ خلیل

آفس جاتے جاتے مجھے صرف اتنا بتا گئے ہیں کہ شام کی فلائٹ سے شکیل بھائی اسلام آباد سے آرہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے' انہیں ابا جی نے فوری بلوایا ہوگا اور میں چاہتی ہوں ان کے آنے سے پہلے پہلے تم اپنے آپ کو سنبھال لو تاکہ تمہارے اور شاہ سکندر کے بارے میں جو بھی باتیں ہوں۔ تم ان میں شریک ہو سکو۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔" میمونہ بھابھی نے بہت سنجیدگی سے اسے آنے والی صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ آہستگی سے بولی۔

"اب کیا باتیں ہوں گی۔" اس کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا۔

"شاہ سکندر کے شادی شدہ ہونے کا سن کر اس سے تمہارا ناتا ٹوٹ تو نہیں گیا میری جان! ابھی تو عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔"

"میری عزت نفس داؤ پر لگی ہے بھابھی! میں سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی۔" وہ رو پڑی۔

"اور آپ چاہتی ہیں میں بھائیوں کے درمیان بیٹھ کر اس شخص کی حمایت کروں جس نے انہیں یہ گالی دی ہے۔ اگر وہ سامنے ہوتا تو خون خرابا یقینی تھا۔"

"کیا اس نے خود۔۔۔ میرا مطلب ہے کیا کہا ہے اس نے؟" میمونہ بھابھی نے پوری توجہ سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے یہ بتائیں' عدیل بھائی کو سکندر کے شادی شدہ ہونے کا کیسے پتا چلا؟" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"عدیل کل شاہ پور گیا تھا۔ اصل میں تمہاری بے ہوشی سے ہم یہی سمجھے کہ خدانخواستہ شاہ سکندر کے ساتھ کوئی حادثہ وغیرہ ہو گیا ہے اس لیے عدیل فوراً اس کی خیر خبر لینے روانہ ہو گیا تھا اور شاید وہیں سے معلوم ہوا۔ ویسے یہ سب کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا بلکہ مجھے تو یقین بھی نہیں آرہا۔" میمونہ بھابھی نے اس کی بات کا جواب دینے کے ساتھ کہا۔

"میں بھی خود کو فریب دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ شاید سکندر کے بابا جان نے مجھے اس سے متنفر کرنے کے لیے ایسی باتیں کیں لیکن۔۔۔"

"تمہاری اس کے بابا جان سے کہاں بات ہوئی؟" میمونہ بھابھی درمیان میں بول پڑیں۔

"میں نے شاہ پور فون کیا تھا بی جان سے بات کرنے کے لیے۔" اس نے اپنے فون کرنے کا بتا کر بابا جان سے ہونے والی گفتگو بھی کہہ سنائی تو میمونہ بھابھی بھی چکرا گئی تھیں۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔ اور مجھے لگتا ہے' عدیل سے بھی انہوں نے ایسی ہی باتیں کی ہوں گی جب ہی تو وہ اتنا خونخوار ہو رہا ہے۔ پتا ہے رات جب وہ آیا تھا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ عجیب وحشی سا لگ رہا تھا۔"

میمونہ بھابھی تاسف کے اظہار کے ساتھ بولیں تو وہ سہم کر پھر رونے لگی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بھابھی! میری وجہ سے میرے بھائی' خدانخواستہ اگر کسی کو کچھ ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گی بلکہ میں' میں خود کچھ کھا کر مر جاؤں گی۔" وہ روتی ہوئی بے ربط بول رہی تھی۔

میمونہ بھابھی ایک دم پریشان ہو گئیں۔ بمشکل اسے چپ کرایا پھر زبردستی اٹھا کر واش روم میں لے گئیں۔ جب منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو اس کے لیے کھانا لے آئیں اور خاصے رعب سے کہنے لگیں۔

"دیکھو' کھانے سے انکار مت کرنا۔ مجھے پتا ہے اس وقت تمہاری کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ ان دنوں یوں بھی بھوک زیادہ لگتی ہے۔ چلو کھاؤ شاباش۔ میں جب تک چائے لے کر آتی ہوں۔" اس نے خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر ٹرے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

شام تک گھر میں ایسی ہی خاموشی اور کشیدگی تھی۔ جانے کیوں اماں جی اور ابا جی بھی اس کے کمرے میں نہیں آئے تھے اور وہ خود بھی ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی گو کہ اس سارے قصے میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا پھر

بھی وہ مجرم سی بنی ہوئی تھی۔ شاید اس کا جرم محبت تھا جس نے اسے رسوا کر کے اس کی ہستی کا غرور چھین لیا تھا۔ ستم ظریفی کی بات ہے کبھی اسی محبت نے اسے اتنا اعتماد بخشا تھا کہ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی جس کی اب تک کی زندگی میں کہیں کسی دکھ، کسی محرومی کی پرچھائیں تک نہیں تھی پھر اب جانے کس کی نظر لگی تھی کہ وہ اندر ہی اندر ٹوٹتی جا رہی تھی اور کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا۔

شکیل بھائی کی آمد پر خاموشی میں قدرے ہلچل مچ گئی۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہوتے ہی میمونہ بھابی نے کھانا لگا دیا کیونکہ جانتی تھیں کہ جہاں اس واقعے کو چھیڑا گیا کھانا رہ جائے گا۔ اس لیے کھانے کے دوران بھی وہ شکیل بھائی سے بیما بھابی کی خیریت اور ان کی دیگر مصروفیات کے بارے میں پوچھ کر ایک طرح سے سب کا دھیان بٹاتی رہیں۔ آخر میں کہنے لگیں۔

"بیما اور بچوں کو بھی لے آتے تو کچھ رونق ہو جاتی۔"

"اچانک پروگرام کے تحت آنا تھا اب اسے لے کر آتا۔" شکیل بھائی کہنے لگے۔ "وہ تو صبح اباجی نے فون کر کے بس فوراً آنے کا کہہ کر مجھے پریشان کر دیا۔ اباجی! ایسی کیا بات تھی۔ اس طرح کیوں بلایا مجھے؟"

"بس تم سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔ خیر پہلے تم کھانا کھاؤ۔ آرام سے پھر بات کریں گے۔" اباجی اس وقت سے اسی حال میں رہے تھے۔

شکیل بھائی نے باری باری سب کو دیکھا۔ کسی کے چہرے پر وہ پہلے جیسا اطمینان نظر نہیں آیا۔ اور ٹھٹک تو وہ اسی وقت گئے تھے جب اباجی نے فون پر انہیں فوراً آنے کو کہا تھا اور کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔ وہ اگر کسی بھی وقت فارغ ہوتے تو کچھ نہ کچھ ضرور قیاس کرتے لیکن سارا دن آفس میں اس قدر مصروفیت رہی کہ اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا بہرحال اب ان سے مزید صبر نہیں ہو سکا۔ دسترخوان سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولے۔

"کیا بات ہے کیا مشورہ کرنا ہے اباجی! اب بتا بھی دیجیے؟"

اباجی نے خلیل اور عدیل کے بعد اماں جی کو دیکھا تو وہ ایکدم رو پڑیں۔

"بیٹا! ہم نے آسیہ کی شادی میں بڑا دھوکا کھایا۔ وہ سکندر پہلے سے بال بچوں والا ہے۔"

اباجی نے بہت واضح انکشاف کیا تھا پھر بھی شکیل بھائی یوں دیکھ رہے تھے جیسے سمجھ نہ پائے ہوں۔ کتنی دیر بعد بمشکل بولے۔

"میرا مطلب ہے کیسے معلوم ہوا آپ کو؟"

"ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔" اباجی بہت ضبط سے گویا ہوئے۔

"وہ ٹھیک ہے لیکن شاہ سکندر کیا کہتا ہے؟ کیا جواز بتاتا ہے اپنی دوسری شادی کا؟ پہلی بیوی مر چکی ہے یا اس کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں۔"

"جواز کوئی بھی ہو شکیل بھائی! ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔" عدیل کے اندر پکتا لاوا اچھلنے لگا تھا کہ ابا نے اسے ٹوک دیا۔

"تم خاموش رہو عدیل! جذباتیت کا مظاہرہ ہمارے اپنے حق میں بہتر نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہم بیٹی والے ہیں۔"

"لیکن ہماری عزت و ناموس گروی نہیں رکھی۔" عدیل دبے لہجے میں چیخ پڑے۔

"عدیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" خلیل بھائی ان کی تائید کرتے ہوئے بولے۔ "بیٹی والے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنی عزت و حمیت کو گہری نیند سلا کر کٹھ پتلی بن کر رہ جائیں۔ آپ شکیل بھائی کو صاف صاف بتائیں کہ سکندر کے باپ نے کیا کہا۔"

"بتانے جا رہا ہوں۔ تم مجھے بات تو کرنے دو۔"

اباجی نے عاجز ہو کر خلیل کو دیکھا پھر قدرے رک کر ساری بات کہہ سنائی جس کے بعد طویل خاموشی تھی۔

اماں جی چپکے چپکے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔
میمونہ بھابھی تینوں بھائیوں کے چہرے دیکھ کر اندر ہی اندر سہمی جا رہی تھیں۔
اور اباجی کی بوڑھی آنکھوں میں التجا تھی۔ (کوئی ایسا حل سوچو کہ تمہاری غیرت کے ساتھ میری بیٹی کی...
سلامت رہے۔)
"آسیہ کہاں ہے؟" کتنی دیر بعد شکیل بھائی کی سوچوں میں ڈوبی آواز نے خاموشی کا سینہ چاک کیا۔
"اپنے کمرے میں۔" میمونہ بھابھی کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ بمشکل سنائی دی۔
"آیئے میرے ساتھ۔" شکیل بھائی کسی ایک کو مخاطب کیے بغیر کہتے ہوئے اٹھ کر آسیہ کے کمرے...
چل پڑے تو ان کے پیچھے خلیل اور عدیل نے فوراً" تقلید کی جب کہ اباجی میمونہ بھابھی اور اماں جی کو...
اشارہ کرتے ہوئے اٹھ آئے تھے۔
"آسیہ!" شکیل بھائی نے دروازے میں رک کر گم صم بیٹھی آسیہ کو پکارا تو وہ کوشش کے باوجود...
اٹھ نہیں سکی۔
"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بیٹا! خدانخواستہ کوئی۔" شکیل بھائی نے آگے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو...
آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو گئے۔ جس پر وہ فوراً" ٹوکتے ہوئے بولے۔
"خبردار رونا نہیں؟ تم بہت بہادر لڑکی ہو اور مجھے صرف ایک بات کا جواب دو۔ کیا تم شاہ سکندر کے...
ساتھ گالی بن کر رہ سکتی ہو؟" ان کی زبان رکھیل کہنے سے قاصر تھی۔
آسیہ کے لبریز پیمانے چھلک گئے۔
"کم از کم ہم بھائیوں کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی آسیہ! اثبات میں سر ہلانے سے پہلے ہم سب کو...
دینا۔" عدیل کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ پا رہے تھے۔
"نہیں۔" وہ شکیل بھائی کے بازو سے پیشانی ٹکا کر سسک پڑی۔
"خدا کی قسم نہیں۔ میں زندہ رہوں گی تو اپنے ازلی وقار کے ساتھ۔"
"یہی تمہارا حق ہے بیٹا۔" شکیل بھائی نے بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا پھر اباجی کو دیکھتے...
ہوئے کہنے لگے۔
"اباجی! گو کہ شاہ سکندر نے ہمیں دھوکا دیا ہے پھر بھی اگر وہ آسیہ کے ساتھ مخلص ہے تو اس کی...
کچھ جواز کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے ہماری شرط یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو لے کر آئے۔"
"ہاں جب تک شاہ حیات محمد خود آ کر آسیہ کو اپنی بہو تسلیم کر کے لے جانے کی بات نہیں کریں گے...
یہاں سے نہیں جائے گی۔" خلیل بھائی نے بھی فوراً" تائید کر کے فیصلہ سنا دیا۔
اور عدیل کے اندر جلتے الاؤ پر جیسے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑنے لگے تھے۔ اباجی نے پرسوچ انداز میں...
تینوں بیٹوں کو دیکھا پھر اسی انداز میں اثبات میں سر ہلایا' تب شکیل بھائی آسیہ کو خود سے الگ کرنے...
لگے۔
"بیٹا! تم پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ رونے دھونے سے مسئلے حل نہیں...
ہوتے۔ شکر کرو ابھی حقیقت سامنے آ گئی ہے' بہرحال مجھے یقین ہے شاہ سکندر آج کل میں ضرور رابطہ...
کرے گا اور تمہیں اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟"
اس نے دھیرے سے سر جھکا لیا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

"بی بی جان! میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا چاہتا ہوں۔" شاہ سکندر نے بہت سوچ کر "کچھ دنوں کے...

کہا تھا کیونکہ اب حالات اسے سب کشتیاں جلانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔
"کیوں؟۔" بی بی جان کے نروٹھے انداز پر وہ چیخ کر بولا۔
"آپ جانتی تو ہیں 'وہاں میرا گھر ہے' بیوی ہے۔"
"جانتی ہوں لیکن مانتی نہیں ہوں۔ مانتی میں صرف مہرالنساء کو ہوں اور بار بار اسے چھوڑ کر جانا تمہارے حق میں ٹھیک نہیں ہے۔"
"مجھے تو اب کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا' یہاں وہاں دونوں طرف لگتا ہے زندگی میرے لیے تنگ ہو گئی ہے' اور میں نے کبھی اتنی گھٹن برداشت نہیں کی۔ آپ جانتی ہیں پھر آپ سب ایسے حالات پیدا کر کے میری موت کا سامان کیوں کر رہے ہیں؟ کیا واقعی میری زندگی سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں؟ اگر ایسی بات ہے تو میں خود اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہوں۔"
یک لخت کبیدہ خاطر ہو کر اتنے ٹھوس لہجے میں بولا کہ بی بی جان ایکدم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔
"میں چاہتا تو آپ کو بتائے بغیر بھی جا سکتا تھا لیکن میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ آپ بے شک آسیہ کو قبول نہ کریں لیکن مجھے اس کے پاس جانے سے روکیں بھی نہیں۔ مجھے اس کے وجود سے زندگی کا احساس ملتا ہے۔ اتنے دن اس کے بغیر میں پتا نہیں کیسے رہا ہوں۔ مجھے جانے دیں۔" وہ روٹھے اور ضدی لہجے میں بول رہا تھا۔
"اپنے بابا جان سے پوچھ لیا ہے؟۔" بی بی جان کو اس پر رحم آیا بھی تو ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"نہیں آپ بتا دیجئے گا۔"
"اور آؤ گے کب؟۔" بی بی جان نے اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔
"آتا رہوں گا۔" اس نے ڈپلومیسی اختیار کی۔ "میں اسے چھوڑ سکتا ہوں نہ آپ کو' اور آپ کی خاطر میں مہرالنساء کے حقوق بھی تسلیم کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود کہ آپ نے میرے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا۔ ماں ہو کر بھی نہیں۔ بہرحال مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں' یہاں سیاہ و سفید کی مالک ہو کر بھی بابا جان کے سامنے بالکل بے اختیار ہیں آپ؟۔"
بی بی جان کچھ نہیں بولیں خاموشی سے دیکھتی رہیں۔
"میں چلتا ہوں۔ میرے لیے دعا کیجئے گا۔" وہ ان کی طرف جھک کر بولا اور جب تک بی بی جان نے اس کے سر پر ہاتھ نہیں رکھ دیا۔ وہ کھڑا نہیں ہوا تھا۔ پھر جلد آنے کا کہہ کر ان کے کمرے سے نکلا تو اس کے قدموں میں تیزی آئی تھی۔ راہداری کے اختتام پر اچانک مہرالنساء نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا تو وہ کسی طرح اپنی ناگواری چھپا نہیں سکا۔
"کیا بات ہے؟۔"
"اتنی تیزی میں کہاں جا رہے ہیں؟۔" تنفر سے بھری مہرالنساء نے اس سے زیادہ ناگواری کا اظہار پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر کیا۔
"تمہیں اس سے کیا' میں کہیں بھی جاؤں۔" وہ دانت پیس کر بولا۔
"بیوی ہوں آپ کی۔ پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں اور۔۔۔"
"شٹ اپ۔" وہ تلملا کر چیخا۔ "ہٹو سامنے سے۔"
"کس کس راستے سے ہٹائیں گے شاہ! میں تو ہر راستے پر ملوں گی۔ بتا دینا اس حرامزادی کو بھی۔ مہرالنساء کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔" زہرخند سے بولی۔
"کہہ۔" وہ انتہائی طیش میں آ کر اس پر جھپٹنا چاہتا تھا لیکن وہ پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی اور اسے دیکھ کر استہزائیہ قہقہے لگانے لگی۔
"کم یقیناً پاگل ہو گئی ہو؟۔" وہ نفرت سے کہہ کر بہت تیزی سے باہر نکلا تھا۔

جب اس نے اپنے اپارٹمنٹ میں قدم رکھا اس وقت شام گہری ہو رہی تھی۔ تمام لائٹیں آن کر کے اس نے ساری کھڑکیاں کھول کر اس نے پردے سمیٹ دیے۔ اتنے دن بند رہنے کے باعث کمروں میں کچھ ناگواری سی مہک میں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بالکونی میں نکل کر ٹہلنے لگا۔ ساتھ ساتھ گھڑی کو دیکھ رہا تھا جب اس کے خیال میں آسیہ نماز سے فارغ ہو چکی ہو گی تب اندر آ کر اس کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ اندر بہت خائف ہو رہا تھا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی اور اس سے پہلے کہ کوئی ریسیور اٹھاتا اس نے فون رکھ دیا۔ شاید رانگ نمبر کا حوصلہ نہیں تھا۔ کتنی دیر خود کو سمجھانے کے بعد دوبارہ نمبر ڈائل کیے تو ادھر سے حسب سابق میمونہ بھابی کی آواز سنائی دی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے مجرمانہ سے انداز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم۔" جواب مختصر سہی اس کے لیے یہی بہت تھا کہ فون بند نہیں ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

"کیسی ہیں آپ؟" شاہ سکندر نے بہت چاہا کہ اپنے اسی پرانے انداز میں بات کر سکے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کہاں ہوتے ہو آج کل؟" میمونہ بھابی کا مقصد اس وقت کچھ جتانا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے مخصوص انداز میں اور اپنی دھن میں بول رہی تھیں۔

"یہیں ہوں۔ آپ کے شہر میں میرا مطلب ہے بس ابھی پہنچا ہوں۔ آسیہ کہاں ہے؟" میمونہ بھابی کے اچھے موڈ سے حوصلہ پا کر اس نے فوراً آسیہ کا پوچھا۔

"آسیہ۔ اپنے کمرے میں ہے۔ بلاؤں؟"

"جی، بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ بے تابی سے بولا اور پھر اسی بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ اس کی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ جانے کتنے پل بیت گئے۔ وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن اس کے برعکس دوبارہ میمونہ بھابی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ شاہ سکندر!"

"جی!" وہ کھڑا ہو گیا۔

"وہ آسیہ نہیں آ رہی۔" میمونہ بھابی نے کچھ جھجک کر کہا۔

"کیوں۔ کیوں نہیں آ رہی۔ کیا کر رہی ہے؟!"

"کچھ نہیں اور بہتر ہے کہ ابھی آپ اسے نہ چھیڑیں۔" میمونہ بھابی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ کچھ دیر ریسیور کو دیکھتا رہا پھر کریڈل پر پٹخ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا تو دھیرے دھیرے اس کے اندر کا زخم بیدار ہو کر تمام خدشات پر حاوی ہونے لگا تھا۔

"کوئی گناہ کیا ہے میں نے جو منہ چھپاتا پھروں۔ اگر اسے میری پہلی شادی کا معلوم ہو گیا ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کن حالات میں ہوئی۔ اور اسے میری ہر بات کا یقین کرنا پڑے گا۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔ نہ دھوکا دیا ہے۔ اس کی ناراضگی بجا لیکن میں اسے منانے کا حق رکھتا ہوں۔"

اس نے رک کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پھر ایک پل میں فیصلہ کر کے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ پھر مین شاہراہ پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ واپسی میں آسیہ بھی اس کے ساتھ ہو گی۔ پھر اسی احساس میں گھر کر اس نے گھر کے سامنے گاڑی روکی اور بیل کا بٹن دبایا تھا۔

گیٹ کھولنے ابا جی آئے تھے اور اسے دیکھ کر فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ خوش آمدید کہیں یا

بند کر دیں۔
"السلام علیکم!" اُس نے اپنے ہمیشہ والے انداز میں سلام کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلا آیا تو آبا جی جیسے ہوش میں آ کر بولے تھے۔
"آؤ۔ ادھر آ جاؤ۔"
"جی!" اُس نے رُک کر دیکھا پھر اُن کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں آتے ہی پوچھا۔
"آسیہ سے کیا کام ہے؟" آبا جی کے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے پر وہ نظریں چرا گیا۔
"میں لینے آیا ہوں اُسے۔ بہت دن رہ لیا اُس نے آپ کے گھر۔ طبیعت کیسی ہے اُس کی؟"
"اب تو اللہ کا شکر ہے۔ بہت بہتر ہے۔ تم بیٹھو۔ کیا پیو گے چائے یا؟"
"جی شکریہ۔ بس آپ جلدی سے آسیہ کو بلا دیں بلکہ میں خود۔" وہ اُس کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھا تو آبا جی ایک دم سامنے آ کر بولے۔
"آسیہ یہیں آ رہی ہے۔"
"جی!" وہ خجل سا ہو کر فوراً پلٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور آبا جی کے کمرے سے نکلنے کے بعد دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے کچھ دیر بعد جیسے ہی آسیہ اندر داخل ہوئی وہ اُٹھتے ہوئے بے تابی سے بولا۔
"آس۔ کیسی ہو؟"
"آپ کیسے ہیں؟" وہ اس کی بے تابی یکسر نظر انداز کر گئی۔
"یہ گھر چل کر بتاؤں گا۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ بلکہ تیاری کیا کرنی ہے بس کہہ آؤ اماں جی اور آبا جی سے کہ تم اپنے گھر جا رہی ہو۔" وہ یوں بولا جیسے وہ سچ مچ اسی انتظار میں کھڑی ہو۔
وہ بہت خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔
"دیکھو! جو بھی بات ہے، ہم گھر چل کر کریں گے۔ میں تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ سب کچھ سچ سچ بتاؤں گا۔ اس کے بعد تم خود فیصلہ کرنا۔" وہ ایک طرح سے ہتھیار ڈال گیا۔
"فیصلہ تو ہو چکا۔" آسیہ کے بے تاثر لہجے پر وہ ٹھٹک گیا۔
"کیا مطلب؟"
"مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔ جھوٹ نہ سچ۔ اس کے باوجود میں آپ کے گھر جانے کو تیار ہوں لیکن اس طرح نہیں۔ پہلے آپ کو اپنے بابا جان اور بی بی جان سے نہ صرف اجازت لینی ہے۔ بلکہ وہی آ کر مجھے یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔" اُس کا حتمی لہجہ اس قدر مضبوط تھا کہ کچھ دیر تک وہ اُسے دیکھتا رہ گیا پھر قدرے جھنجلا کر بولا۔
"انہیں اگر آنا ہوتا تو پہلے آتے اور میں نے تمہیں اسی وقت بتا دیا تھا کہ وہ میری تم سے شادی پر قطعی راضی نہیں ہیں۔ اسی لیے میں سب کو چھوڑ آیا تھا۔"
"اور ساتھ میں یہ عہد بھی کیا تھا کہ جب تک وہ مجھے تسلیم نہیں کریں گے آپ وہاں نہیں جائیں گے۔" وہ

آئیں۔

میرا مقصد انہیں اپنے یا اپنے گھر والوں کے سامنے جھکانا ہرگز نہیں ہے۔ میں تو بس اپنے [illegible]
بیٹے کا حق اور مان چاہتی ہوں۔ اگر آپ انہیں لا سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھ لیں آسیہ [illegible]
وہ چپکے سے کمرے سے نکل گئی تو وہ جو سنّاٹے میں گھرا تھا ایک دم جیسے ہوش میں آیا [illegible]
پلکا تھا لیکن وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

"آسیہ! آسیہ! میری بات سنو۔" وہ اس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس پر [illegible]
طاری ہو رہا تھا۔ اگر اپنے گھر میں ہوتا تو دروازہ توڑ ڈالتا۔

آسیہ نے جیسے اپنے کان بند کر لیے تھے۔

"تم غلطی کر رہی ہو آسی! بابا جان نے اگر تمہارے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں تو اس کی [illegible]
مت دو۔ تم میرے اور میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہم مل کر کچھ سوچ سکتے ہیں۔ میری بات [illegible]
رہی ہو ناں!" وہ اسے جانے کیا باور کرانا چاہ رہا تھا۔

"وہ آپ کی بات نہیں سنے گی شاہ سکندر!" عقب سے عدیل بھائی نے اسے مخاطب کیا تو وہ [illegible]
ان کی طرف پلٹ کر بولا۔

"کیوں نہیں سنے گی؟"

"اس لیے کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے اور اس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں۔" عدیل بھائی جو اول [illegible]
اسے بہت اہمیت دیتے آئے تھے۔ آج اجنبی بنے کھڑے تھے۔

وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر قدرے طنز سے پوچھنے لگا۔

"یہ صرف اُس کا فیصلہ ہے یا؟"

"ہم سب کا۔" عدیل بھائی کوئی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھے۔

"پھر تو مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ لوگ اپنی بہن کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ طے ہے کہ [illegible]
والدین یہاں نہیں آئیں گے۔" اس کا عزم عود کر آیا۔

"اور آپ کب تک بہن کو اپنے پاس بٹھائے رکھیں گے۔ سال دو سال۔ دل بھر جائے تو [illegible]
پر چھوڑ جانے گا کہ میں اس پر اپنے دروازے بند نہیں کر رہا۔"

عدیل بھائی کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ گیا اور ابھی کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن وہ تیز قدموں سے [illegible]

"میں نے عدیل کو منع کیا تھا کہ شاہ سکندر کے سامنے نہیں جانے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی [illegible]
بناؤ معاملہ اور بگڑ گیا کہ نہیں۔" ابا جی بہت فکر مندی سے اماں جی سے کہہ رہے تھے۔ "وہ صاف [illegible]
ہے کہ اس کے ماں باپ یہاں نہیں آئیں گے اور ایسا اس نے صرف عدیل کی ضد میں کہا ہے۔"

"کیا کرے عدیل! اس سے برداشت نہیں ہوتا۔ جوان خون ہے۔"

"برداشت تو ہمیں کرنا پڑے گا۔ ہم میں سے کسی کی مداخلت شاہ سکندر کو ضد دلا سکتی ہے۔ اگر [illegible]
میاں بیوی کا معاملہ نہیں ہے۔ پھر بھی ابھی صرف آسیہ کو بات کرنے دو۔ وہی اسے غصّے سے بچا [illegible]
طرح سمجھا سکتی ہے اور وہ عدیل کہاں ہے۔ عدیل!" ابا جی نے اماں جی کو سمجھاتے ہوئے کہا پھر [illegible]
عدیل کو پکارا تھا۔

"جی ابا جی!" عدیل اُن کی پہلی پکار پر آ گئے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا بیٹا! تمہیں شاہ سکندر سے معافی مانگنی ہو گی۔" ابا جی نے چھوٹتے ہی کہا [illegible]
کر بولے۔

"کس بات کی؟"

"اپنے رویے کی۔"

[illegible] دیا کوئی بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا ابا جی۔ پھر بھی میں معافی مانگ لوں گا لیکن اس وقت
[illegible] اپنے ماں باپ سے آپ کی حیثیت تسلیم کروا کر اُسے ساتھ لے جائے گا۔ اس سے پہلے معافی مانگنے کا
[illegible] اپنی شرط واپس لے لی جو کہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ عرفان دونوں میاں بیوی کا
[illegible] عدیل بھائی بہت رسان سے بولے گویا انہوں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ اور ابھی بھی وہ کچھ غلط
[illegible] تھے جبھی ابا جی نے اُن سے اختلاف نہیں کیا لیکن اُن کی تشویش اپنی جگہ تھی۔
[illegible] بیٹا! ہمیں بہت سنبھل کر چلنا ہے۔ ضد میں تو معاملہ مزید بگڑ تا جائے گا۔"
[illegible] ہماری ضد نہیں ہے ابا جی اور اگر شاہ سکندر نے اسے "آسیہ کے آنے سے انہوں نے بات وہیں
[illegible] اور حوالہ نظر ڈالنے دیکھنے لگے تو وہ اماں جی کو مخاطب کر کے بولی۔

"اماں جی! کھانا لگ گیا ہے۔"

[illegible] پہلے کھانا کھا لیں۔" ابا جی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ مقصد اس پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہاں کسی
[illegible] بات نہیں ہو رہی۔

[illegible] کھانے کے دوران عدیل بھائی نے میمونہ بھابی کے ساتھ مذاق شروع کر کے ماحول کو خوشگوار بنایا تھا
[illegible] اچانک ماحول کا رنگ بدل گیا۔

[illegible] زمانے لگے ہو۔ اماں جی اب اس کی جلدی سے شادی کر دیں۔ نائلہ کی ای انتظار میں بیٹھی ہوں گی کر
[illegible] میمونہ بھابی نے ——— عدیل کو چھیڑتے ہوئے اماں جی کو یاد دلایا تو وہ بگڑ

[illegible] انتظار، ہمیں اب نہیں جانا اُن کے ہاں۔"

"کیوں اماں جی؟" آسیہ نے بے اختیار پوچھا تھا۔

[illegible] انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ جانے کس جنم کا بدلہ لیا۔ بیٹی رکھتے ہوئے بھی انہیں خیال نہیں آیا کہ
[illegible] اماں جی!" آسیہ نے پریشان ہو کر انہیں ٹوکا پھر کہنے لگی۔ "میرا نہیں خیال کہ انہیں شاہ سکندر
[illegible] زیادہ کچھ معلوم ہو کیونکہ ان کے گھر سے کبھی کوئی شاہ پور نہیں گیا۔"
[illegible] کیا ہوتا ہے۔ میں تو انہیں ہی پکڑوں گی کیونکہ وہی سکندر کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔" اماں
[illegible] تائی تھیں۔

[illegible] کسی کو الزام نہیں دے سکتے عدیل کی ماں! یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ تم بے شک عدیل کی
[illegible] ختم کر دو لیکن یہ جواز مت رکھنا۔" ابا جی نے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا تو عدیل بھائی ان کی
[illegible] ہوئے بولے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جی! ہم اپنا بدلہ اُن سے کیوں لیں جن کی شاہ سکندر سے کوئی رشتے داری
[illegible] پھر پتا نہیں سکندر نے انہیں کیا کہانی سنائی ہے۔ اور اماں جی آپ خود سے تو کوئی بات
[illegible] نہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں ہمیں یہ ساری باتیں چھپانی پڑیں کیونکہ سکندر بہرحال
[illegible] داماد ہے اور داماد کیسا بھی ہو۔ دنیا کے سامنے اس کی تعریف ہی کی جاتی ہے۔"

[illegible] کو اپنے دل کی بستی میں پھیلے سنّاٹے کا شدت سے احساس ہوا۔ بہت خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں
[illegible] اماں جی خفگی سے بولیں۔

"کیا باتیں لے بیٹھے ہو تم لوگ۔ ختم کرو۔ میری بچی پریشان ہو جاتی ہے۔"

"پریشان تو ہو گی لیکن اُسے یہ سب کچھ خود فیس کرنا ہے۔ اس لیے کوئی بات اُس سے چھپائی نہیں جا سکتی۔"
[illegible] بھائی کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد اماں جی اور اُن کے پیچھے ابا جی اٹھ کر چلے گئے تو میمونہ بھابی برتن
[illegible] سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"بہت گڑبڑ ہو گئی۔ یعنی اب جب تک آسیہ کا معاملہ سیٹ نہیں ہو گا تمہاری بات آگے نہیں بڑھے گی۔"

"ویسے اگر تمہیں جلدی ہو تو میں تمہارے لیے کوئی اور لڑکی دیکھوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔" عدیل بھائی اُن کی شریر مسکراہٹ سے قدرے جھینپ کر بولے۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ شادی میں آپ کی پینٹنگ کے بعد ہی کروں گا۔" انہوں نے کہا تو میمونہ بھابی بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"سچی بات ہے؟"

"جناب!"

"پھر نادیہ ہی ٹھیک ہے۔" میمونہ بھابی ان کے دل کی بات کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگیں۔ "تمہاری کبھی نادیہ سے بات ہوئی ہے؟"

"کیوں؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"نہیں ہوئی تو فون کر لیا کرو۔ انڈراسٹینڈنگ ہو جائے گی۔" میمونہ بھابی نے اُن کا کیوں نظرانداز کر کے مشورہ دیا تو وہ ہنس پڑے۔

"خلیل بھائی سے آپ کی اسی طرح انڈراسٹینڈنگ ہوئی تھی؟"

"توبہ کرو۔ میرا تو منگنی کے بعد سے شادی ہونے تک سارا وقت اسی انتظار میں گزرا کہ موصوف کبھی بھولے بھٹکے ہی فون کر دیں لیکن یہ تو جیسے قسم کھا کر بیٹھے تھے کہ شادی ہونے پر ہی بات کریں گے۔" میمونہ بھابی برا سا منہ بنا کر بولیں اور اُن کے مزید ہنسنے پر چڑ گئیں۔

"سارے بھائی ایک جیسے ہو۔"

شاہ سکندر بالکل عام مردوں کی طرح سوچ رہا تھا کہ اس کی بیوی نادان ہے جو بھائیوں کے بہکاوے میں آگئی ہے (حالانکہ اس کی ذہانت کا وہ ہمیشہ سے معترف رہا تھا) اور یہی مردوں کا شیوہ ہے۔ بیوی لاکھ بندگی کرے ہر بات کا اعتبار کرتی رہے تو یہ اس کا اپنا عمل، جہاں کسی بات پر گرفت کی سارا الزام اس کے گھر والوں پر آجاتا ہے۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آسیہ کسی طرح بھی اس سے متنفر نہیں ہو سکتی۔ اگر بابا جان نے اس کی دل شکنی یا دل آزاری کی ہے تو وہ اس کے سامنے افسوس کا اظہار کرتی لڑتی جھگڑتی اور پھر زیادہ سے زیادہ آئندہ اُسے شاہ پور جانے سے روک دیتی لیکن بابا جان کے آنے کی شرط وہ کبھی نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس کے خیال میں کسی مقام پر اُسے جھکانا یا بے بس کرنا اس لڑکی کے اختیار ہی میں نہیں ہے اور اب بھائیوں کے سامنے وہ مجبور تو ہو گئی ہے لیکن زیادہ دن یہ مجبوری کی زنجیریں نہیں پہن سکے گی کیونکہ اس سے زیادہ مضبوط اور زور آور اس کی محبت ہے جس کے شکنجے سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور اس کا اپنی محبت پر بھروسا غلط نہیں تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔ بہرحال اگلے دو دن اس نے بمشکل خود پر جبر کیا۔ اس کے بعد دل تو چاہا خود جا کر اُسے سب کے درمیان میں سے نکال کر لے آئے لیکن عدیل بھائی کو وہ جو جواب دے کر آیا تھا اس کے بعد دوبارہ جانے کے خیال سے ہی اپنی ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے مجبوراً فون کا سہارا لینا پڑا۔ اور پھر سارا دن وقفے وقفے سے ای کے نمبر ڈائل کرتا رہا۔ اُدھر سے ایک ہی جواب ملتا۔ "وہ بات نہیں کرنا چاہتی۔" جس سے پہلے وہ جھنجھلا[...] طاری ہوئی۔ آخر میں انتہائی غصے میں آکر اس نے سیل فون سیٹ اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد [...] کئی منفی سوچیں اُسے کسی انتہائی اقدام پر اکساتی رہیں۔

"کیا حیثیت ہے عدیل خلیل کی میرے سامنے۔ ابھی تین حرف لکھ کر بھیج دوں تو سر اُٹھا کر جینے کی خواہش ہمیشہ کے لیے ان کے اندر دفن ہو جائے گی۔ منہ چھپاتے پھریں گے لوگوں سے۔"

ڈور بیل کی آواز نے جہاں اس کی سوچوں کو منتشر کیا وہاں پہلا خیال آسیہ کا آیا تھا۔ وہ یا اس کے گھر سے کوئی ہو اپنے رویے پر نادم ہو کر آیا ہو۔ اس خیال نے اُس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ

پھر قصداً اُس نے اُٹھنے اور دروازہ کھولنے میں دیر لگائی لیکن جب سامنے احمد حسن کو دیکھا تو
[illegible] ہکا بکا ہو کے رہ گیا تھا۔
"کہاں ہو یار۔ میں تو اب تمہارے بارے میں اخبار میں اشتہار دینے والا تھا۔" احمد حسن اُس کے گلے لگتے
ہوئے بولا تو وہ ہمیشہ کی طرح گرم جوشی کا اظہار نہیں کر سکا۔ اور اُس سے الگ ہو کر پوچھنے لگا۔
"کس عنوان سے۔ تلاش گمشدہ یا مفرور مجرم؟"
احمد حسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "بھابی سے پوچھنا پڑے گا کہ وہ تمہاری تصویر
مفرور مجرم کے طور پر لگوانا پسند کریں گی یا نہیں۔ کہاں ہیں بھابی بیگم؟"
"نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ میکے گئی ہوئی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔" وہ اسے لے کر لاؤنج میں آ گیا۔
"تم نہیں گئے بھابی کے ساتھ؟" احمد حسن نے بیٹھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔ جبھی وہ بھی جواب گول کر گیا۔
"اور سناؤ گھر میں سب خیریت ہے۔ آنٹی، ناکمہ؟"
"الحمدللہ ٹھیک ہے۔ نہیں بتایا ہوگا بھابی نے کہ وہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ آئی تھیں ہمارے ہاں۔"
"اچھا کب؟" احمد حسن نے اُن کی آمد کا مقصد بھی بتایا تو وہ قدرے پُرسوچ انداز میں بولا۔
"ہوں۔ ذکر کیا تھا اُس نے مجھ سے۔ پھر کیا طے پایا؟"
"ابھی کیا طے پانا ہے یار۔ ابھی تو بات شروع ہوئی ہے۔ پھر مجھے تم سے بھی مشورہ کرنا تھا۔ کیسے
ہیں [illegible] صاحب اور سب لوگ؟" احمد حسن نے الجھنے میں غلط وقت پر اہم موضوع چھیڑ دیا تھا۔ وہ تنقید
[illegible] کر سکتا تھا لیکن جانے کیسے دامن بچا گیا۔
"میں کچھ نہیں کہہ سکتا احمد حسن۔ مجھے درمیان میں مت لاؤ۔ تم اور آنٹی جو مناسب سمجھیں کریں۔"
"اس کا مطلب ہے تم ناکمہ کو بہن نہیں سمجھتے۔" احمد حسن نے اُس کے جواب سے مایوس ہو کر کہا۔
"ایسا کیوں کہا تم نے۔" وہ بگڑ گیا۔ "وہ میری بہن ہے اسی لیے میں خود کو اس معاملے سے الگ رکھ رہا
ہوں کہ خدانخواستہ زندگی میں کہیں اونچ نیچ ہو جائے تو تم یہ نہ کہو کہ سسرال کی طرفداری میں میں نے بہن کا
خیال نہیں کیا تھا۔"
"نہیں نہیں، تم اس معاملے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ امی کا بھی یہی کہنا ہے کہ تم سے مشورہ کرنے کے بعد
ہی جواب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم زیادہ جانتے ہو۔" احمد حسن نے اُس کے عذر کو کوئی اہمیت نہیں دی۔
"میں تو تعریف ہی کروں گا۔ اچھے لوگ ہیں۔ شریف، عزت والے اور غیرت مند۔" وہ قصداً مسکرایا۔ "اور
[illegible] جانتے ہو۔"
"اور یہ بتاؤ کہ بھابی کب آئیں گی، اُن کے بغیر تم کچھ خبطی لگ رہے ہو۔" احمد حسن خفیف مسکراہٹ
کے ساتھ بولا تو وہ نظریں چرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔
"چلو۔ باہر کہیں چل کر چائے پیتے ہیں۔"
احمد حسن اُس کے نظریں چرانے سے کچھ کھٹکا اور اس کی تقلید میں اُٹھنے کے بجائے آرام سے سگریٹ نکال
کر سلگانے لگا پھر دھوئیں کے مرغولوں میں سے اُسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔
"کیا بات ہے۔ بھابی سے ناراضگی ہو گئی ہے۔ یار وہ خاتون ایسی تو نہیں ہیں کہ کسی معمولی بات پر روٹھ کر
[illegible] یقیناً زیادتی تمہاری طرف سے ہوئی۔" احمد حسن نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ چیخ گیا۔
"[illegible] میں نے کوئی بہت بڑا ظلم کیا ہے۔"
"ظلم تو نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی انجانے میں بھی ظلم ہو جاتا ہے جو خود کو پتا نہیں چلتا لیکن مقابل شدت
سے محسوس کرتا ہے۔ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے؟" احمد حسن نے دھیرج سے اور انتہائی اپنائیت سے پوچھا تو وہ
[illegible] بھر گیا۔ جس وقت سے اُسے آسیہ سے شادی کا اظہار کرنے پر مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اُس
[illegible] تک کے تمام حالات اُس کے سامنے بیان کر دیے اور ظاہر ہے درمیان میں مہرالنساء سے

شادی کا ذکر بھی کیا اور وہ میں سے احمد حسن سنانے میں بیٹھا تھا۔ جب وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے کئی دیر بعد احمد حسن خود کو بولنے پر آمادہ کر سکا تھا۔

"تم نے بہت غلطی کی۔ کم از کم بھابی سے اتنی رازداری نہیں برتنی چاہیے تھی۔ جب جان گئے اُس طرف سے مسلسل تمہارے خلاف سازش ہو رہی ہے تب تو بھابی کو بتانا اور بھی ضروری تھا۔ وہ ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاتیں۔ اور اب تو ظاہر ہے نہ صرف اُن کا اعتماد مجروح ہوا ہے بلکہ عزت نفس پر بھی گہری چوٹ پڑی ہے۔ اس لیے اُن کا مطالبہ جائز ہے نہیں تسلیم کرنا پڑے گا۔" احمد حسن نے چند لمحے رُک کر اسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

"آسیہ بھابی کوئی جاہل گنوار عورت نہیں ہیں۔ پڑھی لکھی سمجھدار خاتون ہیں جو آج اپنے ہو جائیں تو ڈاکٹر آسیہ کے نام سے معاشرے میں اُن کا مقام ہو گا۔ انہیں تمہارے بابا جان نے جس بد... پکارا وہ تو کوئی معمولی عورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر تم اُن سے کیسے توقع کر رہے ہو کی شرافت ہے اور تم سے محبت کی انتہا کہ وہ تمہاری ساری خطائیں معاف کر رہی ہیں۔ نہیں انکار ہیں۔ اس کے برعکس بن کیے تمہارا یقین کر رہی ہیں کہ پہلی شادی کرنے میں بھی تمہاری کوئی مجبوری ہو گی اور شاہ پور جانے پر بھی تم مجبور ہو گئے۔ ورنہ پہلے تو تمہارا محاسبہ ہونا چاہیے تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

شاہ سکندر نے ذرا سا نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اور ایک بات جو تم بھول رہے ہو وہ یہ ہے کہ جب عزت و وقار پر بات آتی ہے تو محبت کرنے کھڈروں میں جا چھپتی ہے۔ پھر آسیہ بھابی جیسی لڑکی تو اپنی اور خاندان کی ناموس پر جان دے سکتی ہیں محبت کیا چیز ہے۔ تمہیں اگر واقعی اُن سے محبت ہے تو اُن کے حق کے لیے لڑنا ہو گا۔ بھلے اُن کے اور اُن کے خاندان سے متنفر ہونے کے غیر جانبداری سے سوچو۔"

"میں کیا سوچوں احمد حسن! جب مجھے معلوم ہے کہ بابا جان کسی قیمت پر آسیہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔" انتہا مایوسی سے کہا تو احمد حسن زور دے کر بولے۔

"تم کوشش تو کرو۔ اپنی بات منوانے کے لیے کئی حربے استعمال کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہیں وہ مجبور ہو جائیں۔"

"میں سارے حربے پہلے ہی آزما چکا ہوں۔ انہیں اگر ماننا ہوتا تو اُس وقت مان لیتے۔ شاید مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے پہلی شادی کے وقت یہ شرط رکھنی چاہیے تھی کہ اس کے بعد بابا جان خود میرے گھر والوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے۔"

"جو وقت ہاتھوں سے نکل گیا اس پر مت پچھتاؤ۔ آگے کی سوچو۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔" احمد حسن نے اس کا کندھا تھپک کر تسلی دی۔ پھر گھڑی دیکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ "بہت دیر ہو گئی چلنا چاہیے۔ تم بھی چلو۔ یہاں تمہیں کھانے وغیرہ کی پرابلم ہو گی۔"

"نہیں کوئی پرابلم نہیں۔ ایک دو دن کی بات ہے پھر میں شاہ پور چلا جاؤں گا۔" وہ بہت سستی سے کھڑا ہوا تھا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے تم بابا جان کو منانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ اور ہاں جانے سے پہلے مجھے فون ضرور کر دینا۔"

"او کے۔" وہ احمد حسن کو رخصت کر کے دوبارہ اندر آیا تو شاہ پور جانے سے پہلے آسیہ سے ملنے کی ترکیب سوچنے لگا تھا۔

شاہ سکندر سوچی ہوئی ترکیب کے مطابق آسیہ کے چچا کے گھر جا پہنچا جن سے اُس کی پہلے دو تین بار

ملاقات ہو چکی تھی۔ آخری بار اس روز جب بڑے بھیا اور سارہ بھابی جا رہے تھے۔ تب ان کی بیٹی طاہرہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ اس وقت طاہرہ ہی نے گیٹ کھولا اور اسے دیکھ کر خوشی کے ساتھ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کیسے راستہ بھول گئے اور آسیہ باجی کہاں ہیں؟"

"چچا جان ہیں یا آفس جا چکے؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔

"کیا مطلب؟ ابو گھر پر نہیں ہوں گے تو آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

"ارے نہیں۔ میں نے تو بس یونہی پوچھ لیا تھا۔" وہ اندر آتے ہوئے بولا اور سامنے چچی جان کو دیکھ کر سلام کیا تو انہیں بھی اس کی آمد پر حیرت ہوئی لیکن انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دی۔

"جیتے رہو۔"

"کیسی ہیں آپ اور چچا جان۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے ملتا چلوں۔" وہ اپنی آمد کے جواز سے سوچ کر آیا تھا لیکن وہی عام سا جملہ کہہ سکا۔

"اچھا کیا، بہت خوشی ہوئی۔ آؤ اندر چل کر بیٹھو۔" چچی جان نے کہا۔

"جی بس، یہیں ٹھیک ہے۔" اس نے تکلف کیا لیکن طاہرہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی اور بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولی۔

"ابو ابھی کچھ دیر پہلے آفس کے لیے نکلے ہیں۔ آپ کو ان سے کوئی کام تھا؟"

"جی نہیں۔ اصل میں میں ابھی شاہ پور سے آرہا ہوں۔ ایک دوست بھی ساتھ تھا۔ اسے یہیں قریب ڈراپ کیا۔ پھر آپ کے گھر پر نظر پڑی تو مجھے چپ چاپ نکل جانا اچھا نہیں لگا۔ سوچا کھڑے کھڑے خیریت ہی معلوم کر لوں۔" اس نے بہت سنبھل کر بات بنائی جس پر یقین کرتے ہوئے طاہرہ بولی۔

"اس لیے آسیہ باجی آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ خیر یہ بتائیے ناشتا کریں گے؟"

"جی شکریہ۔ ناشتا ہم نے راستے ہی میں کر لیا تھا۔ البتہ ایک کپ چائے پینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اس سے پہلے اگر آپ اجازت دیں تو میں آسیہ کو فون کر لوں۔" وہ خوبصورتی سے اصل مقصد کی طرف آیا تھا۔

"بہت تکلف کر رہے ہیں آپ سکندر بھائی۔ بھلا اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔" طاہرہ نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کے قریب کارنر پر رکھ دیا پھر جانے لگی کہ وہ ٹوک کر بولا۔

"ایسا کریں۔ آپ بلائیں آسیہ کو۔ میرا انہیں بتائیے گا۔"

"اچھا۔" طاہرہ اپنے طور پر جانے کیا سمجھ کر ذرا سا ہنسی پھر نیچے گھنٹے ٹیک کر پوچھنے لگی۔ "کہاں کے نمبر ملاؤں؟"

"ادھر ابا جی کے گھر ہیں آسیہ۔" اس نے بتا کر اخبار اٹھا لیا اور بظاہر اسے دیکھنے میں مصروف لیکن سارا دھیان طاہرہ کی طرف تھا۔

"السلام علیکم بھابی۔ میں طاہرہ ہوں۔"

"جی ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"وہ آسیہ باجی سے کام تھا۔ پلیز انہیں بلا دیں۔"

"شکریہ۔ جی میں آؤں گی کسی دن۔"

پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جیسے ہی طاہرہ کی آواز سنائی دی وہ ایک دم اسے دیکھنے لگا تھا۔

"کیسی ہیں آسیہ باجی؟ کیا کر رہی تھیں؟"

"چلیں میں آپ کی بوریت دور کر دیتی ہوں۔" طاہرہ نے ہنستے ہوئے ریسیور اسے تھما دیا اور اٹھ کر چلی گئی تب وہ بولا تھا۔

"کیا ستم ظریفی ہے کہ اپنی بیوی سے بات کرنے کے لیے مجھے دوسروں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔"

"آپ۔" آسیہ کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
"بہت ظلم کر رہی ہو تم مجھ پر اور اپنے آپ پر بھی۔"
"میں فون بند کر رہی ہوں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
"میں دوبارہ رنگ کروں گا۔ یہیں سے اور اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک تم میری بات نہیں سنو گی۔"
"کیا بات ہے؟" آسیہ نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیے۔
"میرا یہاں بیٹھ کر بات کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ اور میں وہاں یعنی تمہارے ابا جی کے گھر بھی نہیں آنا چاہتا اس لیے تمہیں آنا پڑے گا۔ اگر تم گھر نہیں آنا چاہتیں تو ہم کہیں اور بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" وہ بہت احتیاط سے اور جلدی جلدی بول رہا تھا۔ مبادا طاہرہ یا چچی جان کے آنے سے بات ادھوری رہ جائے۔
"سن رہی ہو آسیہ۔ شام میں تیار رہنا۔ میں تمہیں گھر کے گیٹ سے ہی پک کروں گا اور میرا خیال ہے تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میرے بارے میں کچھ غلط خیال کرنا کیونکہ میں تمہارا حق مہر ادا کر چکا ہوں اور اس سلسلے میں تم سے سہولت سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر تمہارے گھر والوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"
"اچھا۔ شام میں ملیں گے۔" قدموں کی آہٹ پر اس نے فون بند کر دیا اور خود کو خاصا ریلیکس محسوس کرنے لگا تھا۔
"حیران ہو رہی ہوں گی آسیہ باجی۔" طاہرہ نے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
"جی۔ چچی جان کہاں ہیں؟" وہ مختصر جواب دے کر موضوع بدل گیا۔
"آ رہی ہیں امی۔ آپ چائے لیجیے۔" طاہرہ نے کپ اس کی طرف بڑھایا جسے تھام کر اس نے ہونٹوں سے لگا لیا۔
اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لیے چائے کے بعد کچھ دیر ہی وہ مروتاً بیٹھا تھا پھر وہاں سے نکلا تو دوپہر تک مختلف سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ شام کوئی اتنی دور نہیں تھی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا اور مسلسل ڈرائیو سے زیادہ ذہنی انتشار نے اسے تھکا دیا تھا۔ اسی لیے کچھ دیر سونے کی غرض سے وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔ اب تو یہ گھر بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ عجیب سی ویرانی اور وحشت در آئی تھی۔ وہ جوتے موزے اتار کر لیٹا تو بیتے لمحوں کی خوبصورتیاں جیسے اس کی تھکن بانٹنے آ گئی تھیں۔ اس نے مکمل طور پر خود کو انہی لمحوں کے حوالے کر دیا اور ابھی آنکھیں بند کی تھیں کہ فون کی بیل نے اسے واپس حقیقت میں لا کھینچا۔ جس پر وہ انتہائی ناگواری سے اٹھ کر فون تک آیا تھا۔
"ہیلو!" اس کے لہجے میں بھی حد درجہ ناگواری تھی۔
"سوری۔ میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا۔" دوسری طرف آسیہ نے اس کی ناگواری محسوس کرتے کہا لیکن وہ اس کی آواز سن کر خوش ہو گیا۔
"یہ بتاؤ تم کب ڈسٹرب نہیں کرتیں۔ پاس ہوتی ہو جب بھی اور۔۔۔"
"سکندر۔" وہ ٹوک کر بولی۔ "یہ بتائیں آپ کو کیا بات کرنی تھی۔"
"بہت ساری باتیں ہیں۔" وہ موڈ میں آ گیا تھا۔
"میں سن رہی ہوں۔"
"ابھی نہیں یار۔ شام میں کہیں کھلی فضا میں بیٹھیں گے تاکہ تمہارا موڈ خوشگوار ہو پھر میں تم سے۔"
"سوری۔ میں کھلی فضا میں نہیں بیٹھ سکتی۔ آپ کو جو بات کہنی ہے ابھی کہیں۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی تو وہ ایکدم ہونٹ بھینچ گیا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

"ہمیں مجھ سے ملنے سے کس نے روکا ہے؟"

"کسی نے نہیں۔ میں نے خود اپنے آپ کو پابند کیا ہے اور سبب آپ جان چکے ہیں۔" شادی سے پہلے وہ اس کے سامنے جس اعتماد سے بات کرتی تھی ابھی بھی اس کا وہی لہجہ تھا۔ شاہ سکندر سمجھ گیا اس وقت اُسے اپنی رفاقتوں کی قسم دے کر بھی نہیں منایا جا سکتا۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو کوئی بات نہیں کہنی، محض مجھے تنگ کرنا مقصود ہے۔" وہ آسیہ کے خاموش رہنے پر بولا تھا۔

"اب اتنی بھی بدگمان نہ ہو کہ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگے۔ بہرحال بہت ساری باتیں ہم بعد کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ سن لو کہ میں شاہ پور جا رہا ہوں اور انشاء اللہ بہت جلد بابا جان کو لے کر تمہارے پاس آؤں گا۔" وہ آسیہ کے شاکی ہونے پر جز بز ہو کر بولا۔ اور اس بار وہ خاموش رہی تو قدرے رُک کر پوچھنے لگا۔

"کیا تم میرے لیے دعا نہیں کرو گی؟"

"دعا ہی نہیں انتظار بھی کروں گی۔" آسیہ نے کہہ کر فون بند کر دیا پھر بھی وہ کتنی دیر تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا تھا۔

وہ برآمدے میں بیٹھی بظاہر آنگن میں کھیلتے احمد، سونیا اور عمر کو دیکھ رہی تھی لیکن ذہن مسلسل شاہ سکندر کو سوچنے میں لگا ہوا تھا۔ جس نے بابا جان کو ساتھ لانے کا کہہ کر اس کے سوال میں گویا امید کی شمع جلا دی تھی۔ گو کہ وہ اس سے بہت خفا ہونے کے ساتھ شاکی اور متنفر بھی ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود اس سے یکسر تعلق توڑ لینے کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور آخری شخص ہے۔ پھر اس کے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی۔ اس لیے باقی ساری باتوں کے ساتھ سمجھوتا کرنا اس کی مجبوری تھی یا محبت اس کا فیصلہ وقت کو کرنا تھا۔ ابھی تو اُسے اپنی اور اپنے خاندان کی ناموس کی فکر تھی اور اسی کی خاطر دعا کر رہی تھی۔

"خدا کرے شاہ سکندر، بابا جان کو لانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"آسیہ!" اماں جی کے پکارنے پر وہ بُری طرح چونکی تھی۔

"جی اماں جی!"

"بیٹی، شام اتر رہی ہے۔ بچوں کو لے کر اندر آ جاؤ۔" اماں جی نے کہا تو اس نے اُٹھ کر بچوں کو پکارا۔

"چلو احمد، سونیا، اندر چلو بیٹا۔"

"رُک جائیں پھوپھو، ابھی میں آؤٹ نہیں ہوا۔"

"بے ایمان، دو بار آؤٹ ہو چکے ہو۔" سونیا نے تڑخ کر کہا تو وہ اُسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

"بُری بات سونیا۔ بڑے بھائی کو اس طرح نہیں کہتے۔ چلو احمد تم بھی بس کرو بہت کھیل چکے۔"

"پورے پچاس رن بنائے ہیں اور سونیا تو زیرو پر آؤٹ ہو گئی تھی۔" احمد اتراتا اور سونیا کو چڑاتے ہوئے بیٹ رکھ کر اندر بھاگ گیا۔

"اور عمر نے کتنے رن بنائے ہیں؟" اس نے آگے آ کر عمر کا ہاتھ پکڑ کر اسے برآمدے کا اسٹیپ چڑھنے میں مدد دی۔

"یہ تو بیٹ بھی نہیں پکڑ سکتا۔" سونیا نے ناک سکیڑ کر کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔

"ابھی چھوٹا ہے ناں۔"

تبھی عدیل بھائی کی گاڑی کی آواز سن کر اس نے سونیا کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا اور خود عمر کو لے کر اسی رفتار سے چلتی ہوئی اماں جی کے کمرے میں آ رہی تھی کہ سونیا کے اچھل کر شور مچانے پر رُک کر

دیکھنے لگی۔
"پھوپھو! اشعر اور سمیہ آئے ہیں۔"
"سیما بھابی! عدیل بھائی کی گاڑی سے سیما بھابی کو اترتے دیکھ کر وہ بے خیالی میں عمر کا ہاتھ چھوڑ کر ان کے استقبال کو بڑھ گئی تھی۔
سونیا کی آواز پر ہی امّاں جی کمرے سے نکل آئی تھیں۔ اور پھر سارے گھر میں ایک خوشگوار سی ہلچل مچ گئی۔
"میں نے اسلام آباد سے چلتے ہوئے عدیل کو فون کر دیا تھا کہ یہاں ہمیں ریسیو کرے اور تمہیں یاد رہا ورنہ مجھے خاصی پریشانی ہوتی۔" سیما بھابی نے امّاں جی کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"خیر عدیل بھائی کی یادداشت اتنی کمزور تو نہیں ہے جو انہیں آپ کو ریسیو کرنا یاد نہ رہتا۔" اشعر نے بھائی کی طرفداری میں کہا تو سیما بھابی فوراً بولیں۔
"کیوں ایک بار ہمیں بازار میں نہیں بھول آیا تھا۔"
"جناب بھولا نہیں تھا بلکہ جان بوجھ کر چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ آپ لوگوں کی شاپنگ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔" عدیل بھائی اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے محظوظ ہو کر بولے تھے۔
یونہی ہلکی پھلکی باتوں میں چائے کا دور چلا۔ پھر کھانا۔ اس کے بعد وہ سونیا اور سمیہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کیونکہ سیما بھابی، امّاں جی کے ساتھ اسی کے مسئلے پر بات کرنے لگی تھیں اور وہ جانے کیوں ہرٹ ہوئی تھی حالانکہ کسی نے اس پر جتایا نہیں تھا کہ شاہ سکندر اس کی پسند تھا۔ بس اپنے آپ احساس ہوتا تھا کہ اس نے اگر غلطی نہیں کی تب بھی سب کو مشکل میں ڈالنے کی سزاوار ضرور ہے۔
"آسیہ!" میمونہ بھابی نے اس کے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔ "چائے پیو گی؟"
"نہیں بھابی۔ ایسے ہی بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔"
"چلو چھٹی ہوئی۔" میمونہ بھابی اندر آ گئیں اور کرسی کھینچ کر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "یہ دونوں چڑیلیں تمہارا سر کھا رہی ہیں۔"
"ہائے بھابی! یہ تو میری شہزادیاں ہیں۔" اس نے دائیں بائیں سونیا اور سمیہ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور باری باری دونوں کے گال چومنے لگی تو میمونہ بھابی چھیڑ کر کہنے لگیں۔
"بس کچھ وقت ہے۔ جب تمہارا اپنا آ جائے گا تو انہیں پوچھو گی بھی نہیں۔"
"جی نہیں۔ یہ تو میری جان ہیں۔"
"کون۔ کس کی جان ہے۔" سیما بھابی سنتی ہوئی آ گئیں۔
"آئیے بھابی! آپ ہمیں بھی اپنا حال احوال سنائیں۔" وہ اپنے قریب ان کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی۔
"میں تمہارا احوال سننے آئی ہوں۔ کہاں ہیں آج کل شاہ سکندر؟" سیما بھابی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔
"صبح ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے شاہ پور جا رہا ہوں۔"
"اپنے امّاں، ابا کو لینے؟"
"جی۔ مجھ سے تو یہی کہا ہے۔" وہ اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"چلو لے آئے تو اچھا ہے۔ ویسے تمہارے بھائی جان بہت مایوس تھے۔ کہہ رہے تھے اگر شاہ سکندر کے والدین آ بھی گئے تب بھی آسیہ کا سوکن کے ساتھ گزارا مشکل ہوگا۔" سیما بھابی نے کہا۔
"یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔" وہ ہاری ہوئی سی لگ رہی تھی۔
"نہیں آسیہ! یہ ساری باتیں بھی ابھی سوچ لو تو اچھا ہے۔ ورنہ بعد میں تو تمہارے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔" میمونہ بھابی نے ناصحانہ انداز میں کہا تو سیما بھابی ان کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

«میمونہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہارے بھائی جان نے مجھے اسی مقصد سے بھیجا ہے کہ آپ کو سمجھا دینا تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد شاہ سکندر کے ساتھ جانے کی بات کرے۔ اور یہ کہ آیا آئندہ زندگی میں تم اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو کہ نہیں۔ انہوں نے سمجھوتہ کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ چند دنوں کا نہیں ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ تم پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہو۔ میرا خیال ہے یہ ساری باتیں خود بھی سمجھ سکتی ہو شاہ سکندر کی پہلی بیوی پتا نہیں کیسی عورت ہے۔ تمہیں ٹکنے دے گی یا نہیں۔»

«ہاں۔ میں نے گاؤں کی عورتوں کے بارے میں بڑی باتیں سنی ہیں۔ جادو ٹونوں کے ذریعے سوکنوں کو ہٹا دیتی ہیں۔ اللہ توبہ۔» میمونہ بھابی جھرجھری لے کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔

وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ ذرا سی پلکیں اٹھا کر میمونہ بھابی کو دیکھنے لگی۔

«خیر ان باتوں میں اگر صداقت ہو تب بھی ہم یقین نہیں کرتے۔ میں سکندر کی بیوی کے مزاج کی بات کر رہی تھی اور یہ کہ وہ سکندر کو آسیہ کے خلاف بھڑکا بھی سکتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ سارا خاندان ہوگا اور یہ اکیلی۔» سیما بھابی نے اپنا رُخ میمونہ بھابی کی طرف موڑا تو دونوں بھاوجیں آپس میں بات کرتے ہوئے کچھ دیر کو اس کی موجودگی فراموش کر گئیں۔

«پھر تو اور مشکل ہوگی۔ اُن جاہل عورتوں کے ساتھ یہ کہاں مقابلہ کر سکتی ہے۔»

«اسی لیے شکیل نے کہا ہے کہ ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد سکندر کے ساتھ جانے کا سوچے۔»

«ویسے بھابی! کتنا دھوکا دیا ہے سکندر نے۔ دیکھنے میں کیسا لگتا ہے۔ ایمان سے میرا تو دل چاہتا ہے وہ سامنے آئے اور میں شوٹ کر دوں اُسے۔» میمونہ بھابی ایکدم جذباتی ہو گئیں پھر اچانک اُس پر نظر پڑی تو خائف ہو کر بولیں۔ «سوری۔ سوری آسیہ۔ تم مائنڈ نہیں کرنا۔ ویسے میں یہ سب تمہاری محبت میں کہہ رہی ہوں۔»

«اور کیا۔ میں نے تو جس دن سے سنا ہے کھول رہی ہوں۔ بھلا کیا کمی تھی آسیہ میں۔ ایک سے ایک اچھا رشتہ موجود تھا۔» سیما بھابی نے کہا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

«جو میری قسمت میں تھا وہی ملا۔ اور جانے آگے قسمت میں کیا لکھا ہے۔»

«بس جہاں آدمی مات کھاتا ہے اُسے قسمت کا لکھا کہہ کر خود کو بہلانے پر مجبور کرتا ہے۔» سیما بھابی نے تاسف سے کہا تو وہ اچانک سر اٹھا کر بولی تھی۔

«میں مجبور نہیں ہوں بھابی اور ابھی تو ابتدا ہے۔ کچھ انتظار کریں اس کے بعد فیصلہ ہوگا کہ مات کسے ہوئی۔»

وہ بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا کہ بابا جان کے مہمان رخصت ہوں تو وہ اُن کے پاس جا کر بیٹھے اور انہیں آسیہ کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرے لیکن مہمان جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ ٹہلتا ہوا کبھی کمرے میں جاتا کبھی ٹیرس پر آ کھڑا ہوتا۔ اور ابھی تک اُس کے ذہن میں باقاعدہ کوئی پلان نہیں تھا کہ بابا جان کو آمادہ کرنے کے لیے اُسے کیا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ یہ نہیں تھا کہ اُس نے سوچنے کی کوشش نہیں کی۔ بہت سوچنے کے بعد بھی اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

وہ یونہی ٹہلتا ہوا کمرے میں آیا تھا کہ مہرالنساء نے ایکدم بچہ اُس کے بازوؤں میں دے دیا «جاؤ اپنے باپ کے پاس۔» اور فوراً پلٹ کر وارڈروب میں جانے کیا تلاش کرنے لگی تھی۔

شاہ سکندر کا ذہن پہلے ہی اُلجھا ہوا تھا۔ مہرالنساء کی بدتمیزی پر اس سے اُلجھ کر وہ مزید اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے بچے کو لیے ہوئے بیڈ پر قدرے نیم دراز ہو گیا اور خاصی بے دھیانی میں بچے کو دیکھنے لگا۔ جس کی حرکتیں اور شرارتیں بڑی معصوم سی تھیں۔ اُس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ جاتا اور دو تین بار اچھلنے کے بعد خود کو دوسری طرف گرانے لگتا تو بے دھیانی میں بھی اس کا ہاتھ بے اختیار اُسے تھام لیتا جس پر وہ کھلکھلا کر ہنستا۔ اُس کی کھلکھلاہٹ میں زندگی تھی۔ قوس و قزح کے رنگوں سے بنی کہکشاں کی مانند

جسے دیکھ کر اپنے آپ ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"چلو آغا۔" مہرالنساء اپنے کام سے فارغ ہو کر بچے کو اس کے بستر پر سے اٹھانے لگی تھی کہ اسی
میں اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کس کے دھوکے میں میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے شاہ! میں مہرالنساء ہوں۔" مہرالنساء کے چبھتے ہوئے لہجے پر وہ
کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم اس کے ہاتھ کو یوں جھٹکا دیا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کے قریب

"ایک بات پوچھوں مہرالنساء! ایمانداری سے جواب دینا۔" وہ اس کی مخروطی انگلیوں کو دیکھتے

"آپ بے ایمانی کرتے ہو شاہ اور مجھ سے ایمانداری کی توقع رکھتے ہو۔ خیر پوچھیں کیا پوچھنا ہے؟"
کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔

"کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" شاہ سکندر نے نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"یہ سوال اگر آپ اوّلین شب کرتے تو میں محبت میں جان دینے کی بات کرتی۔" مہرالنساء نے
سے جواب دے کر اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تو وہ بے صبری سے بولا۔

"اور اب۔ میرا مطلب ہے میں ابھی کی بات کر رہا ہوں۔ اب کتنی محبت کرتی ہو؟"

"اب تو محبت میں دکانداری شامل ہو گئی ہے۔ دو اور لو۔" وہ کہہ کر زور سے ہنسی پھر بچے کو
میں بھرتے ہوئے بولی۔

"کیوں آغا ٹھیک ہے ناں، کوئی ہم سے محبت کرے گا تو ہم بھی کریں گے ورنہ ہمارے جذبات کیا
مفت کوڑی ہیں کہ یونہی لٹاتے پھریں۔"

شاہ سکندر کو اس کے ہنسنے کھلکھلانے اور اٹھلانے پر غصہ آ رہا تھا لیکن بڑے ضبط سے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر
بچے کو فوم پر لٹا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس یا اور کچھ؟"

"ایک بات اور۔ اگر میں آسیہ کو یہاں لے آؤں تو تم؟"

"نہیں۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ "وہ یہاں نہیں آ سکتی۔ کسی قیمت پر نہیں۔ اگر
کبھی غلطی سے بھی آپ اسے یہاں لے کر آئے تو میں آپ کے سامنے اس کا گلا دبا دوں گی۔"

"اس سے پہلے میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔" وہ غصے سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور قصداً اس کے پیر کو اپنے
بھاری جوتے تلے دبا کر آگے بڑھا تھا۔

"ہائے ظالم۔" مہرالنساء تکلیف سے بلبلا کر اپنے پاؤں پر جھکی تھی۔ وہ یکسر نظر انداز کرتا کمرے سے نکل کر جب
لاؤنج میں بی بی جان بڑی بہو کے ساتھ جانے کہاں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"تم چلو گے سکندر؟"

"کہاں؟" وہ رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"شہر بانو کو لینے جا رہے ہیں ہم۔ خیر سے اس کی گود بھرنے والی ہے۔" بی بی جان نے خوش ہو کر بتایا تو
اسے ایکدم آسیہ کا خیال آیا۔ فوراً آگے آ کر بی بی جان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آسیہ کی بھی ایسی ہی حالت ہے بی بی جان! اسے بھی لے آئیں۔"

"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو سکندر۔ جس لڑکی کا ذکر بھی اس گھر میں ممنوع ہے، تم اسے لانے کی بات کر
رہے ہو۔ چلو دلہن دیر ہو رہی ہے۔" بی بی جان ناگواری سے اس کے ہاتھ ہٹا کر چل پڑیں۔ تو وہ ان کے جانے تک
وہیں کھڑا رہا۔ اس کے بعد بابا جان کے کمرے کا رخ کیا۔ غالباً اس پر جنون سوار تھا جو کوئی نتیجہ نہیں دیکھ رہا
تھا اور چاہتا تھا ہر کام اس کی حسب منشا آناً فاناً ہو جائے۔ تبھی بی بی جان کا جواب سن کر بھی نہیں رکا اور بابا
جان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے بابا جان۔"

"یہاں کہو؟" بابا جان نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ اسے گھر لے چلیں اور تسلیم کر کے [illegible] کی حیثیت سے [illegible] اس نے [illegible] کہا تو [illegible]

"جس طرح اس نے دل کو [illegible] میری کوئی بات عقل میں نہیں آ رہی۔ [illegible]

[illegible] آپ کو [illegible] اپنی حیثیت [illegible] سب جان چکا ہے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"آپ میری بات اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ اور مزید سن لیں۔ آج کل آپ کسی بھی نام سے پکاریں وہ [illegible] آپ کی بہو ہے۔ جو عنقریب آپ کا ایک اور وارث پیدا کرنے والی ہے۔ کیا آپ اپنے خون کو [illegible] ہرگز نہیں۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اسے [illegible] مہرالنساء کی وجہ سے [illegible] نہیں ہے تو میں اسے [illegible] کو اسے تسلیم کرنا ہے۔"

"گویا تم ہمیں اس کے سامنے جھکانا چاہتے ہو؟" بابا جان جیسے ساری بات سمجھ کر مطمئن سے ہو گئے تھے۔ بڑے آرام سے پوچھنے لگے۔

"نہیں۔ میں اپنی بیوی کو اس کا جائز مقام دلانا چاہتا ہوں تاکہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والی میری اولاد کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔" اس نے اپنے طور پر انہیں احساس دلانے کی سعی کی۔

"بہت دور کی سوچنے لگے ہو سکندر، اچھی بات ہے۔" بابا جان جانے کیوں محظوظ ہو رہے تھے جبکہ وہ اندر ہی اندر تلملاتے ہوئے بمشکل لہجے کو نارمل رکھ کر بات کر رہا تھا۔

"پھر کب چل رہے ہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا تو بابا جان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کہاں؟"

"آپ کے پاس، اسے لینے۔" اس نے فوراً کہا تو بابا جان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بیٹے! اس گھر کی بہو کہلوانا اگر اس لڑکی کا خواب ہے تو پھر وہ اس سے کہو کہ اس کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ تم پر اس کا جادو چل سکتا ہے ہم پر نہیں۔ اور تم کیسے ہو سکندر جو اس کے کہنے پر چلے آئے۔ ایک بار تو سوچا ہوتا کہ جسے ہم نے پہلے تسلیم نہیں کیا اسے اب کیونکر مانیں گے۔"

"میں اس کے کہنے پر نہیں آیا بابا جان۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اور اس لڑکی نے کبھی اس گھر کا خواب نہیں دیکھا۔ وہ وہیں چھوٹے سے گھر میں میرے ساتھ خوش تھی۔ اسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ آپ نے تسلیم کیا یا نہیں اور آپ کو شاید یہی بات ناگوار گزری جو بیٹے [illegible]"

"فضول بکواس نہیں کرو سکندر۔" بابا جان نے دھاڑ کر اسے خاموش کرا دیا۔ "ایک معمولی لڑکی کی خاطر تم گستاخی کر رہے ہو۔"

"وہ معمولی لڑکی نہیں میری بیوی ہے جس کی عزت و آبرو کی حفاظت میرا فرض ہے۔ وہ بھی [illegible] میں چیخ پڑا۔

"تو کس نے روکا ہے تمہیں تمہارے فرض سے۔ جاؤ کرو اس کی چوکیداری۔"

"اور جو یہاں موجود ہے اس کی چوکیداری کون کرے گا؟" اس نے بہت طنز سے مہرالنساء کی طرف [illegible] کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ میں بیک وقت دو جگہوں پر ڈیوٹی نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ آسیہ کو یہاں سے رخصت کر دیں یا پھر میں مہرالنساء کو طلاق دے دوں۔"

"سکندر حیات" بابا جان نے زوردار تھپڑ رسید کر کے اسے چپ کرا دیا تھا۔ "تم مہرالنساء کو طلاق دو گے اس سے پہلے ہم تمہارا جنازہ اٹھوا دیں گے۔ بہت لحاظ کر لیا ہم نے تمہارا۔ جس لڑکی کے لیے تم ایسا سوچ رہے ہو ہم اس کے پورے خاندان کو نیست و نابود کر دیں گے۔ ورنہ جو الفاظ تم نے مہرالنساء کے لیے کہے ہیں وہ ابھی اس لڑکی کے لیے لکھ کر دو۔"

"نہیں" وہ اُلٹے پیروں پیچھے ہٹنے لگا۔

"سوچ لو، اس لڑکی کی نجات اسی میں ہے۔ ہم تمہیں زیادہ نہیں صرف تین دن کی مہلت دے رہے ہیں۔ جاؤ اتنے وقت میں اس کے لیے جو کر سکتے ہو کرو تاکہ تمہارے دل پر کوئی بوجھ نہ رہے۔" بابا جان نے سفاکی سے اس کی چال اُس پر اُلٹ دی کہ اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دیواریں یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کے سر پر آن گریں گی۔ وہ دھندلائی آنکھوں سے بس بابا جان کو دیکھے جا رہا تھا جو سیف کھول رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس کے قریب آئے تو سرخ سبز نوٹوں کی گڈیاں اس کے ہاتھوں میں تھما کر کہنے لگے۔

"جاؤ فارغ کر دو اسے تاکہ وہ بھی اپنی زندگی جی سکے۔ اور ساتھ میں اسے یہ بھی باور کرا دینا کہ آئندہ اس کی زبان پر تمہارا نام آیا تو ہم اس کے خاندان کے کسی ایک فرد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میرے خدا!" وہ اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن بابا جان کے غضب سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جو کہہ رہے تھے کر بھی سکتے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک پل میں کتنے چہرے گھوم گئے جن کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی اور بہن کو اس کے اصل مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ شاید مر کر بھی اسے وہ مقام نہیں دے سکتا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ غصے اور جذباتی کیفیت سے نکل کر حقائق کو سوچنے لگی تھی۔ یوں بھی وہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی کیونکہ بہت کم عمری میں اس نے اپنے ہی گھر میں بڑے بھیا اور نبیلہ بھابی کے درمیان خلیج حائل دیکھی تھی۔ جو دونوں کی ضد کا نتیجہ تھی اور انجام کار علیحدگی۔ اس کے بعد کمال بھیا اور میمونہ بھابی، جو کہ خاندان بھر میں مثالی جوڑا سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ جانتی تھی اس میں زیادہ کمال میمونہ بھابی کا ہے۔ جو فطرتاً سادہ اور نیک تھیں۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر تو ان کی شخصیت میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح سیما بھابی تھیں۔ گو کہ وہ میمونہ بھابی کی طرح ہر بات پر سر نہیں جھکاتی تھیں لیکن انہیں اپنی بات منوانے کا فن آتا تھا۔ یوں کہ مقابل کو شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف کوئی کام کر گیا ہے۔ اس لیے ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا زیادہ کریڈٹ وہ سیما بھابی ہی کو دیتی تھی۔ یعنی اپنے گھر میں ہی اس نے دیکھ اور سمجھ لیا تھا کہ گھر کا بنانا اور بگاڑنا عورت کے ہاتھ میں ہے اور اب جب اپنے گھر پر بات آئی تھی تو غصے اور جوش جذبات میں جو بھی قدم اٹھایا گیا اور جو فیصلہ کیا گیا وہ بھی اپنی جگہ صحیح تھا اور وہ اس سے انحراف نہیں کر رہی تھی لیکن ساتھ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اپنے رویے میں تھوڑی لچک پیدا کرنی پڑے گی۔ یہی وقت ہے اپنے گھر کی بنیادوں میں اپنی کسی قربانی کا لہو ٹپکانے کا، ورنہ اگر شاہ سکندر بھی ضد میں آ گیا تو اس کی بقیہ ساری زندگی گھر کی دیواروں کو سہارا دینے میں گزر جائے گی کیونکہ آندھی اور طوفان کا کوئی بھروسا نہیں۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟"

اماں جی اسے بڑی دیر سے دیکھ رہی تھیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"جی!" اس نے چونک کر دیکھا۔ "مجھ سے کچھ کہا؟"

"نہ اتنا سوچا کرو۔ صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ ہو گا تو وہی جو اللہ چاہے گا اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔" اماں جی نے اتنے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"پتا نہیں کیوں اماں جی دل بیٹھا جاتا ہے۔ شاید مجھ سے کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ڈرتی ہوں کہیں میری کوئی بات گرفت میں نہ آجائے۔"

"نہیں بیٹا! تمہاری کیا غلطی ہے، جس کی غلطی ہے وہی بھگتے گا۔" اماں جی نے کہا تو وہ پریشان ہو کر کہنے لگی۔

"اگر آپ کا اشارہ شاہ سکندر کی طرف ہے تو وہ مجھ سے الگ تو نہیں ہیں۔ وہ پریشان ہوں گے تو کیا میں آرام سے رہوں گی۔ نہیں اماں جی یہ ممکن نہیں ہے۔ مجھے ان کا خیال کرنا چاہیے۔ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے کہ ہم مل کر ہی اس معاملے کو سلجھا سکتے ہیں۔ اکیلے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں وہاں انہیں بہت مخالفتوں کا سامنا ہے اور یہاں ہم نے بھی وہی محاذ بنا لیا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"پھر... پھر کیا ہونا چاہیے تھا؟"

اماں جی کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ جبھی الجھ کر اماں جی کو دیکھنے لگی پھر اسی انداز میں بولی۔

"پتا نہیں کیا ہو رہا ہے؟"

"آسیہ!" برآمدے سے ابا جی پکار رہے تھے۔

"جی ابا جی!" وہ کمرے سے نکل کر آئی تو کہنے لگے۔

"بیٹا! شاہ سکندر کا فون ہے سن لو۔"

بڑے دنوں بعد اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں اور زردی مائل چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی جسے دیکھ کر ابا جی جاتے جاتے بولے تھے۔

"سکندر کو یہیں بلا لو بیٹا! اس کا اپنا گھر ہے۔"

"جی۔" وہ یونہی سر ہلاتی لابی میں آ گئی اور ریسیور کان سے لگا کر ہیلو کہا تو ادھر سے وہ بہت نرم لہجے میں بولا تھا۔

"ٹھیک تو ہو آسی؟"

"جی آپ کیسے ہیں؟"

"جانے دو یار یہ رسمی جملے۔ زندگی پڑی ہے انہیں دہرانے کو۔ ابھی تو من کے سونے آنگن کو مہکانے کی بات کرو۔" وہ اچانک جذبات کی رو میں بہنے لگا تھا۔

"کہاں ہیں آپ؟" اس نے معاً کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"یہیں تمہارے قریب، کہو تو سامنے آجاؤں۔"

"آجائیں فوراً اور کیا آپ کے ساتھ۔"

وہ پوچھنا چاہتی تھی بابا جان بھی ہیں لیکن اس سے پہلے وہ بول پڑا۔

"ابھی میں اکیلا ہی آ رہا ہوں اور سنو تم تیار ہو جاؤ ہم کہیں باہر چلیں گے۔ مجھے تمہیں بہت ساری باتیں سمجھانی ہیں تاکہ بابا جان کے سامنے تم کنفیوز نہ ہو جاؤ۔"

"آپ کا مطلب ہے۔" وہ کچھ سمجھی کچھ نہیں۔

"ہاں، بابا جان کو میں کل لے کر آؤں گا۔ ابھی میرا تم سے ملنا ضروری ہے، سمجھ رہی ہو ناں، بس جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں آ رہا ہوں۔" شاہ سکندر نے عجلت میں بات ختم کر کے فون بند کر دیا تو وہ اس کے ساتھ جانے کا سوچتی ہوئی اماں جی کے پاس آئی اور وہاں ابا جی کو دیکھ کر انہیں ہی مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

"ابا جی! میں شاہ سکندر کے ساتھ باہر چلی جاؤں؟"

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" ابا جی نے جواب دینے سے پہلے سوال اُٹھایا۔
"کہہ رہے تھے اُن کے بابا جان کل آئیں گے اور اس وقت اُن کا مجھ سے ملنا ضروری ہے۔" اُس نے شاہ سکندر کی بات دہرا دی۔
"کوئی مضائقہ نہیں چلی جاؤ۔"
ابا جی نے اجازت دے دی تو وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آکر کپڑے نکالنے لگی۔
دونوں بھاوجیں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی شاپنگ کے لیے حیدری چلی گئی تھیں۔ بڑے تینوں بچے بھی انہی کے ساتھ تھے۔ صرف چھوٹا عمر اماں جی کے پاس سو رہا تھا۔ اس لیے وہ جلدی سے تیار ہو گئی اور پھر جیسے ہی شاہ سکندر کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ کھڑے کھڑے اماں جی سے کہہ کر باہر نکل آئی۔
"السلام علیکم۔" اُس کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے شاہ سکندر مبہم سا مسکرایا تھا۔
"وعلیکم السلام۔" جواباً آسیہ کی مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی۔
"تھینکس گاڈ، تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔"
اُس نے تشکر کا اظہار کیا پھر اسپیڈ سے گاڑی رہائشی ایریا سے نکال کر مین شاہراہ پر آیا تب کہنے لگا۔
"میرا خیال تھا تم نے میرا اعتبار نہیں کیا ہوگا اس لیے میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہوگی اور زبردستی کرنا پڑے گی۔"
"کس بات کا اعتبار؟" اُس نے پوچھا تو وہ سر میں اُسے دیکھ کر بولا۔
"وہی جو میں نے کہا کہ میں کل بابا جان کو لے کر آؤں گا۔"
"یہ جھوٹ ہے یا سچ اس کی بابت میں بعد میں پوچھوں گی، پہلے یہ بتائیں آپ کو یہ خیال کیوں آیا کہ میں آپ کا اعتبار نہیں کروں گی۔"
"کیا میں تمہارا اعتبار کھو نہیں چکا؟" وہ اُلٹا اُس سے پوچھنے لگا۔
"پتا نہیں، ابھی تک تو میں نے کچھ بھی نہیں سوچا۔ میں نے کیا کھویا، کیا پایا سارے سود و زیاں کے حساب میں اپنے گھر کی چھت تلے آپ کے ساتھ بیٹھ کر کروں گی اور اس وقت میں آپ سے بہت لڑوں گی بہت لڑوں گی سکندر۔" وہ اچانک ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
"آسی... آسی پلیز۔" وہ پریشان ہو گیا۔
"روؤ گی تو میں گاڑی کسی ٹرک سے دے ماروں گا۔"
اُس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر ہاتھ نیچے گرا لیے۔
"اب گزرے کل اور آنے والے کل کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ بس آج کے دن کو ہم یادگار بنائیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کھلکھلا کر ہنسو۔ ایسی ہنسی جس کی جلترنگ زندگی کی آخری سانسوں تک میری سماعتوں میں گونجتی رہے۔"
شاہ سکندر نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔
"سکندر۔" وہ تڑپ کر بولی
"ایسی باتیں کریں گے تو میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گی۔"
"اور میں تمہیں کودنے دوں گا۔" شاہ سکندر نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا پھر پوچھنے لگا۔
"آئس کریم کھاؤ گی؟"
"نہیں۔" وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔
"چلو تو پھر یہ گانا سنو۔" اُس نے ٹیپ کا بٹن آن کر دیا۔

جب کوئی پیار سے بلائے گا
تم کو ایک شخص یاد آئے گا

آسیہ نے فوراً بٹن دبا کر ٹیپ بند کر دیا۔

"ارے بند کیوں کر دیا؟" وہ ونڈ اسکرین سے آگے کہیں بہت دور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں سننا۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"سننا نہیں، کہنا بھی کچھ نہیں پھر کیا کرنا ہے؟"

"آپ وہ باتیں کہیں جن کے لیے آپ مجھے لے کر آئے ہیں۔" وہ اصل موضوع کی طرف آ گئی۔

لیکن وہ ان سنی کر کے گنگنانے لگا۔ پتا نہیں کس موڈ میں تھا۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ ساحل سے آتی نم ہوا سرگوشیوں میں جانے کیا کہہ رہی تھی۔ پھر لہروں کا شور سنائی دینے لگا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میں پانی میں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟" وہ ایک سوالیہ نظر دیکھ کر گاڑی پارک کرنے لگا۔

"بس نہیں دل چاہ رہا نہیں جاؤں گی۔"

"گاڑی سے اترو گی یا یہ بھی نہیں؟" شاہ سکندر نے اس کی ہر بات میں نہیں کو جتایا تو وہ جلدی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

"آؤ۔" وہ گاڑی لاک کر کے اس کے قریب آیا تو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے خیالی میں بولا تھا۔

"یہ لہریں ہمیں ساتھ دیکھ کر خوشی سے مچلتی ہوئی ہماری طرف آتی ہیں۔ آج آخری بار ادا انہیں مچلنے دو پھر تو یہ کبھی تم سے میرا اور مجھ سے تمہارا پتا پوچھیں گی۔"

آسیہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

"چلو ادھر ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔ جب شام اترے گی تب لہروں کا تعاقب کریں گے۔" وہ اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر ذرا سا مسکرایا پھر اس کا کندھا دبا کر چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی معمول کی طرح چلنے لگی تھی۔

"آپ۔ آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔" وہ اسی بات میں الجھی تھی۔ بیٹھتے ہی کہنے لگی۔ "جو بھی بات ہے صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتے۔ میں ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔ یہ بھی کہ بابا جان نے آپ سے انکار کر دیا ہے۔"

"فرض کرو ایسا ہو تو تم کیا کرو گی؟" شاہ سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی جبکہ دل انجانے اندیشوں سے کانپنے لگا تھا۔

"ارے!" شاہ سکندر ذرا سا ہنسا۔ "ابھی تو کہہ رہی تھیں ہر بات کے لیے تیار ہو۔ چلو جانے دو اب کوئی مذاق نہیں ہوگا۔ موڈ ٹھیک کرو اپنا۔ میں ڈرنکس لے کر آتا ہوں۔"

وہ اسی خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

شاہ سکندر اپنی مدد آپ کے تحت ٹرے اٹھا کر اس میں ڈرنکس کے ساتھ لوازمات بھرنے لگا۔ پھر کچھ دیر کاؤنٹر پر رک کر اس کے پاس آیا تو بیٹھتے ہی کہنے لگا۔

"پتا ہے، پچھلے دو دن میں بہت مصروف رہا ہوں۔ اتنا کہ کھانے کا وقت بھی نہیں نکال پایا۔"

"ایسی کیا مصروفیت تھی؟" وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں گفٹ دینا چاہتا تھا۔" وہ کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بھاری لفافہ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ تمہارے لیے ہے۔ جس اپارٹمنٹ میں ہم رہ رہے ہیں وہ میں نے تمہارے نام سے خرید لیا ہے۔ اس میں اس سے کاغذات ہیں۔ اور تمہارے کلینک کے لیے ایک پلاٹ کے کاغذات بھی ہیں۔"

"آپ نے یہ سب۔" وہ قدرے الجھ گئی۔

"کیوں، کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب سب ٹھیک ہو جائے گا تب میں تمہارے کام میں رکاوٹ

نہیں ہوں گا بلکہ تمہارا ساتھ دوں گا۔ چلو یہ لفافہ بیگ میں ڈالو اور کھانے میں میرا ساتھ دو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں آخر میں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے، کل بابا جان آ رہے ہیں۔" وہ اچانک اندیشوں سے نکل کر مسکرائی پھر لفافہ ہاتھ میں لے کر کہنے لگی: "میں اسے کہاں رکھوں۔ آپ اپنے پاس رہنے دیتے جب میں گھر آؤں گی تب۔"

"اوں ہوں۔" وہ ٹوک کر بولا: "مجھے ابھی بابا جان کو لینے جانا ہے۔ کہیں ادھر اُدھر رکھ کر بھول جاؤں گا ویسے بھی یہ اب تمہاری چیز ہے صرف تمہاری۔"

"تھینک یو۔" اس نے لفافہ پرس میں ڈال لیا پھر پوچھنے لگی: "صرف بابا جان آئیں گے؟"

"کیا چاہتی ہو تم، پوری بارات لے کر آؤں۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ بڑی خوبصورت ہنسی تھی۔ آنکھوں میں ننھے ننھے دیپ جلنے لگے تھے۔ شاہ سکندر گھونٹ گھونٹ پیپسی حلق سے اتارتے ہوئے بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر یہاں سے نکل کر سیدھا گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ اس کا بازو تھام کر بولی۔

"سکندر! لہریں ہمیں پکار رہی ہیں۔"

"ان سے کہو جانے والوں کو نہیں پکارا کرتے۔" وہ کہہ کر گاڑی کا لاک کھولنے لگا پھر بیٹھ کر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

آسیہ خوش اور مگن سی تھی۔ اس کے لہجے پر غور ہی نہیں کیا اور نہ یہ محسوس کیا کہ واپسی کا تمام راستہ وہی بولتی آئی ہے۔ اُدھر سے بس ہوں ہاں میں جواب تھا۔ جب گھر کے سامنے گاڑی رُکی تب وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"کتنا؟" وہ شرارت سے ہنسی۔

"اتنا کہ ہمارے درمیان جو ایک رات کا فاصلہ ہے تو اگر اس رات کی سحر ہونے میں صدیاں بیت جائیں تب بھی تم۔"

"سکندر!" وہ بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ گئی۔

"وقت بڑا ظالم ہے آسی۔ محبت کرنے والوں کی آزمائش مطلوب ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔ جاؤ خدا حافظ۔" وہ اس کا ہاتھ چوم کر بولا۔

"خدا حافظ۔" وہ دھیرے سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر گاڑی سے اتری تھی کہ شاہ سکندر نے ایک دم سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ حیران ہو کر دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر اندر آ گئی۔

"تو ہمارے مل کر آئی ہے۔" میموزہ بھابی اسے دیکھتے ہی گنگنانے لگیں۔

"آپ کو بس موقع چاہیے۔" وہ قدرے جھینپ گئی۔

"کیا ہوا سکندر اندر نہیں آیا؟" سیما بھابی نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

"کل آئیں گے اپنے بابا جان کے ساتھ۔" وہ بتا کر محض میموزہ بھابی کے شوخ جملوں سے بچنے کی خاطر فوراً اپنے کمرے میں آ گئی۔ پرس اور دوپٹا اتار کر بیڈ پر ڈالا پھر الماری میں سے کپڑے نکال کر واش روم کا رخ کیا۔ منہ ہاتھ دھونے اور چینج کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آئی تو پرس اٹھا کر الماری میں رکھتے ہوئے ایک خیال آنے پر اس نے شاہ سکندر کا دیا ہوا لفافہ اس میں سے نکال لیا اور بیڈ پر بیٹھ کر کاغذات نکال رہی تھی کہ عدیل بھائی دروازے میں آ کر کہنے لگے۔

"آسیہ! تمہیں ابا جی بلا رہے ہیں۔"

"جی۔" وہ کچھ کاغذات جو ہاتھ میں آ گئے تھے، وہ اور لفافہ وہیں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کاغذات کیسے ہیں؟" عدیل بھائی نے دو قدم آگے آ کر پوچھا۔

"آپ دیکھیں، میں ابا جان کی بات سن کر آتی ہوں۔" وہ عجلت میں کہتی کمرے سے نکل آئی۔

ابا جان اور اماں جی دونوں یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ شاہ سکندر نے اپنے بابا جان کے ساتھ آنے کا کیا طے کیا ہے۔ آیا ان کی طرف سے کوئی خدشہ تو نہیں ہیں اور یہ کہ وہ اسے کہیں کرائے پر رکھے گا یا اپنے ساتھ شاہ پور لے جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے وہ ماں باپ تھے۔ جہاں بیٹی کا گھر آباد رکھنا چاہیے تھے وہاں سوکن کا خوف بھی تھا۔

"نہیں ابا جی! ان کی طرف سے کسی قسم کی کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ آرام سے بیٹھ کر ماں باپ کو اطمینان دلانے لگی۔ "بلکہ شاہ سکندر نے مجھ سے شاہ پور چلنے کی بات کی ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں ہوا یا فلیٹ وہ میرے نام سے خرید لیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم یہیں رہیں گے۔ بابا کل وہ آئیں گے تو آپ خود بات کر لیجیے گا۔"

"کون؟ کس سے بات کرنے کو کہہ رہی ہو؟" عدیل بھائی جانے کب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"شاہ سکندر سے۔" وہ اسی روانی میں بول گئی۔

"شاہ سکندر اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ انتہائی گھٹیا اور گھٹیا کر اپنے باپ کی دی ہوئی گالی کو ہمارے غلط ثابت کرنے کے اس پر مہر ثبت کر کے تمہارے اور ہم سب کے منہ پر مار گیا ہے۔"

دکھ، تاسف اور غصے کی انتہائی کیفیت میں عدیل بھائی نے وہ سارے کاغذات اس کی طرف اچھال دیے تھے۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اطراف اڑتے کاغذات کو دیکھنے لگی جبکہ ذہن پر اچانک بابا جان کے الفاظ ہتھوڑے برسانے لگے تھے۔

"شاہ سکندر نے اگر تمہیں اپنی رکھیل بنا کر رکھا تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہو گا۔"

❀ ❀ ❀

"تو کیا یہ سب۔۔۔" اس نے اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے ادھر ادھر بکھرے کاغذات سمیٹنا شروع کیے تو اسے لگا جیسے اس کی عزت، وقار، انا اور خودداری بھرے بازار میں نیلام ہو گئی ہو۔ بہت ضبط کرتے کرتے بھی اس کے آنسو رخساروں پر چھلک گئے جنہیں فوراً ہی اس نے دوپٹے کے پلو میں جذب کر لیا اور ایک آخری کاغذ جو ابا جی کے قدموں کے پاس پڑا رہ گیا تھا اسے اٹھا کر کھڑی ہوئی تو کہنے لگی۔

"ابا جی۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا جس پر شرمندہ ہوں۔ اور اپنی زندگی میں میں نے کسی کے ساتھ برائی کی نہ کسی کی برائی سوچی ہو میں سمجھوں کہ مجھے اسی کی سزا ملی ہے۔ اس کے برعکس آزمائش ہو سکتی ہے۔ اور آپ ہی دعا کرتے ہیں کہ آزمائشوں سے گھبرا کر قسمت کو کوسنا، الزام دینا صرف بزدلی ہی نہیں ایمان کی کمزوری کی علامت بھی ہے اور مجھے اپنے قسمت سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں اگر آنسو بہاؤں گی تو اس خیال سے کہ میں آپ سب کے لیے دکھ کا باعث بنی۔" آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اماں جی جو پہلے عدیل بھائی کے غصے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ اب اس کی باتوں سے الجھ رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ انہیں شاہ سکندر کی طرف سے اطمینان دلا رہی تھی پھر اب کیا ہو گیا ہے جو رو رہی ہے۔

"مجھے بھی تو بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کیوں تم میری بچی کے پیچھے پڑے ہو عدیل؟"

اماں جی نے اپنی سمجھ کے مطابق عدیل بھائی کو ٹوکا تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے وہ کمرے سے نکل گئی اور اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے تمام کاغذات لفافے میں ڈال کر الماری میں رکھے پھر اٹیچ باتھ روم میں بند ہو گئی کیونکہ پہلے کی طرح غم و اندوہ کی تصویر بن کر وہ سب کو اپنے لیے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ کہاں ممکن

تھا۔ وہ تو خود بے حسی کا خول چڑھانے میں بھی ناکام ہو گئی تھی۔ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ لیا مگر آنسو سارے بند ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔

کتنی دیر تک وہ دروازے کے ساتھ پیشانی ٹکا کر روتی رہی۔ اسے دکھ صرف اس بات کا تھا کہ وہ کسی کی قیمت لگا گیا تھا۔ گویا سب کچھ پہلے سے طے تھا اور وہ اس کی جھوٹی محبت کے فریب میں آکر اپنا سب کچھ ہار گئی تھی۔

"آسیہ!" میمونہ بھابھی شاید کمرے میں آکر پکار رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے واش بیسن کا نل کھول کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر دوپٹے سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی نکلی تو میمونہ بھابھی اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر افسوس سے بولیں۔

"تم اس شخص کے لیے رو رہی ہو جو باقاعدہ پلان کے تحت تمہاری زندگی سے کھیل گیا اور صرف تمہاری ہی نہیں اور بھی جانے کتنی اس کے فریب میں آئی ہوں گی۔"

"اوروں کا میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر اپنے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میں انمول ہوں۔" اس کے لہجے کا دکھ میمونہ بھابھی کو تڑپا گیا۔

"تم ابھی بھی انمول ہو۔ اور تمہیں اپنے ہر عمل سے ثابت کرنا ہے کہ شاہ سکندر جیسا لٹیرا اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

اس کے ہونٹوں پر دکھ بھری مسکراہٹ نے ذرا دیر کو چھب دکھلائی تھی جس سے میمونہ بھابھی نظریں چرا کر بولیں۔

"خیر دفع کرو، میں یہ کہنے آئی تھی کہ تم سیما کے ساتھ اسلام آباد جا رہی ہو۔ صبح آٹھ بجے کی فلائیٹ ہے تیاری کر رکھنا۔"

"یہ اچانک میرے جانے کا۔۔۔" وہ کچھ الجھ کر دیکھنے لگی۔

"ابا جی نے کہا ہے اور میرا خیال ہے، یہی ٹھیک ہے۔ ایک تو تمہاری آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی۔ دوسرے یہاں کے حالات پر قابو پانے میں بھی کچھ آسانی ہو گی۔" میمونہ بھابھی نے کہا تو وہ قدرے تشویش سے پوچھنے لگی۔

"یہاں کے حالات سے کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"عدیل اور خلیل۔ تم جانتی ہو خصوصاً عدیل کو، تمہیں روتے ہوئے دیکھے گا تو جانے جوش جذبات میں کیا کر ڈالے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ابھی سیما کے ساتھ چلی جاؤ کیونکہ اپنے اس دکھ کے ساتھ سمجھوتا کرنے میں تمہیں بھی کچھ وقت لگے گا۔ تم اپنے آنسو چھپا سکتی ہو لیکن تمہاری آنکھوں میں جو وحشت اتر آئی ہے اسے دیکھ کر عدیل کسی طرح بھی شاہ سکندر سے بدلہ لینے سے خود کو نہیں روک سکے گا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟" میمونہ بھابھی نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔

وہ سب سن رہی تھی لیکن حرکت کرنے سے قاصر تھی۔ کوشش کے باوجود ذرا سا اثبات میں سر نہیں ہلا سکی تو میمونہ بھابھی اس کا سرد ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگیں۔

"سنو۔ اپنے آپ کو سنبھالو، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اور اتنے پیار کرنے والوں کے درمیان تم کبھی تنہا نہیں ہو گی۔ یہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو کر قطرہ قطرہ میمونہ بھابھی کے ہاتھوں پر گرنے لگا تھا۔

شاہ سکندر جب حویلی میں داخل ہوا تو تقریباً نصف شب بیت چکی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جانے سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں کھڑا در و دیوار کو خود پر ہنستا دیکھتا رہا پھر بوجھل قدموں سے اوپر اپنے کمرے میں آیا تو مہرالنساء کو بچے کے ساتھ بے خبری کی نیند سوتے دیکھ کر اچانک بپھر کر چیخا۔

"مہرالنساء!"

وہ نیند میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اپنے زور زور سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھنے لگی۔
"وہ نہیں تو تم بھی نہیں نکل جاؤ یہاں سے اسی وقت۔" شاہ سکندر کا اب شاید اسی پر بس چل سکتا تھا۔
"کہاں جاؤں؟" وہ سوئے ہوئے بچے پر نظر ڈال کر پوچھنے لگی۔
"جہنم میں۔" وہ دھاڑا پھر واش روم کا رخ کرتے ہوئے بولا۔ "دو منٹ میں میرا کمرہ خالی کردو اور خبردار آئندہ میری اجازت کے بغیر یہاں آنے کی جرأت نہ کرنا۔"
"چل بھئی آغا! تیرا باپ تو لگتا ہے پاگل ہو گیا ہے۔" مہرالنساء اس کے واش روم میں بند ہوتے ہی فوراً اٹھی اور جلدی جلدی بچے کی فیڈر، تھرماس اور دوسری چیزیں سمیٹ کر باسکٹ میں ڈالیں پھر ایک بازو میں بچے کو اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ حالانکہ وہ اس سے خائف ہونے والی نہیں تھی کیونکہ اسے سب کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن اس وقت شاہ سکندر کی آنکھوں میں جانے کیسی وحشت تھی جس نے حقیقتاً اسے سہما دیا تھا اور اسے لگا کہ اگر اس کی بات سے ذرا بھی اختلاف کیا تو وہ سچ مچ اس کا خون کر دے گا۔
کچھ دیر بعد شاہ سکندر واش روم سے نکلا تو پہلے ادھر ادھر دیکھ کر مہرالنساء کے چلے جانے کا یقین کیا۔ پھر بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے پاس سوچنے کو کچھ نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہو گیا تھا۔ اب جہاں سے چلا تھا واپس اسی مقام پر آ کر اس کے اندر غم، غصہ اور نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اب زندگی اسے گزارے گی کیونکہ ساری امنگیں، آرزوئیں اور زندہ رہنے کی خواہش تو وہ آسیہ کے ساتھ پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب آگے کی زندگی اس کی نہیں ہوگی۔
وہ سگریٹ سلگا کر بالکونی میں نکل آیا۔ تاریک رات میں دور دور تک کہیں کوئی روشنی نہیں تھی نہ کوئی آواز، ہوا بھی ساکت تھی اور اس کے اندر ہولناک سناٹا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل بھی ٹھہر گیا ہو۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے دھڑکنوں کو محسوس کرنا چاہا تھا کہ اچانک اندر شور مچ گیا۔ جس سے گھبرا کر وہ کمرے میں آیا اور تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گیا لیکن مختلف آوازیں تمام رات اسے مسلسل جھنجھوڑتی رہی تھیں۔
صبح جب سارے گھر میں زندگی بیدار ہو گئی تب وہ بہت نڈھال ہو کر سویا تھا اور بس دو گھنٹے اس کے بعد بابا جان نے خود اس کے کمرے میں آ کر اسے اٹھا دیا تھا۔ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت ناراض ہوتا اور ناراض تو ابھی بھی تھا لیکن اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے دیکھنے لگا۔
"رات تم کس وقت آئے؟" بابا جان نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو اس نے فوراً اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں لیکن جواب قدرے تاخیر سے دیا۔
"غالباً بارہ بجے کے بعد۔"
"پھر تو ہم نے تمہیں ناحق اٹھا دیا۔ تمہاری نیند بھی پوری نہیں ہوئی ہوگی۔ سونا چاہو تو۔"
"نہیں اب تو اٹھ گیا ہوں۔ آپ کہیے کوئی کام ہے؟" وہ قصداً سادگی سے پوچھ کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا جس پر کوئی ظلم سرزد ہونے کا کوئی ملال نہیں تھا۔
"کام تو کوئی نہیں ہے۔ بس ابھی مہرالنساء نے بتایا۔ رات تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ہم تمہیں دیکھنے چلے آئے۔" بابا جان نے کہا تو اسے ایک دم یاد آیا کہ رات اس نے مہرالنساء کو کمرے سے نکال دیا تھا۔
"مہرالنساء نے غلط کہا آپ سے۔ میں رات ٹھیک ٹھاک آیا تھا۔ بس کچھ سفر کی تھکان تھی۔"
"وہ تو ابھی بھی نظر آ رہی ہے، کتنے دنوں میں اترے گی؟" بابا جان نے اس کی سرخی مائل آنکھوں میں دیکھ کر ذو معنی جملہ کہا تو وہ بھی سمجھ کر بولا۔
"اس زندگی میں تو ممکن نہیں ہے بابا جان! کیونکہ سفر کٹھن نہیں تھا اس کے برعکس بے حد دلفریب۔ جس کا کیف میری زندگی کی ضمانت ہے۔"

"ہوں۔" بابا جان ہنکار ابھر کر ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے اس بات کو طول نہ دینا چاہتے ہوں۔ تبھی وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب گیا اور پردے سمیٹتے ہوئے کہنے لگا۔

"سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گیا۔ میں آسیہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا ہوں اور یہ امید کرتا ہوں کہ اب بھی آپ اس کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ میرا مطلب ہے اسے اور اس کے گھر والوں کو کوئی نقصان پہنچانے کا خیال تک نہیں آنا چاہیے۔"

"ہمارے پاس ایسی فضول باتیں سوچنے کا وقت نہیں ہے سکندر حیات۔" بابا جان ناگواری سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے بولے تھے۔

"تم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہمارے پاس آنا۔ چوہدری کرم الٰہی کے ڈیرے پر جانا ہے۔ تم ساتھ چلو گے۔"

اس نے پردہ چھوڑ کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر سر جھٹک کر واش روم کا رخ کیا۔ شاور لینے کے بعد وہ کچھ دیر قصداً اپنے کمرے میں رہا۔ اس کے بعد نیچے آیا تو پہلے بی بی جان کے پاس حاضری دی پھر ان ہی کے کہنے پر ناشتے کی ٹیبل پر آ کر بیٹھا اور ابھی ناشتے کے لوازمات پر نظر ڈال رہا تھا کہ مہر النساء بچے کو لے کر آ گئی اور آخری سرے پر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"شاہ! بابا جان کا حکم ہے کہ میرا ناشتا کھانا سب آپ کے ساتھ ہو گا۔" وہ جو اس کی آمد سے بیٹھنے تک بلا ارادہ اسے دیکھنے لگا تھا اس کی بات سن کر یوں بن گیا۔ جیسے کچھ سنا ہی نہیں اور اپنے سامنے پلیٹ میں سلائس پر جام لگا کر کھانے لگا۔

"آپ روزانہ اسی وقت اٹھو گے تو میرا کیا ہو گا۔ میں تو اتنی دیر تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔" مہر النساء اس کے توجہ نہ دینے کے باوجود بولے جا رہی تھی۔

"مجھے تو صبح اٹھنے کے ساتھ ہی کچھ کھانے کو ملنا چاہیے ورنہ مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔ اور ہاں آپ کے کمرے میں میری کچھ چیزیں رہ گئی ہیں اگر اجازت ہو تو لے لوں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو قدرے توقف سے پھر گویا ہوئی۔

"مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی شاہ! کبھی اتنا چیختے ہو، کبھی ایک دم خاموش ہو جاتے ہو۔ اس شہر والی کے ساتھ بھی ایسے ہی کرتے ہو یا اس کے ساتھ۔۔۔" مہر النساء نے فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ کیونکہ وہ ایک دم کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اس شہر والی کے ساتھ اپنا موازنہ کبھی مت کرنا مہر النساء! کیونکہ تم میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم نے اپنی جگہ اس گھر میں بنائی اور اس نے میرے دل میں گھر کیا۔ اور جو دل میں گھر کر جائیں وہ خواہ زندگی سے نکل جائیں ان کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں شاید ہی آئیں۔" وہ تنفر سے اس پر نگاہ ڈال گیا۔ اور مہر النساء اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

--*

سیما بھابھی کے ساتھ اسلام آباد آ جانے سے اسے تو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ کیونکہ دکھ تو وہی تھا جو روح کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی دنیا ویران کر گیا تھا۔ پھر یہ ظاہری تبدیلیاں کیا معنی رکھتی تھیں۔ اب پوری دنیا گھوم کہیں بھی کھڑی ہو جائے اس کے اندر کا موسم نہیں بدل سکتا تھا۔ اور نہ سوچوں کے دھارے کسی اور سمت مڑ سکتے تھے۔ پھر یہاں تو اس کی سوچیں اور بے لگام ہو گئی تھیں۔ کیونکہ وہاں "فوقی" اپنی شوخ باتوں سے اس کا دھیان بٹانے والی میمونہ بھابھی یہاں نہیں تھیں اور سیما بھابھی ان کی طرح نہیں تھیں۔ گو کہ انہوں نے اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیا تھا مگر ہر وقت اس کے ساتھ لگ کر بھی نہیں بیٹھتی تھیں بلکہ جب کام سے فارغ ہوتیں تو کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں اور آخر میں چند جملے اسے سمجھانے اور حوصلہ دینے کے ہوتے۔

جبکہ شکیل بھائی ان دنوں بے حد مصروف تھے۔ صبح کے گئے رات کو لوٹتے اور انہوں نے ابھی تک اس کے ایسے پر اس کے سامنے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ جس سے اسے گمان ہوتا کہ جیسے ان کے علم میں ہی نہیں ہے۔ بہرحال اسے یہی ٹھیک لگ رہا تھا کہ ہر وقت اس کے سامنے اس ذکر کو چھیڑ کر یہ احساس نہیں دلایا جاتا کہ اس کے ساتھ کوئی سانحہ ہوا ہے۔ اور جیسا کہ اس کا دل چاہا تھا کہ کچھ وقت کے لیے اسے تنہا چھوڑ دیا جائے تو یہاں اپنے آپ تنہائی میسر آگئی تھی۔

صبح شکیل بھائی آفس جاتے ہوئے دونوں بچوں اشعر اور سمیہ کو ساتھ لے کر نکلتے اس کے بعد سیما بھابھی بھی بس دس پندرہ منٹ اس کے پاس بیٹھتیں پھر جو وہ ملازمہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں لگتیں تو دوپہر تک انہیں اس کے کمرے میں جھانکنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ اس دوران کبھی ان کی کوئی ملنے والی آجاتی یا اگر انہیں کسی کے ہاں جانا ہوتا تو ہی آتی تھیں۔

پھر دوپہر میں اشعر اور سمیہ کے آنے سے کچھ دیر کو ہلچل مچ جاتی۔ لیکن کھانے کے بعد پھر وہی خاموشی کہ سیما بھابھی کے ساتھ بچے بھی سو جاتے تھے۔ اور اس کا سونا جاگنا بلکہ شاید ہونا نہ ہونا بھی برابر تھا۔ کیونکہ وہ بہت کم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے پورے وجود میں بس ایک ذہن تھا جہاں مسلسل دریچوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔ سارا دن اور کبھی ساری رات ان کھلتے بند ہوتے دریچوں پر نظریں جمائے جمائے اس کی آنکھیں تھک جاتیں پھر بھی وہ ان میں دیکھتے رہنے سے باز نہیں رہتی تھی۔ کیسی دلفریب حقیقتیں تھیں جن پر خواب کا گماں ہونے لگا تھا۔

"مجھے یقین دلاؤ آس! کہ تم میری ہو چکی ہو اور اگر یہ خواب ہے تو مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔" وہ اسے پا کر سچ مچ حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

"دنیا میں کہیں اتنی خوبصورتی نہیں تھی اور آج مجھے ہر شے حسین لگ رہی ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی سمت اٹھنے سے پہلے نظر تمہارے چہرے پر پڑتی ہے۔" اس کے لہجے کی شدتوں نے اس وقت بھی پلکیں نم کی تھیں۔

"تمہاری آنکھوں کی گہرائیوں میں اتر کر میں نے جانا کہ سمندر میں کتنے سیپ چھپے ہیں۔"

"سکندر حیات۔" اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔

"تمہیں جانا ہی تھا تو اتنی محبتیں جتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ ایسا کرتے کہ میں تمہارے سحر سے آزاد ہو جاتی۔ اب دل کو کیسے سمجھاؤں کہ وہ سب فریب تھا۔ تم نے کبھی محبت کی ہی نہیں تھی۔ جب ہی تو میرے دل کی بستی اجاڑ کر۔"

"آسیہ!" شکیل بھائی کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے اور اٹھنے لگی تھی کہ وہ کمرے کے اندر آتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی جو جانے کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے تھے یا یونہی، پھر بیڈ پر اس کے سامنے آرام سے بیٹھتے ہوئے بولے۔

"تمہارے ساتھ چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا۔"

"میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی کہ روک کر بولے۔

"نہیں نہیں۔ تم آرام سے بیٹھو۔ میں سیما سے کہہ کر آیا ہوں۔ وہ لا رہی ہیں۔" وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"یہ سارا مہینہ بہت مصروفیت میں گزرا۔" قدرے توقف سے شکیل بھائی اسے مخاطب کیے بغیر اپنے آپ کہنے لگے۔

"دھنک سے تمہارا حال احوال پوچھنے کا وقت بھی نہیں ملا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے ناں؟"

"جی۔"

"بیٹا! خوش رہا کرو۔ زندگی میں کرائسس آتے ہیں۔ ان پر رونے کڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے کیونکہ تم خود بہت ذہین ہو۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا کو کرائے بھول جانا ممکن نہیں ہے، لیکن یہ تو کر سکتی ہو کہ اسے خود پر طاری مت کرو اور یہ سوچ لو کہ اس میں تمہاری بہتری ہوگی۔" شکیل بھائی نے بہت نرمی سے بات شروع کی تھی کہ سیما بھابھی چائے لے کر آگئیں۔

"بیٹھو سیما! تم بھی بیٹھو میں آسیہ سے بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا پھر کچھ دیر خاموشی سے چائے پینے کے بعد کہنے لگے۔

"جو کچھ ہو گیا، میں اس پر بات نہیں کروں گا کیونکہ مجھے پلٹ کر دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔ اتنا تو تم جانتی ہو گی آسیہ! آخر میری بہن ہو۔"

اس نے چائے کی پیالی میں سے اٹھتی بھاپ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا اور بس ذرا سا مسکرائی تھی۔

"اور میں تمہارے گزرے کل کے بارے میں بھی سوچنا نہیں چاہتا۔ البتہ آنے والے کل کو ضرور سوچوں گا اور تمہیں بھی اسی کی فکر کرنی ہے۔ کیا عمر ہے تمہاری۔ بائیس تیئیس سال، اور آگے پہاڑ سی زندگی ہے۔ جس میں سے ایک سال بھی میں تمہیں شاہ سکندر کے نام پر گنوانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ اتنے سارے دن میں نے قصداً تمہیں نہیں چھیڑا کہ اپنے المیے پر تم جتنا رو سکتی ہو رو لو۔ آج کے بعد تمہاری آنکھوں میں ایک آنسو بھی اس شخص کے نام کا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ مرا نہیں ہے۔" شکیل بھائی کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سخت تنبیہہ تھی۔

اس کے ساتھ سیما بھابھی بھی کانپ گئی تھیں۔

"تمہیں میں نے اسی لیے اپنے پاس بلا لیا ہے کہ وہاں اماں جی ہر وقت رونا دھونا مچا کر یہ احساس دلاتیں کہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا، قسمت خراب ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔ اس لیے ابھی یہاں سے جانے کا سوچنا بھی نہیں۔ چاہو تو یہیں کسی ہاسپٹل میں جاب کر لو بلکہ ابھی کچھ عرصہ آرام کرو۔" انہیں اچانک خیال آیا تھا جو آرام کا کہہ کر غالباً اس کی ڈلیوری تک ٹال دیا۔ تو سیما بھابھی اسے دیکھ کر بولیں۔

"ہاں ابھی تو یہ خود مریض لگ رہی ہے۔"

"پھر بھی تم اس کا خیال نہیں کر رہیں۔ کتنے دن ہو گئے اسے یہاں آئے ہوئے، ایک بار بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں لے گئیں۔ صبح پہلا کام یہی کرنا۔ ڈاکٹر جہاں آرا کا کلینک قریب ہی ہے۔" انہوں نے بیوی کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

"جناب میں کئی بار اس سے کہہ چکی ہوں۔ یہ صاف منع کر دیتی ہے۔"

"اب منع نہیں کرے گی۔" شکیل بھائی کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر گھڑی دیکھ کر بولے۔

"صبح میں چھٹی کروں گا۔ مجھے جلدی مت اٹھانا۔"

"خیریت؟" سیما بھابھی نے خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے پوچھا لیکن وہ ان سنی کرتے کمرے سے نکل گئے۔

"آپ بھی سونے جا رہی ہیں؟" اس نے سیما بھابھی سے یونہی پوچھ لیا۔

"کہو تو نہیں سوتی۔"

"نہیں نہیں، آپ سوئیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی تو سیما بھابھی جاتے جاتے رک کر بولیں۔

"سنو، تمہارے بھائی جان نے جو کہا۔ ٹھیک کہا تمہیں ان کی باتوں پر عمل کرنا ہے۔ اور ہاں ایک بات اور۔" سیما بھابھی کو جانے کیا یاد آیا، ہاتھوں میں پکڑی ٹرے دوبارہ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب چلی آئیں اور اس کا ہاتھ

پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہنے لگیں۔
"دیکھو میں جو بات کہنے جا رہی ہوں، وہ ہو سکتا ہے تمہیں ناگوار گزرے لیکن میرے خلوص پہ شبہ نہیں کرنا۔
میں بخدا تمہاری بہتری سوچ کر کہہ رہی ہوں کہ شاہ سکندر کی اس نشانی کو مٹا ڈالو۔"
"بھابھی۔" اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر انتہائی تاسف سے انہیں دیکھا تو وہ اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔
"میرا یہی مشورہ ہے۔ آگے تمہاری مرضی، لیکن سوچنا ضرور کہ آئندہ زندگی میں اس آنے والے بچے کا کیا کردار ہوگا۔ نبیل کا حال تم نے دیکھا ہے۔ ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے بھی بچہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ خصوصاً" ماں باپ کی علیحدگی سے۔ پھر تم اپنے بارے میں سوچو، ابھی تم کہہ سکتی ہو کہ تمہاری زندگی میں اب کوئی موڑ نہیں آئے گا لیکن دو تین سال گزرنے دو۔ تم خود اپنی بات پہ قائم نہیں رہ سکو گی اور اس وقت یہی بچہ تمہارے لیے سب سے بڑی پرابلم ہوگا۔ تمہارے دروازے پہ خوشیاں دستک دیں گی اور تم بچے کو دیکھو گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم ابھی۔" اپنے ہاتھوں پر اس کے آنسو گرتے دیکھ کر سیما بھابھی خاموش ہو گئیں پھر گہری سانس کھینچ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔
"یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب تو نہیں تھا۔ لیکن آنے والے وجود کے لیے مجھے تمہارے سامنے کچھ حقائق رکھنے پڑے اور ان سے نظریں چرانے کی حماقت مت کرنا، پھر شاہ سکندر ہی جب تمہارے ساتھ فیئر نہیں تھا تو اس کی نشانی کو گلے لگا کر کیا کرو گی؟" سیما بھابھی نے رک کر اسے دیکھا اور اپنی بات کا کوئی ردعمل ظاہر نہ ہونے پر شب بخیر کہتی ہوئی ٹرے اٹھا کر چلی گئیں۔
اس کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔ کتنی دیر وہ اسی جگہ بیٹھی اپنی ہتھیلیاں تر کرتی رہی جبکہ اس کا ذہن کسی ایک بات کو بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔
اور اگلے روز ڈاکٹر کے پاس جاتے ہوئے سیما بھابھی نے راستے میں اس سے پوچھ لیا تھا کہ اس نے بچے کے بارے میں کیا سوچا ہے تو وہ رسان سے بولی تھی۔
"میں اس بچے کا خون نہیں کر سکتی بھابھی! جس کا خیال ہی مجھے زندہ رہنے پر اکساتا ہے۔ میری زندگی اسی کی مرہون منت ہے۔ اگر میں نے اپنے وجود کے اندر اسے محسوس نہ کیا ہوتا تو خدا کی قسم اسی روز مر گئی ہوتی جس روز سکندر کے باپ نے گالی دے کر میری عزت و وقار کی دھجیاں اڑائی تھیں۔
اور آپ تو خود ماں ہیں بھابھی! آپ نے ایسی بات کیوں کی۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ میری تاریک راہوں میں روشنی کی ایک کرن ہے، جس کے لیے مجھے سارے دکھ بھلا کر نئی زندگی جینا ہے۔"
"تو طے ہو گیا، تمہیں نئی زندگی جینا ہے۔" سیما بھابھی نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔
"ہاں اور اس نئی زندگی میں میرے ساتھ میرا بچہ ہوگا۔ میں نے شکیل بھائی کی بات مان لی ہے۔ میں اب کبھی پلٹ کر نہیں دیکھوں گی۔ خود روؤں گی نہ اپنے ساتھ کسی اور کو رلاؤں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" وہ بڑے عزم سے بول رہی تھی۔ سیما بھابھی کچھ حیران ہو کر اسے دیکھے گئیں۔ ایک ہی رات میں وہ کتنی بدل گئی تھی۔

*_*_*

وہ سیما بھابھی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں حصہ لینے لگی تھی اور اشعر، سمیہ کے لیے بھی وہ ان کی پہلے والی پھپھو بن گئی تھی۔ انہیں ہوم ورک کرواتی پھر چھوٹے موٹے گیمز اور رات میں سمیہ کو اپنے ساتھ سلا کر اسے پریوں کی کہانیاں سناتی۔ یوں بہت حد تک اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ اور جو وقت تنہائی کا ہوتا اس میں وہ اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچتی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ گزرے کل سے اس کا بالکل ناتا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ تو اس کی زندگی کی ایسی سچائی تھی، جس کا اس کے خیال میں گزرتا وقت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ بس وہ خود ہی پلٹ کر

دیکھنے سے گھبراتی تھی کہ کہیں پتھر کی نہ ہو جائے۔

بہرحال اسے اسلام آباد آئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ اس دوران کراچی سے جب بھی فون آیا۔ شکیل بھائی اور سیما بھابھی نے اس کے کہنے پر بھی اسے کسی سے بات نہیں کرنے دی تھی۔ خود ہی اس کی خیریت بتانے کے ساتھ اس کی طرف سے پورا اطمینان دلا دیتے تھے۔ یہ احتیاط انہوں نے صرف اس لیے کی تھی کہ کہیں اماں جی یا ابا جی اس کے زخموں کو نہ چھیڑ جائیں۔ جنہیں بھرنے میں وقت سے زیادہ ان کی کوششوں کا دخل تھا۔ اسی کی خاطر دونوں میاں بیوی نے اپنی وہ تمام سرگرمیاں ترک کر دی تھیں جن میں وہ شامل نہیں ہو سکتی تھی اور زیادہ وقت اس کے ساتھ یوں گزارتے کہ اسے یہ احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ کوئی اپنا کام چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھا ہے۔ اس کے باوجود اب اسے اماں جی اور ابا جی کی یاد آنے لگی تھی۔ جن سے وہ کبھی اتنے دن دور نہیں رہی تھی۔ اس شام وہ شکیل بھائی کے پاس بیٹھ کر بہت عاجزی سے بولی تھی۔

"بھائی! میں اماں جی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ وہ مجھے بہت یاد آ رہی ہیں اور ابا جی بھی۔"

"یاد آ رہے ہیں بیٹا تو فون کر لو، جانا ضروری ہے کیا؟" انہوں نے بڑے آرام سے مشورہ دے کر پوچھا۔

"اگر آپ ضروری نہیں سمجھتے تو ٹھیک ہے۔ فون کر لیتی ہوں۔" اس نے کچھ اتنی مایوسی سے کہا کہ شکیل بھائی کو اس پر رحم آ گیا۔

"میں منع نہیں کر رہا بیٹا! اصل میں میرا ارادہ اماں جی اور ابا جی کو کچھ دنوں کے لیے یہاں بلانے کا ہے۔ تم چلی جاؤ گی تو پھر وہ آنے کے لیے مشکل ہی سے تیار ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے فوراً کہا تو شکیل بھائی اسے دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

"تم اپنے جانے کی بات کیوں کرتی ہو۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر۔ پھر کیوں جانا چاہتی ہو؟" وہ جانے کیا جاننا چاہتے تھے۔

"آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس رہوں؟" اس نے ہمت کر کے ان سے سبب پوچھا تو وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ انداز ایسا تھا جیسے اس کے ذہن تک رسائی حاصل کر رہے ہوں پھر قدرے مطمئن ہو کر بولے۔

"اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جو میں ابھی بتانا نہیں چاہتا۔ بس اتنا سن لو کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اماں جی اور ابا جی آ جائیں تو میں ان سے بھی یہی کہوں گا کہ تمہیں یہیں رہنے دیں۔ اور بیٹا یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے۔ وہاں خلیل بھائی اور عدیل ہیں تو یہاں میں ہوں، یا تمہیں ان بھائیوں سے زیادہ محبت ہے؟" آخر میں ان کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

پھر تیسرے دن ہی اماں جی اور ابا جی آ گئے تو ایک تو وہ پہلے ہی کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ ان کے سامنے خود کو مطمئن اور پرسکون ظاہر کیا۔ اس کے باوجود اماں جی اسے دیکھتے ہی رونے لگی تھیں۔ جس پر شکیل بھائی خاصے انجان بن کر اس سے پوچھنے لگے۔

"آسیہ! یہ اماں جی کو کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہیں؟"

"پتا نہیں بھائی۔" وہ سٹپٹا گئی۔ "میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔"

"اماں جی! آسیہ بہت خوش ہے۔ آپ اس طرح نہیں کریں، ورنہ میں اسے یہاں سے بھی دور بھیج دوں گا۔" شکیل بھائی نے قدرے خفگی سے کہا تو اماں جی اپنے آنسو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں جائے گی یہ، میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

شکیل بھائی نے اس وقت کوئی تکرار نہیں کی اور اٹھ کر چلے گئے۔ تب وہ اماں جی کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

"آپ روئیں نہیں اماں جی! میں آپ کے ساتھ چلوں گی لیکن ابھی آپ شکیل بھائی کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کریں وہ ناراض ہوتے ہیں اور ٹھیک ہی ناراض ہوتے ہیں' جب اللہ نے آپ کو ان جیسے لائق و فرمانبردار بیٹوں سے نوازا ہے تو پھر آپ کو رونے اور فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں یہی بات تکلیف دیتی ہوگی کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ پریشان ہوتی ہیں۔"

"آسیہ ٹھیک کہہ رہی ہے اماں جی۔" ہیما بھابھی اس کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"روتے وہ ہیں جنہیں آگے اندھیرا نظر آتا ہے۔ آپ کو اللہ نے ماشاء اللہ بہت نوازا ہوا ہے۔ آپ کو آسیہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بھائی کبھی اس سے غافل نہیں ہوں گے۔"

"میں جانتی ہوں' بھائی اس کا بہت خیال رکھنے والے ہیں لیکن ـــــ" اماں جی جانے کیا کہنے جا رہی تھیں کہ اسے دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئیں اور اس نے اپنے آپ سوچ لیا تھا۔

"لیکن وہ مان نہیں دے سکتے جو ایک عورت کو اپنے گھر اپنے شوہر پر ہوتا ہے۔"

یوں کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ابا جی کچھ دن بعد ہی واپس چلے گئے تھے اور اماں جی اس کے لیے وہیں رک گئیں کیونکہ شکیل بھائی کسی طرح اسے کراچی بھیجنے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے اس کے لیے کیا سوچ لیا تھا اور جانے اماں جی سے کیا کہا کہ اب وہ بھی یہی کہتی تھیں کہ اسے یہیں رہنا چاہیے۔ اور اس نے ابھی تک کسی سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ سب سن کر خاموش رہتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ اپنے بارے میں بہت کچھ سوچتی رہتی تھی اور خاموش یوں تھی کہ ابھی اپنی کسی سوچ پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ کیونکہ اس کی ڈلیوری قریب تھی۔ اور ان دنوں وہ اپنے آپ کو چھپائے پھرتی تھی۔ خصوصاً شکیل بھائی کے سامنے جانے سے بہت کتراتی' اس لیے ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ورنہ اس کے اندر خاصی بے چینی تھی۔ یعنی جاننا چاہتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں جو اس کے کراچی جانے کا سنتے ہی سختی سے منع کر دیتے ہیں۔ کئی بار اس نے اماں جی سے پوچھا لیکن ان کے جواب اسے مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ جس سے وہ سمجھ گئی کہ انہیں بھی اصل بات معلوم نہیں ہے۔ بہر حال اب زیادہ دن نہیں تھے اس نے سوچ لیا' ڈلیوری کے بعد وہ خود شکیل بھائی سے بات کرے گی۔

--*

شاہ سکندر نے جس زندگی سے فرار کی خاطر گھر بار چھوڑا تھا۔ شاید وہی اس کا مقدر تھی۔ اور اس بات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اگر اسے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ اس لڑکی کو اجاڑ آیا تھا۔ جس نے اپنے دل کی بستی کی حکمرانی اور نگہبانی اسے سونپی تھی۔ اس کے لیے وہ خواب و خیال نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی سنگت میں گزرا ایک ایک لمحہ اس کے دل پر رقم تھا۔ اور اس نے اپنے جینے کے لیے یہی سزا تجویز کی تھی کہ باقی ماندہ حیات انہی لمحات کے سہارے تمام کرے گا' لیکن یہاں مہرالنساء تھی۔ جس روز اسے معلوم ہوا کہ وہ دوسری عورت شاہ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکال دی گئی ہے تو نہ صرف وہ مطمئن ہو گئی بلکہ اس خیال سے کہ اب شاہ صرف اس کا ہے اس کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔

پہلے وہ اس کی ہر بات پر تلملا کر جھٹ دوسری عورت کا طعنہ دیتی اور کسی طرح اپنے تنفر کو چھپا نہیں سکتی تھی۔ لیکن اب وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ شروع کے دو مہینے اس نے شاہ سکندر کو بظاہر اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے روز و شب سے غافل نہیں رہی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی کہ وہ شکست خوردہ ہے اور کسی بھی وقت ٹوٹ کر

اس کی بانہوں میں آگرے گا۔ اس وقت اسے سہارا دے کر وہ اگر اسے اپنا نہ بنا سکی تب بھی اس کی تو ہی بجلے
گی۔ یعنی اس کی وہی سوچ تھی۔ جیتوں تو تجھے پاؤں ہاروں تو پیا تیری۔
پھر بڑی بھابھی نے اسے سمجھایا تھا کہ مرد زیادہ عرصہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے بھی وہ زیادہ ہوشیار
ہو گئی تھی کہ کہیں وہ کسی اور راستے پر نہ چل نکلے۔ کہ ایک عورت کے چنگل سے نکالنا تو بابا جان کے لیے ممکن
ہو سکتا تھا لیکن غلط راستے پر نکلے ہوئے قدموں میں وہ بھی زنجیریں نہیں ڈال سکتے تھے۔ جب ہی شاہ سکندر کو اس
کے حال پر چھوڑنے کے باوجود وہ اس کے روز و شب پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔
گو کہ شاہ سکندر نے آتے ہی اسے اپنے کمرے سے بے دخل کر دیا تھا پھر بھی رات میں جب عموماً وہ جا چکی
کسی نہ کسی بہانے اس کے کمرے کے چکر لگاتی رہتی تھی۔ کبھی اس کے پریس کیے ہوئے کپڑے الماری میں
رکھنے کے بہانے، کبھی بیڈ کی چادر تبدیل کرنا۔ کسی وقت بچے کو اس کے دروازے پر چھوڑ کر پھر اسے اٹھانے کے
بہانے آجانا اور آخر میں دودھ کا گلاس رکھنا تو بہت ضروری تھا۔
اس وقت وہ بچے کو اس کے پاس بھیج کر خود شہربانو کے پاس آبیٹھی تھی۔ جس کی دو ماہ کی بچی جانے کس تکلیف
کے باعث رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔
"لاؤ مجھے دو۔" اس نے شہربانو کی گود سے بچی اپنی گود میں لے لی اور ادھر ادھر سے چیک کرنے کے بعد کہنے
لگی۔

"اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ جیراں سے کہو جلدی سے تیل گرم کر کے لائے۔"
شہربانو فوراً اٹھ کر چلی گئی اور جیراں سے کہہ کر فوراً واپس بھی آگئی تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔
"ہیٹر کہاں گیا اس کمرے کا؟ اتنی سردی میں تم نے بچی کو بغیر ہیٹر کے سلایا ہوا ہے۔"
"خراب ہو گیا تھا۔ میں نے غلام علی سے کہا بھی کہ آج ہی آج ٹھیک کرا کے لانا لیکن۔" شہربانو دوبارہ اپنی
جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"غلام علی تو بس۔" مہرالنساء نے سر جھٹکا پھر جیراں کے آنے پر بچی اس کی گود میں دے کر بولی۔ "اس کے جسم
پر اچھی طرح مالش کر کے لپیٹ دو۔ ٹھنڈ لگ گئی ہے اسے۔"
شہربانو کچھ دیر جیراں کو بچی کی مالش کرتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔
"تمہارا آغا کہاں ہے؟"
"اپنے باپ کے پاس۔" مہرالنساء اپنے اوپر لحاف کھینچتے ہوئے بولی۔ "اب تو شاہ خود بھی اسے بلانے لگے
ہیں۔"
"اور تمہیں؟" شہربانو نے شوخ و معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تو وہ ہنس کر بولی۔
"میری ایسی قسمت کہاں، مجھے تو دیکھتے ہی منہ موڑ لیتے ہیں۔"
"ارے ایسے ہی تمہیں ستانے کو کرتے ہوں گے ورنہ تم سے منہ موڑا جا سکتا ہے بھلا۔ تمہاری موہنی
صورت ہی تو انہیں کھینچ لائی ہے۔" شہربانو نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔
"اچھا۔" وہ ذرا سا ہنسی پھر بچی کو دیکھ کر کہنے لگی۔
"تمہاری بیٹی اب سکون سے سو گئی ہے۔ اسے کمبل کے اوپر لحاف بھی اوڑھا دینا۔ میں صبح غلام علی کی خبر لوں
گی۔ کوئی کام کر کے نہیں دیتا۔"
"حالانکہ میں نے اسے بہت تاکید کی تھی لیکن شاید وہ بابا جان کے کسی کام سے چلا گیا تھا۔"
"یہ کام زیادہ ضروری تھا۔ وہ خود نہیں جا سکتا تھا تو کسی اور سے کہہ دیتا۔" مہرالنساء کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اچھا میں چلتی ہوں۔ آغا کو دیکھوں سویا کہ نہیں۔ بہت شرارتی ہو گیا ہے۔"

"بیٹا کس کا ہے۔" شہر بانو نے کہا تو وہ گردن اکڑا کر بولی۔
"میرا۔" پھر ہنستی ہوئی اس کے کمرے سے نکل کر اوپر آئی تو شاہ سکندر کے سامنے رک کر کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ بچہ سو چکا ہے اور شاہ سکندر کے بارے میں اس نے کوئی قیاس نہیں کیا۔ بہت آہستہ سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے پورے وجود کو ہلا دیا۔
"اف۔ پورا کمرہ ٹھنڈا ہو رہا تھا' گرم شال کے اندر ٹھٹھرتے ہوئے اس نے دیکھا شاہ سکندر ساری کھڑکیاں کھولے کھڑا تھا اور اس کے بدن پر صرف سلیپنگ سوٹ تھا جبکہ گاؤن صوفے پر رکھا تھا۔ اس نے گرم لحاف میں سوئے بچے پر نظر ڈالی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی شاہ سکندر کے قریب جا کھڑی ہوئی اور آسمان کے سینے پر جگمگاتے ستاروں کو دیکھ کر کہنے لگی۔
"ان ستاروں سے اپنا احوال نہیں کہنا شاہ سکندر! کیونکہ یہ میرے ہمنوا ہیں۔"
شاہ سکندر اس کی آمد سے بے خبر تھا۔ آواز پر چونک کر دیکھنے لگا۔ سیاہ شال میں لپٹی وہ جیسے ابھی ابھی ستاروں کے جھرمٹ سے نکل کر آئی ہو۔ اس کا ملکوتی حسن ہمیشہ سے مدہوش کر دینے والا تھا اور شاہ سکندر مدہوشی میں اسے دیکھ رہا تھا۔
"آپ کو آئے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے ان ستاروں سے پوچھو' کس نے اپنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں' کبھی یہاں اس دریچے میں کھڑے ہو کر' کبھی وہاں کروٹیں بدل بدل کر' یہ میرے رت جگوں کے گواہ ہیں۔ ان سے اپنا احوال کہیں گے تو یہ آپ پر ہنسیں گے اور مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے آپ بول رہی تھی پھر ایک کے بعد ایک ساری کھڑکیاں بند کر کے پلٹی تھی کہ شاہ سکندر نے اسے بازوؤں میں دبوچ لیا۔
"مجھے تم سے نفرت ہے مہو! میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ ساری دنیا سے نفرت کرتا ہوں' اپنے آپ سے بھی۔" بولتے ہوئے اس کی سانسوں سے اٹھتی ناگوار مہک سے مہر النساء کو چکر سا آگیا۔ پورا زور لگا کر اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ نفرت کے اظہار کے ساتھ اس پر حاوی ہو رہا تھا۔
اور مہر النساء جانتی تھی وہ شکست خوردہ ہے۔ کسی بھی وقت ٹوٹ کر اس کی بانہوں میں آگرے گا اور شاید وہ وقت آگیا تھا۔

*_*_*

کچھ دیر پہلے کی ساری اذیتیں بھلا کر اس نے ڈاکٹر کو دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
"ٹوئن بے بیز۔" (جڑواں بیٹیاں)
"اوہ۔" وہ اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ سکی کہ آیا وہ خوش ہے یا ناخوش' اور کسی احساس کو پانے کے لیے اس نے گردن موڑ کر بچیوں کو دیکھا تھا کہ کسی آواز کی بازگشت سماعتوں پہ دستک دینے لگی۔
"مجھے بیٹی کی خواہش ہے۔"
"کیوں؟"
"میری خواہش میں ایک غرض پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ بابا جان میری شادی سے کتنے ناراض تھے جب بیٹی کا سنیں گے تو بھاگے آئیں گے' ہمیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کریں گے کیونکہ ہمارے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔" شاہ سکندر کی وضاحت نے اس وقت بھی اسے کوئی خوشی نہیں دی تھی اور اب تو وہ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔
"تمہیں بیٹی کی خواہش تھی' اللہ نے ایک ساتھ دو دے دیں۔" سیما بھابھی کی آواز پر اس نے فوراً نہیں

دیکھنے کے بجائے پلکیں موند لیں۔ مبادا وہ اس کی آنکھوں میں گھسے دونوں کا کوئی عکس دیکھ لیں۔

"آسیہ!" سیما بھابھی نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں؟" وہ کوشش سے مسکرائی تھی۔

"شکر ہے سب نارمل ہو گیا۔ بہت مبارک ہو۔ ماشاءاللہ گڑیا جیسی بیٹیاں ہیں۔ میں اماں جی کو بتاتی ہوں وہ پریشان بیٹھی ہیں۔" سیما بھابھی اس کا گال تھپکتی لیبر روم سے نکل گئیں تو وہ پھر بچیوں کو دیکھنے لگی جنہیں نرس نہلانے کے ساتھ جانے کون سی زبان میں کیا کیا بولے جا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں رہی تھی پھر بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"آج کل کے زمانے میں بے بی اچھا ہے۔" سسٹر اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر کہنے لگی۔ "بہت سکھ دیتا ہے اور بابا لوگ خالی پریشان کرتا ہے۔ ساری زندگی مرد اس کے لیے دکھ جھیلتا پر اس کو احساس نہیں ہوتا۔ بے بی لوگ بہت احساس کرتا اور پیار بھی بہت کرتا۔ لو تمہارا بے بیز تیار ہو گیا۔ ان کا فادر کدھر ہے؟" آخر میں سوال غیر متوقع تو نہیں تھا لیکن اچانک تھا۔ جب ہی اسے جواب دینے میں کچھ وقت لگا۔

"وہ باہر ہوتے ہیں۔"

"پھر تو تمہارا انعام گیا۔ اتنا پیارا ٹوئن بے بیز کا خوشخبری سنا کر ہم تمہارے ہسبنڈ سے بہت انعام لیتا۔"

"وہ تم مجھ سے لے لینا، بس تم مجھے کمرے میں تو پہنچاؤ۔" اس نے کہا تب ہی سیما بھابھی آگئیں ان کے پیچھے جہاں آرا تھیں اور ان کے کہنے پر سسٹر اسے اسٹریچر پر ڈال کر کمرے میں لے آئی۔

وہ بیڈ پر لیٹی تب اماں جی کو دیکھنے لگی جو کونے میں جاء نماز پر بیٹھی تھیں اور جب فارغ ہو گئیں تب اٹھ کر اس کے پاس آئیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پہلے پھونک ماری پھر کہنے لگیں۔

"تمہاری پیدائش پر میں بہت خوش ہوئی تھی اور ہمیشہ یہ دعا کرتی تھی کہ اللہ میری بچی کو بہت نیک اور سعادت مند بنانا۔ تم واقعی نیک اور سعادت مند ہو۔ مجھے کبھی تم سے کوئی شکایت نہیں ہوئی نہ تمہاری کسی بات سے کبھی میرا دل دکھا بلکہ تمہاری ذات سے میں نے بہت سکھ پائے ہیں، اس کے باوجود میں تمہاری بچیوں کے لیے ایسی دعا نہیں مانگوں گی کیونکہ نیکی اور سعادت مندی میں صرف تمہارے لیے سکھ ہے۔ انہیں کیا ملے گا۔"

اسے اپنے وجود پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ جانے اماں جی کیا کہنے جا رہی تھیں۔

"دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ضرور قبول ہوتی ہیں۔" قدرے توقف سے اماں جی پھر گویا ہوئیں۔

"کل تک میں اپنی دعاؤں کی قبولیت پر بہت خوش ہوتی تھی کہ تمہارے لیے میں نے جو مانگا وہ پورا ہوا مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ پورا تو بے شک ہوا لیکن اس میں تمہارے لیے کیا تھا۔ سارے سکھ تو میرے حصے میں آگئے۔ تم تو۔۔۔" اماں جی کی آواز حلق میں کہیں اٹک گئی۔

"اماں جی۔" سیما بھابھی جانے کب ان کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔ دھیرے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"آسیہ کو آرام کرنے دیں۔"

"تمہاری بیٹیوں کے لیے پتا ہے میں نے کیا مانگا ہے؟" اماں جی سیما بھابھی کو رکنے کا اشارہ کر کے کہنے لگیں۔

"اللہ ان کے نیک نصیب کرے۔ ساری زندگی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولیں۔"

"آمین۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"بے بیز آگئیں۔" سسٹر دونوں بازوؤں میں بچیاں دبائے اندر آتے ہوئے بولی۔

"ان کا دادی کہاں ہے؟ ہم بے بیز اس کو دے گا اور اپنا انعام لے گا۔"

"یہ ان کی نانی اماں ہیں۔" سیما بھابھی فوراً "اماں جی کی طرف اشارا کرتی ہوئی بولیں۔
"بے بیزان کی گود میں دو اور انعام مجھ سے لو۔"
"بسم اللہ۔" اماں جی فوراً "دوسرے بیڈ پر جا بیٹھیں اور دونوں بیٹیوں کو گود میں بھر کر بہت شوق سے باری باری دونوں کو دیکھنے لگی تھیں۔
"کوئی فرق نہیں ہے اماں جی! بالکل ایک شکل ہے۔ سیما بھابھی! سسٹر کو فارغ کرنے کے بعد اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔
"ذرا سا رنگ میں ہی فرق ہوتا وہ بھی نہیں ہے۔ آسیہ تک پہچاننے میں غلطی کرے گی۔ ہے ناں۔"
"ہاں ابھی تو ایک جیسی لگ رہی ہیں' بڑی ہوں گی تو شاید ایک ماں پر اور دوسری۔" اماں جی ایک دم خاموش ہو گئیں تو سیما بھابھی بات بدلتے ہوئے کہنے لگیں۔
"آسیہ کو بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ میں نے شکیل کو فون کر دیا ہے' وہ اشعر اور سمیہ کو اسکول سے لیتے ہوئے ادھر ہی آ رہے ہیں۔ ان سے میں نے سوپ اور بسکٹ وغیرہ لانے کو کہا ہے باقی پھر میں ابھی ان کے ساتھ گھر جاؤں گی تو انتظام کر دوں گی۔"
"کتنے دن رہے گی آسیہ یہاں؟" اماں جی نے پوچھا۔
"ڈاکٹر چھ دن کہہ رہی ہیں' خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ گھر قریب ہے' میں پیدل آ جا سکتی ہوں۔ میرا خیال ہے بچے آ گئے۔" سیما بھابھی کو ریڈور میں اشعر کی جھلک دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں پھر دروازے تک جا کر اشعر کو پکارا تو فوراً "ہی اشعر اور سمیہ بھاگتے ہوئے آ گئے۔
"آرام سے آرام سے' شور بالکل نہیں۔" سیما بھابھی نے پلٹ کر انہیں تنبیہہ کی پھر شوہر کے ساتھ اندر آئی تھیں۔
شکیل بھائی نے بیٹھتے ہی پہلے اس کا حال احوال پوچھا پھر بچیوں کو دیکھتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خاصے محظوظ انداز میں گویا ہوئے۔
"مجھے تو کل کی بات لگتی ہے۔ آسیہ اتنی سی تھی۔"
"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں بھائی! جیسے مجھ سے بہت بڑے ہوں۔" کتنی دیر بعد اس کی خاموشی ٹوٹی تھی۔
"بڑا تو ہوں ناں اور مجھے یاد ہے' میں تمہیں ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے اب میرا بیٹا دیکھ رہا ہے۔" انہوں نے ننھی گڑیا پر جھکے اشعر کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"پاپا! اسے ہم گھر لے جائیں گے۔" سمیہ کی خوشی دیدنی تھی۔
"ہاں بیٹا۔ دونوں کو لے جائیں گے' ایک آپ کے لیے۔"
"ایک میری۔" اشعر بول پڑا تو سیما بھابھی ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔
"چلو دو کا پہلا فائدہ تو ابھی سامنے آ گیا' ورنہ اشعر اور سمیہ میں ابھی لڑائی شروع ہو جاتی۔"
وہ پھر خاموش سی ہو کر ایک ایک کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ سب خوش تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں کی پیدائش پر خوش ہوتی تھی۔ پھر بھی اسے اپنے اندر گہری خامشیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ دل چاہا ہر طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لے۔ نہ شوخ کھلکھلاتی ہنسی کی آواز سنائی دے' نہ کھلتے چہرے نظر کے سامنے ہوں۔
"آسیہ!" سیما بھابھی اچانک اسے پکار کر بولیں۔
"میری بیٹی کا نام تم نے تجویز کیا تھا' تمہاری ایک بیٹی کا نام میں تجویز کروں؟"
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو سیما بھابھی نے پہلے اپنے بالوں سے پن نکال کر سمیہ کی آنکھوں سے ذرا سا

کاجل چرایا اور اس نے ایک بچی کے گال پر ہونٹوں کے قریب مل ستاتی ہوئی بولیں۔

"اس کا نام صباحت ہے۔"

"صباحت۔" شکیل بھائی نے دہرایا پھر آسیہ کو دیکھ کر بولے۔

"دوسرا نام تم بتاؤ۔"

"مدحیہ۔" وہ بے اختیار بولی تھی اور یکلخت ہی اندر کی خاموشیوں میں محشر بپا ہوا تھا کہ اس نے گھبرا کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"چلو بھئی۔ آسیہ کو سونے دو" اماں جی! میں بچیوں کو کھانا کھلا کر پھر آپ کے لیے لے آؤں گی جب تک آپ بسکٹ وغیرہ لیں۔ چلیں شکیل۔" سیما بھابی بھی یہی سمجھیں وہ سونا چاہتی ہے جب ہی فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان سب کے جاتے ہی ایکدم خاموشی چھا گئی تھی، لیکن اب اس کے اندر بڑا شور تھا۔ اماں جی نے زبردستی اسے بسکٹ کھلا کر سوپ پلایا اس کے بعد سونے کا کہہ کر اس نے کمبل سر تک کھینچ لیا۔ اور پلکوں پر باندھے سارے بند ہٹا دیے تھے۔

"میری کوئی بہن نہیں ہے' شاید اس لیے مجھے بیٹی کی خواہش ہے اور پھر مجھے بیٹیاں اچھی بہت لگتی ہیں۔" اس نے کہا تھا اور حقیقتاً" اس کی دلی آرزو پوری ہوئی تھی' لیکن اس پر جیسے خوشی کے اظہار کے راستے بند ہو گئے تھے۔

اپنی بچیوں کو دیکھ کر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں اجالوں کی نوید لے کر آئی ہیں۔ جانے کون کیا سمجھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی دماغی حالت پر شبہ کیا جائے۔ وہ خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی۔

اور جتنے دن وہ کلینک میں رہی اس کی یہی کیفیت تھی البتہ جس روز کلینک سے ڈسچارج ہو کر گھر آئی تو اسی رات پہلی بار اس نے دونوں بچیوں کو بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگایا تو اسے لگا جیسے وہ ابھی ابھی ماں بنی ہے۔ ایک انوکھا احساس تھا' سرشاری تھی اور جیسے وہ دنیا کی مضبوط ترین عورت بن گئی تھی کہ اب شاہ سکندر اور اس کے باپ جیسے ہزاروں لاکھوں مل کر بھی اسے اس کے مقام سے ہلا بھی نہیں سکتے تھے۔ نہ ساری دنیا کی دولت کے عوض اس کے مرتبے کو خریدا جا سکتا تھا۔

"آسیہ!" سیما بھابی نے کمرے میں آ کر اسے پکارا لیکن وہ بچیوں کو سینے میں چھپائے اپنی سوچوں میں یوں گم تھی کہ آواز پر چونکی بھی نہیں' اس کے برعکس سیما بھابی چونک گئیں اور بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ اس تمام عرصے میں پہلی بار اس کے ہونٹوں پر بڑی نرم مسکراہٹ پھیلی تھی اور آنکھوں میں کسی عزم کی چمک کہ جیسے اب ہر طوفان کا مقابلہ وہ تن تنہا کرے گی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" سیما بھابی نے آگے آ کر اس کا کندھا چھوا تب وہ ذرا سا چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کوئی خوبصورت سوچ تھی' اگر نہ بتانا چاہو تو کوئی بات نہیں۔ میں اصرار نہیں کروں گی۔" سیما بھابی بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"اس لیے کہ آپ جانتی ہیں' میری سوچوں کو کنارا مل گیا ہے۔ جب ہی اصرار نہیں کریں گی۔" اس نے بچی کے نرم کمبل پر ٹھوڑی ٹکا کر کہا پھر فوراً" بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

"اماں جی کہاں ہیں؟"

"شکیل کے پاس بیٹھی ہیں اور ہاں شکیل یہ کہہ رہے ہیں کہ تم دونوں بچیوں کو کیسے دیکھو گی۔ کہو تو ایک بچی اپنے پاس لے جاؤں؟" سیما بھابی غالباً" یہی بات کہنے آئی تھیں۔

"آپ کہاں پریشان ہوں گی بھابی! میں دیکھ لوں گی' نو پرابلم۔ بس آپ اماں جی کے سونے کا انتظام اسی کمرے میں کر دیں۔" اس نے کہا۔

"اماں جی بھی یہی کہہ رہی ہیں۔ چلو میں یہاں پلنگ ڈال دیتی ہوں۔ اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟۔" سیما بھابھی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ سب کچھ موجود ہے۔" وہ ٹیبل پر رکھی چیزوں کا جائزہ لے کر بولی تھی۔

۔۔*

وہ اکیلی نہیں تھی جو دو بچیوں کی دیکھ بھال مسئلہ بنتی۔ پھر اماں جی کی تو بہوویں صرف بچے پیدا کرنے کی سزاوار تھیں۔ اس کے بعد انہیں اماں جی کے حوالے کر کے خود اطمینان سے ہو جاتی تھیں اور وہ تو بیٹی تھی۔ اس کے آرام کی خاطر تو اماں جی رات میں بھی اٹھ جاتی تھیں اور اسے پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ کب انہوں نے بچیوں کو فیڈر بنا کر دی کب نیپیز چینج کی۔ اور سارا دن بھی اماں جی انہی کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ابا جی اور عدیل بھائی کا دو تین بار فون آچکا تھا۔ وہ اماں جی کی واپسی پر اصرار کر رہے تھے جس سے اس رات وہ الجھ کر اماں جی سے پوچھنے لگی۔

"کیوں اماں جی! کیا میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی؟۔"

"میرے ساتھ چلو گی؟ شکیل اور سیما تو کہہ رہے ہیں۔ تم ابھی یہیں رہو گی۔" اماں جی نے سادگی سے کہا۔

"نہیں بس بہت رہ لیا میں نے یہاں' اب آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ کہہ دیجئے شکیل بھائی سے کہ مجھے نہ روکیں اور جلدی ہمارے جانے کا انتظام کر دیں۔" وہ جیسے جانے کا تہیہ کر کے بولی تھی۔

"میں تو کتنے دن سے کہہ رہی ہوں شکیل سے' روز کل پہ ٹالتا ہے۔ صبح کہہ رہا تھا۔ تمہارے ابا جی آکر لے جائیں گے۔" اب دیکھو وہ کب آتے ہیں۔"

"ابا جی کو ناحق تکلیف دے رہے ہیں۔ ہم خود جا سکتے ہیں۔ خیر صبح میں خود بات کروں گی بھائی سے۔" وہ اپنے آپ کچھ ناراض سی ہونے لگی تھی۔ غالباً" اس خیال سے کہ اس کی رائے لیے بغیر شکیل بھائی اور سیما بھابھی نے کیسے کہہ دیا کہ وہ یہیں رہے گی۔ گو کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن اسے بری طرح محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اتنی غیر اہم ہو کر رہ گئی ہے کہ اس سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ اور اماں جی کے سونے کے بعد وہ کتنی دیر تک اسی کیفیت میں رہی تھی۔

پھر صبح اسے اٹھنے میں دیر ہو گئی۔ شکیل بھائی آفس جا چکے تھے۔ جس پر وہ ابھی خود کو شام تک صبر کرنے کی تلقین کر رہی تھی کہ ابا جی کی آمد سے اس کی ساری ناراضگی اور غصہ دور ہو گیا۔ قدرے ہچکچا کر ان کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

"رات ہی میں آپ کو یاد کر رہی تھی ابا جی۔"

"مجھے محسوس ہوا تھا اور اگر اس وقت کوئی فلائٹ ہوتی تو میں اس وقت آجاتا' خیر تم سناؤ ٹھیک تو ہو' بچے کہاں ہیں؟۔" ابا جی اس کے سر کو چوم کر بولے تھے۔

"ادھر اماں جی کے پاس' آپ چلیں میں ناشتا لے کر آتی ہوں۔"

"ناشتا کر چکا ہوں' بس چائے۔" ابا جی آگے بڑھ گئے۔ سیما بھابھی بھی اماں جی کے پاس تھیں۔ اس لیے وہ کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی تو سیما بھابھی حیران ہو کر بولیں۔

"ہائیں تم چائے بھی لے آئیں میں تو سمجھ رہی تھی۔ تم واش روم میں ہو اور تم نے ناشتا بھی کیا یا۔"

"کرنے جا رہی ہوں' آپ یہ چائے بنائیں۔" وہ ٹرے سیما بھابھی کے سامنے رکھ کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر کمزوری کے باعث چولہے کے پاس کھڑے ہو کر ناشتا کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ رات میں جب ابا جی' شکیل بھائی کو اپنی واپسی کا پروگرام بتائیں گے اس وقت وہ اپنے جانے کی بات کرے گی۔ اس کے خیال میں ابا جی دو تین روز تو ضرور یہاں رہیں گے اور پھر ابھی تو وہ آئے تھے اس لیے فوراً" ان سے واپسی کی بات کرنا اسے مناسب نہیں

لگ رہا تھا۔ البتہ دن میں اماں بی سے وہ وقفے وقفے سے کہتی رہی کہ اسے بھی جانا ہے اور ابا جی کہیں ادھر ادھر بس "اچھا" کر کے رہ جاتیں۔

شام میں سردی کی شدت میں اضافے کے باعث لاؤنج میں بیٹھنا محال تھا۔ شکیل بھائی آتے ہی ابا جی کو لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سیما بھابی نے اس کے کمرے میں ہیٹر رکھ کر اشعر اور سمیعہ کو اماں بی کے ساتھ وہاں میں بٹھا دیا اور اسے بھی کمرے سے نکلنے سے سختی سے منع کیا۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی وہ ان کے پیچھے کچن میں آ گئی اور ان کے ٹوکنے سے پہلے کہنے لگی۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم سب لحافوں میں بیٹھیں اور آپ کھانا پکائیں۔ بتائیں روٹی میں ڈال دیتی ہوں۔"

"اب میں تم سے کیا کہوں۔" سیما بھابی سمجھ گئیں۔ وہ ایک نہیں سنے گی اس لیے چولھے کے پاس سے ہٹ گئیں۔

"مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ شکیل بھائی سے کہیں کہ آپ کو خانساماں رکھ کر دیں تاکہ آپ بھی اچھی پوسٹ پر ہیں۔" وہ روٹی بیلتے ہوئے بولی۔

"جناب! وہ کہتے ہیں تم کرتی کیا ہو سارا دن؟ ایک صرف کھانا ہی تو پکاتی ہو۔ حالانکہ چھٹی کے دن دیکھتے بھی ہیں کہ کس طرح کام کرنے والی کے ساتھ لگی رہتی ہوں۔ بس ان مردوں کو عادت ہوتی ہے دیکھ کر بھی انجان بنے رہتے ہیں۔"

"یہ تو ہے اُدھر خلیل بھائی بھی ایسے ہی ہیں۔ حالانکہ میمونہ بھابی سارا دن مصروف رہتی ہیں پھر بھی وہ کہتے ہیں کچھ نہیں کرتیں۔" وہ بڑی فراخدلی سے بھائیوں کے مقابلے میں بھابیوں کی طرفداری کر رہی تھی۔ روٹیاں پکانے سے فارغ ہو کر کسی اور کام کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ سیما بھابی کہنے لگیں۔

"بس اب اور کچھ نہیں کرنا۔ سب تیار ہے۔ تم شکیل سے پوچھ کر آؤ کھانا کہاں کھائیں گے۔ میں جب تک اماں بی اور بچوں کے لیے کھانا نکال دوں۔"

"میں بھی اماں بی کے ساتھ کھاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی اور شکیل بھائی کے کمرے کا دروازہ کھولنے لگی تھی کہ اپنا نام سن کر رک گئی۔ شکیل بھائی کہہ رہے تھے۔

"امیمہ کے لیے میں نے سوچ لیا ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ آپ اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیں۔ ساری بات طے ہوتے ہی آپ کو اطلاع دوں گا۔ اور اس کی بیٹیوں کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے ایک یہیں چھوڑ دیں۔ ایک آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہاں خلیل بھائی کے بچوں میں مل جائے گی۔"

"میرے خدا۔" وہ اگرچہ ساری بات سمجھی نہیں تھی تب بھی چکرا گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

بڑی مشکل سے اس نے خود کو سارا دے کر اندر جانے سے روکا اور پورے دھیان سے سننے لگی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ابا جی کی آواز آئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے۔ تم نے اس کی بیٹیوں کا بتایا ہی نہیں۔"

"بتایا ہے ابا جی! ہر بات بتائی ہے کچھ نہیں چھپایا۔ آپ جانتے ہیں میں بہت کھرا بندہ ہوں۔ کسی کو دھوکا دینا ہوں نہ دھوکا دینے والے کو پسند کرتا ہوں۔ اور میں آپ کو بتاؤں اگر شاہ سکندر امیمہ کو نہ چھوڑتا تو میں اسے اس کی جنت کے چنگل سے نکال لیتا۔ یہ میں نے اسی روز سوچ لیا تھا جس روز مجھے کراچی بلا کر آپ نے اس کی

تھی۔ اس وقت محض آپ کی خاطر میں نے ایک تیسرا راستہ نکال لیا تھا۔ بہرحال یہ اچھا ہوا کہ جلد ہی اس کی حقیقت کھل گئی اور وہ خود چلا گیا ورنہ مجھے اسٹینڈ لینا پڑتا۔"

"خیر میں بات کر رہا تھا آسیہ کی۔ اس کے لیے اصفہان علی بے حد مناسب ہیں۔ میں کل رات کے کھانے پر انہیں بلا لیتا ہوں۔ آپ بھی مل لیں اس کے بعد میں چاہوں گا کہ دو مہینے کے اندر آسیہ اپنے گھر کی ہو جائے۔" شکیل بھائی بہت سہولت سے بول رہے تھے۔

آسیہ کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! لیکن پہلے آسیہ سے بھی تو پوچھ لو۔" ابا جی کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"اس سے پوچھنا نہیں سمجھانا ہے اسے اور میرا خیال ہے وہ خاصی حقیقت پسند لڑکی ہے، جلد سمجھ جائے گی۔" اس سے زیادہ سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ ایکدم دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور بے حد تاسف سے شکیل بھائی کو دیکھنے لگی تو وہ سمجھ گئے کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے اس پر بھی بڑے آرام سے بولے۔

"آؤ آسیہ! میں تمہارے متعلق ہی بات کر رہا ہوں۔"

"بس شکیل بھائی! جتنا کہہ چکے اس سے آگے ایک لفظ نہیں کہیے گا۔ کیونکہ آپ کے سامنے آپ کی بہن نہیں مدیحہ اور صباحت کی ماں کھڑی ہے۔" وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے شاید زندگی میں پہلی بار بڑے بھائی کے سامنے جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابھی آپ خود کہہ رہے تھے کہ میں بہت حقیقت پسند ہوں۔ ہاں یہی سچ ہے اور میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت میری بیٹیاں ہیں۔ میرے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے پہلے آپ اور ابا جی آپ بھی سن لیں کہ میں اپنے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہونے دوں گی۔ ایسی کوئی بھی کوشش میری موت ہو گی۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اماں جی کے پاس آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہائیں، یہ تمہیں کیا ہوا؟" اماں جی پریشان ہو گئیں۔ "ارے ابھی تو اچھی بھلی گئی تھیں۔ بھائی نے کچھ کہا یا بھاوج نے۔ بتاؤ تو۔؟"

"کسی نے کچھ نہیں کہا اور اگر کہیں گے بھی تو انہیں حق ہے۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

شکیل بھائی نے اندر آتے ہوئے اس کی بات سنی تھی اور بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"لیکن تمہیں رلانے کا تو ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔"

"وہ بھی ہے۔"

"اچھا!" شکیل بھائی ذرا سا مسکرائے پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "آئی ایم سوری، میں نے شاید اپنے حق کا غلط استعمال کر لیا یا شاید وقت سے پہلے۔ تم پلیز آنسو پونچھ لو ورنہ ابا جی مجھے بچوں کے سامنے بہت ڈانٹیں گے۔"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر سیدھی ہو بیٹھی تو شکیل بھائی اسے ایک بازو کے حلقے میں لے کر اماں جی کو مخاطب کر کے بولے۔

"اماں جی! ذرا بتایئے تو آسیہ میری بہن پہلے ہے یا ان بچیوں کی ماں؟"

"یہ کیا کہتی ہے؟" اماں جی قصداً دامن بچا گئیں۔

"یہ مجھ پر اپنے ماں ہونے کا رعب جما آئی ہے اور میں سچ مچ مرعوب ہو گیا ہوں۔" شکیل بھائی کے محظوظ انداز پر وہ جز بز ہو کر بولی۔

"میں نے آپ پر رعب تو نہیں جمایا، اور ابھی بھی ہاتھ جوڑ کر التجا کر رہی ہوں کہ مجھے اماں جی کے ساتھ جانے دیں۔ میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔"

"بیٹا! میں تمہیں زبردستی تو نہیں روک رہا۔ تمہاری مرضی جیسا تم اپنے لیے مناسب سمجھو۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ خود پر ہمیشہ کے لیے مدیحہ اور صباحت کی ماں کا لیبل مت لگا لینا۔ ایسا کر کے تم کوئی کمال نہیں کرو گی۔"

"میں جانتی ہوں اور وعدہ کرتی ہوں آپ سے کہ جب بھی میں نے اپنے لیے ایک گھر کی ضرورت محسوس کی سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گی۔ ابھی تو مجھے ہر طرف فریب ہی فریب نظر آتا ہے۔ اور خود کو … دل اور ذہن دونوں ہی تیار نہیں ہیں۔ مجھے اپنی زندگی جینے دیں۔ کوشش تو کرنے دیں۔ ہو سکتا ہے … بہتری کی صورت ہو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"ہوں!" شکیل بھائی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔ "تمہیں اپنی زندگی جینے کا … اور تم سے یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم کبھی بھی اپنی ذات اور اس کے تقاضوں کو نظر انداز مت کرو کیونکہ تمہارے لیے زندگی ختم نہیں ہوئی۔"

"زندگی شروع ہی اب ہوئی ہے۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"یہ تم دونوں کیا باتیں کر رہے ہو۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔" اماں جی کی سمجھ میں کوئی ایسا مسئلہ … نہیں ہو رہا۔

"کچھ نہیں اماں جی! یہ آسیہ کراچی جانے کی بات کر رہی ہے۔" شکیل بھائی اٹھتے ہوئے بولے۔ "… پھر میں کل ٹکٹ لیتا آؤں گا۔ پرسوں دن کی فلائٹ ٹھیک رہے گی۔ اسی حساب سے تم تیاری کر لینا۔"

"شکریہ بھائی! آپ میری کسی بات سے ناراض تو نہیں ہوئے؟" اس نے اندر ہی اندر مطمئن ہو کر …

شکیل بھائی نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا پھر کمرے سے نکل گئے۔

وہ جانتی تھی۔ بھائی بھابھیاں سب اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور یہ بھی ان کی محبت ہے جو … کو نیا خوبصورت موڑ دے کر چاہتے ہیں کہ وہ فوری طور پر اپنے ساتھ ہونے والے المیے کو فراموش کر کے … زندگی گزارے اس میں ان کی کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن وہ کیا کرتی کہ اپنے المیے کو فراموش کرنے … اس کے لیے یہ ساری باتیں سوچنا فی الحال بہت مشکل تھا۔ جو شکیل بھائی چاہتے تھے اور جو جاتے وقت … بار بار سمجھاتی رہی تھیں اور وہ جانتی تھی آگے خلیل بھائی، میمونہ بھابھی اور عدیل بھائی بھی … کے اس کے لیے اس نے خود کو اسی وقت سے تیار کرنا شروع کر دیا تھا جب جہاز نے فضا میں بلند ہو کر … کو دھندلا دیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

پورے چھ مہینے بعد وہ گھر آئی تھی۔ میمونہ بھابھی کے ساتھ بچے بھی شدت سے منتظر تھے اور … بیٹیوں کو دیکھنے کا اشتیاق زیادہ تھا۔

"مجھے سیما بھابھی نے فون پر ہی بتا دیا تھا کہ بہت پیاری بیٹیاں ہیں اور بالکل ایک جیسی۔" میمونہ … کمبل میں لپٹی بچی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ پھر اماں جی کی گود میں سوئی بچی کو دیکھ کر کہنے لگیں۔ "واقعی ایک … ہے۔ لیکن شکر ہے ایک کے گال پر تل ہے ورنہ پہچاننا مشکل ہوتا۔"

"… تل نیچرل نہیں ہے۔ سیما بھابھی روزانہ کاجل سے بنا دیتی تھیں اور مجھے بھی ابھی تو اسی سے پہچان … صباحت ہے۔" اس نے قریب کھڑے عمر کو اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو ہمیں بھی پتا چل گیا کہ یہ صباحت ہے اور یہ؟"

"ملیحہ۔"

"ماشاءاللہ دونوں نام اچھے ہیں۔" میمونہ بھابھی تعریف کے ساتھ ہی اپنے مخصوص انداز میں … "تم ایسا کرو دونوں کے گلے میں ناموں کے تعویذ ڈال دو تاکہ کسی دن اگر تل لگانا بھول جاؤ تو … جائے۔ ویسے آپس کی بات ہے ایک سے ہی کام چل جاتا ہے۔"

"توبہ اماں جی کا تو خیال کریں۔" اس نے ان کے بازو میں چٹکی کاٹ کر گھورا پھر بھی وہ باز نہیں آئیں۔ … بازو سہلاتے ہوئے بولیں۔

"دو اکٹھے آ گئے تھے تو ایک دیتا مانگ لیتیں۔ کیوں اماں جی؟"

"اللہ کی مرضی۔" اماں جی ان کی طرف متوجہ نہیں تھیں بس بیٹے کا من کر جواب دے دیا۔
"ہوا اماں جی نے تو بات ہی ختم کر دی۔"
"چلیں۔ اب آپ بھی اٹھ جائیں' مدتیں ہو گئیں آپ کے ہاتھ کی چائے پیے ہوئے۔" اس نے کہا۔
"یہ بات کہہ کر تو تم نے خلیل کی بہن ہونے کا پکا پکا ثبوت دے دیا ہے۔" میمونہ بھابھی برا مانتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "تمہارے بھائی صاحب ہر ایک گھنٹے کے بعد کی بات کہہ کر چائے مانگتے ہیں۔"
"ارے ارے آپ تو ناراض ہو گئیں۔ چلیں میں مدتوں بعد آپ کو اپنے ہاتھ کی چائے پلاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی لیکن میمونہ بھابھی نے روک دیا۔
"بس تم بچوں کو دیکھو اور یہ عمیر صاحب جو اتنے شریف بن کر بیٹھے ہیں' ذرا اس کا خیال رکھنا' نظر بچاتے ہی بچی کو نوچ لے گا۔"
"واقعی!" اس نے عمر کو گدگدایا پھر اسے لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلیں آپ چائے بنائیں۔ میں اتنے میں اپنا کمرہ دیکھ لوں۔ میرا مطلب ہے بچیوں کا سامان نکال کر رکھ دوں۔ اماں جی۔ ذرا خیال رکھیے گا۔ میں آئی ہوں۔"
وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک کر رک گئی۔ اور حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے بیڈ کے قریب بچیوں کے لیے بے بی کاٹ رکھا تھا اور اس کے سرہانے ٹیبل پر تھرماس' چھوٹے موٹے کھلونے اور وہ ادویات جن کی بچوں کے لیے کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پھر اس کی الماری کے ساتھ ایک چھوٹی الماری نظر آ رہی تھی۔ قدرے متجسس سی اس نے عمر کو بیڈ پر بٹھایا اور الماری کھول کر دیکھنے لگی۔ چھوٹے چھوٹے فراک ہینگرز پر لٹکے تھے اور بڑے پیکٹ میں غالباً ان کے کمبل وغیرہ تھے۔
"یہ سب کون لایا ہے؟" اس نے سوچا تھا کہ میمونہ بھابھی چائے لے کر آئیں گی اور انہیں دیکھتے ہی اس نے یہی سوال کر دیا۔
"تمہارا دھیان کس کی طرف گیا تھا؟" میمونہ بھابھی نے جس انداز سے پوچھا اس سے وہ سمجھ گئی بولی۔
"شاہ سکندر کی طرف اگر جاتا تو میں فوراً سب اٹھا کر پھینک دیتی۔"
"پھر تم نے کون لایا ہے کا سوال کیوں اٹھایا؟" میمونہ بھابھی نے چائے کا کپ اسے تھمایا۔
"کوئی غلط بات تو نہیں کی میں نے۔ آپ اپنے کمرے میں کوئی نئی چیز دیکھیں گی تو پوچھیں گی نہیں کہ کس نے رکھی ہے۔ یا آپ کو صرف چیز سے مطلب ہو گا' کون لایا ہے سے مطلب نہیں۔" وہ رسان سے کہتی عمر کے پاس آ بیٹھی۔

"تم لاجواب کر دیتی ہو' خیر یہ الماری عدیل لایا ہے۔ بے بی کاٹ میں لے کر آئی تھی۔ کپڑے بھی کچھ وہ اور کچھ میں اور الماری کے اوپر جو بیگ رکھا ہے وہ جدہ سے بڑے بھیا نے بھجوایا ہے۔" میمونہ بھابھی نے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔
"ارے وہ بیگ تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اس میں کیا ہے؟"
"یہی سب' یعنی کپڑے کھلونے وغیرہ' ساتھ میں بڑے بھیا کا لمبا چوڑا خط بھی تھا جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ شاید نبیلہ کی بات سنی گئی جو یہاں سے نکلتے ہوئے اس نے کہی تھی کہ اس گھر میں ایک لڑکی بھی ہے۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ اس کے آگے آئے گا۔ اب پتا نہیں نبیلہ نے ایسی کوئی بات کی تھی یا نہیں اس وقت ہم لوگ تو یہاں نہیں تھے۔"
میمونہ بھابھی اپنی دھن میں بول رہی تھیں معاً اس پر نظر پڑی تو ایکدم خاموش ہو گئیں۔ وہ چائے کا مگ ہونٹوں سے لگائے گم صم بیٹھی تھی۔ پتا نہیں مگ میں چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی یا اسے جلنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔
"ویسے تم کس خوشی میں اتنے مہینے اسلام آباد رہ گئیں؟" میمونہ بھابھی نے موضوع بدلتے ہوئے اس کے

ہاتھوں سے مگ لے لیا تو وہ چونک کر بولی۔
"بس شکیل بھائی نے نہیں آنے دیا۔ ابھی بھی روک رہے تھے۔"
"کیوں؟" میمونہ بھابھی نے کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"بتاؤں گی کسی وقت اطمینان سے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلیں اماں جی کے پاس، بچے تنگ کر رہے ہوں گے انہیں۔"
"تم چلو۔ میں سالن چڑھا کر آتی ہوں۔" میمونہ بھابھی نے کمرے سے نکلتے ہی کچن کا رخ کیا اور وہ اماں جی کے پاس چلی گئی۔

شاہ سکندر پہلے کی طرح اپنے کسی کام سے کراچی آیا تھا۔ اور گو کہ آسیہ کی زندگی سے نکلتے ہی اس نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اب کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کرے گا نہ اس کے بارے میں جاننے کی سعی۔ اور یہ عہد کرتے ہوئے اس کے پیش نظر اپنے نہیں آسیہ کا مفاد تھا کہ وہ اسے خواب سمجھ کر بھول جائے اور اپنے لیے نئی راہیں تلاش کر لے اور اس کے خیال میں یہ اسی وقت ممکن تھا کہ وہ اس کی فضاؤں تک سے ناتا توڑ کر خود کو معدوم ثابت کر دے۔ ورنہ اپنی ہر سانس کے ساتھ وہ اسے محسوس کرتی رہے گی۔ پتا نہیں اسے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ کبھی اس سے نفرت نہیں کر سکے گی اور اس یقین میں جانے اس کا وہی زعم تھا یا اس لڑکی کے دل کی زمین کو وہ بہت گہرائی سے چھو آیا تھا۔ کچھ بھی تھا یہاں بہرحال وہ خود غرض نہیں ہوا تھا کہ وہ ساری زندگی اس کی یادوں کے سہارے گزار دے۔ اس کے برعکس جیسے وہ خود مہرالنساء کے ساتھ کمپرومائز کر کے زندگی کی گاڑی چلا رہا تھا، اس کے لیے بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔

اس لیے اپنے آپ کو بھی اس نے خاصا پابند کر لیا تھا۔ گو کہ اس تمام عرصے میں تڑپتے مچلتے دل کو کسی ایک پل قرار نہیں آیا تھا اور کسی کسی وقت تو دل چاہتا کہ ساری بندشیں توڑ کر بس اس کی ایک جھلک دیکھ آئے یا پھر ان راستوں سے ہی اس کا احوال پوچھ آئے جن پر کبھی وہ اس کے ساتھ تھی لیکن خود پر جبر کر کے اب تک تو وہ اپنے عہد پر قائم تھا۔ اور شاہ پور سے چلتے ہوئے اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اپنا کام نمٹا کر فوراً واپسی کی راہ لے گا۔ لیکن کراچی کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سب بھول گیا۔ یہ بھی کہ کس کام سے آیا ہے۔ بس مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ یہ اس کے اندر کا اضطراب تھا جو اسے کہیں رکنے نہیں دے رہا تھا۔

یہاں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور پہلی نظر میں ہی وہ دل میں اتر گئی تھی۔
یہاں وہ میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوئی تھی۔
یہاں میں اسے پہلی بار لے کر آیا تھا اور اسی وقت اپنے دل کا احوال سنا کر میں نے اسے یہ یقین بھی دلایا تھا کہ اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہونے کی بجائے ہمیشہ اس کے ساتھ چلوں گا۔

وہ ایک ایک راستے پر رک کر ان لمحات کو آواز دے رہا تھا جن کے بارے میں اس نے گمان بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اتنی جلدی ایسی یاد بن کر رہ جائیں گے جو ہمیشہ اسے تڑپاتی رہے گی۔ عجیب بے قراری کے ساتھ بے بسی تھی اور ایسی حالت میں اس نے کلفٹن کا رخ کیا تھا کہ راستے میں احمد حسن کا آفس دیکھ کر گاڑی وہیں روک لی۔ اس تمام عرصے میں اس نے کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا جب ہی احمد حسن نے اسے دیکھتے ہی سخت ناراضی کا اظہار کیا۔

"خبردار مجھ سے کلام نہیں کرنا۔ میں تمہاری دوستی پر فاتحہ پڑھ چکا ہوں۔"
شاہ سکندر یہی سمجھا کہ وہ اس کے انتہائی اقدام سے واقف ہو کر ایسا کہہ رہا ہے۔ جب ہی اس کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گیا جیسے اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہر سزا کے لیے تیار ہو۔
"آخر کن چکروں میں الجھے ہو۔ کہیں ملتے ہی نہیں۔ تمہارے گھر فون کر کر کے تھک چکا ہوں۔ کیا ابھی تک آسیہ بھابھی کو لے کر نہیں آئے۔" احمد حسن کی آخری بات پر وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگا۔ لیکن وہ

نہیں

"کیا بات ہے؟" احمد حسن ٹھٹھک گیا۔ "آپ بھابھی تو ٹھیک ہیں نا اور تم تو کہہ رہے تھے بابا جان کو منا لو گے تو کیا ابھی تک اسی کوشش میں لگے ہوئے ہو؟"

"کیا واقعی تم نہیں جانتے؟" اس نے غیر یقینی سے پوچھا۔

"نہیں۔ کیا نہیں جانتا؟" احمد حسن جلد جاننے کو بے چین ہو گیا۔

"بس یار! زندگی کا وہ سفر جو میں نے آپ کے ساتھ شروع کیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ حالانکہ میں کمزور نہیں تھا سکتا تھا۔ لیکن اس لڑائی میں بابا جان نے آپ کو گھسیٹ کر میرے دونوں ہاتھ کاٹ دیے تھے اور اگر میں نہ چھوڑتا تو آپ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی بابا جان کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔" وہ مشکل سے گرفت کھو رہا تھا۔

احمد حسن سناٹے میں آ گیا تھا۔

"میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا کہ میں آپ کو لے کر کہیں بہت دور نکل جاتا۔ جہاں تک بابا جان کی رسائی ممکن ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کے گھر والے بے موت مارے جاتے اور یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ آپ تو اس تصور سے ہی مر جاتی پھر بتاؤ کیا رہ جاتا۔"

وہ اپنی نظروں کے سامنے جیسے وقت کو گھماتا ہوا بول رہا تھا۔

"بتا تو اب بھی کچھ نہیں۔ لیکن کچھ نہ ہونے میں کم از کم یہ اطمینان تو ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کہیں ایڈجسٹ ہو جائے گی کیونکہ وہ جذباتی لڑکی نہیں ہے جو یادوں کے سہارے عمر گزار دے بلکہ شاید وہ تو رونے دھونے میں بھی وقت ضائع نہیں کرے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے دکھ نہیں ہو گا۔ دکھ وہ اسی طرح سنبھال کر رکھے گی جیسے خوشیاں۔ اور اپنے لیے جس راستے کا انتخاب کرے گی وہاں میں ساتھ نہ دے کر بھی اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دے گی۔"

"تم جانتے ہو اسے؟" احمد حسن سناٹے میں ہی بولا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ بکھری تھی۔

کتنی دیر خاموشی چھائی رہی۔ جب احمد حسن سناٹے سے نکلا تب بھی کچھ نہیں بولا۔ چاہنے کے باوجود ملامت بھی نہیں کر سکا کیونکہ وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

"تم" شاہ سکندر ایکدم خیال آنے پر کچھ سوچتے ہوئے انداز میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ "تمہیں احمد حسن ان ساری باتوں کی خبر کیوں نہیں ہے؟ کیا ان کی طرف سے کسی نے نہیں بتایا؟"

"ملاقات ہی نہیں ہوئی کسی سے۔" احمد حسن نے سمجھ کر بھی سرسری انداز میں کہا۔

"کیا مطلب۔ وہ جو ناطے کا سلسلہ شروع ہوا تھا؟"

"بس اسی وجہ سے تو میں بھی فون وغیرہ کرنے سے رہ گیا ورنہ تمہارے بارے میں معلوم کرنے کے لیے میں آپ بھابھی یا عدیل صاحب کو فون کر سکتا تھا۔ کئی بار سوچا پھر اس خیال سے رہ جاتا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس بہانے میں ناطے کے سلسلے کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں اور ادھر سے بھی دوبارہ کوئی نہیں آیا جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ۔" احمد حسن احساس ہونے پر کہتے کہتے اچانک رک گیا۔

"یہی وجہ ہے نا۔ لیکن احمد حسن! اس میں تم سب کا کیا دوش؟"

"تمہارا ایڈریس لے کر تو ہم ہی گئے تھے۔" احمد حسن نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور شاید ابھی جس سے اس کی آواز میں خاصی آلودگی ہوئی جیسے وہ ہمیشہ سے مشکوک رہا ہو۔

"تم ان لوگوں کے لیے کوئی اجنبی نہیں ہو۔ تم بھی جانتے ہو۔" احمد حسن اسے غور سے دیکھ کر بولا تھا۔

"ہوں۔ یہ تو واقعی نہیں ہے لیکن۔ خیر چھوڑو کیسی ہے نائلہ اور آنٹی؟" وہ سنبھل گیا۔

"چلو چل کر خود ہی دیکھ لو۔" احمد حسن فوراً ہی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"کیسے یار! اس وقت میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا بلکہ شاید کبھی بھی نہ کر سکوں۔"

"کس کس کا سامنا نہیں کرو گے؟" احمد حسن بے اختیار کہہ گیا پھر فوراً اپنی بات سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ "تمہارا جرم واقعی بہت بڑا ہے سکندر! لیکن قابل معافی یوں ہے کہ اس میں تمہارا بھی اتنا ہی نقصان ہوا جتنا آسیہ بھابھی کا۔ میں نے امی کو تمہارے حالات بتا دیئے تھے اور وہ خفا ہوئی تھیں تو اس بات پر کہ تم نے پہلے انہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔ مجھے بھی تم سے یہی گلہ ہے۔ سخت غلطی کی تم نے یہ ہو سکتا تھا کہ ہم سب مل کر کوئی راستہ نکال لیتے لیکن تم نے غیر ہمت برت کر خود پر ظلم کیا۔ بہرحال اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ تمہاری قسمت۔"

"میں قسمت کو دوش نہیں دیتا۔" اس نے ٹوک دیا۔

"چلو باقی باتیں گھر چل کر کریں گے۔" احمد حسن اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود زبردستی اسے بھی اٹھا لے گیا تھا۔

* * * *

احمد حسن کے گھر آ کر اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع ملا تھا۔ جس سے اسے احساس ہوا کہ اتنا عرصہ اس نے اتنے اچھے دوست سے کوئی تعلق نہ رکھ کر ایک اور غلطی کی ہے۔ شاہ پور میں تو کئی ایک فرد ایسا نہیں تھا جسے اس سے ہمدردی ہوتی۔ جب ہی وہ ایکدم سے تنہا ہو گیا تھا۔ اگر جہانگیر بھائی دکھاوے کو ہی اس سے لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے جیسے پہلے کرتے آ رہے تھے تو ان سے بھی کہہ سن کر بہت حد تک اس کے دل کا غبار نکل سکتا تھا لیکن وہ بھی اس مقام پر اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ شاید اس لیے کہ ان کے دل میں چور تھا۔ بہرحال احمد حسن کے گھر آ کر اسے بہت سکون ملا تھا۔ بس کچھ دیر آنٹی نے خفگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد نئے سرے سے اسی کی زبانی اس کی رام کہانی سن کر کتنی دیر تک افسوس کا اظہار کرتی رہیں۔

"تمہارے ماں باپ کو اتنی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خود بیٹیوں والے ہیں اور دوسرے کی بیٹی کا ذرا احساس نہیں کیا۔ بے شک اسے شاہ پور نہ بلاتے۔ یہیں بلتستے دیتے اور انہوں نے تو تمہارا بھی خیال نہیں کیا۔ بہرحال بہت افسوس ہوا۔ گھر نہیں اجڑنا چاہیے تھا۔ آسیہ اپنے ماں باپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔ کتنا دکھ ہوا ہو گا انہیں۔"

"مجھے تو آسیہ باجی کا خیال آ رہا ہے۔ وہ تو بہت اچھی ہیں۔ اتنی محبت کرنے والی۔" نائلہ سچ مچ رونے لگی تھی۔ شاہ سکندر اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گیا۔

"نائلہ! یہ کیا حماقت کر رہی ہو۔" احمد حسن نے اسے ٹوک دیا۔ "سکندر پہلے ہی پریشان ہے تم تو مزید۔"

"یہ ہمیشہ پریشان رہیں گے۔ لکھ لیجئے آپ۔ کہیں سکون نہیں ملے گا انہیں۔" نائلہ کسی طرح خود پر قابو نہیں پا سکی۔ چیخ کر کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"سوری یار! وہ۔" احمد حسن نادم ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ روک کر بولا۔

"نہیں۔ مجھے برا نہیں لگا۔ یہ باتیں سننے کے لیے تو مجھے بہت پہلے یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"میں چائے لاتی ہوں۔" آنٹی اٹھ کھڑی ہوئیں پھر اس سے پوچھنے لگیں۔ "تم آج ہی شاہ پور جاؤ گے؟"

"جانا تو آج ہی تھا لیکن میرا کام رہ گیا ہے۔ اب کل جاؤں گا۔" وہ تاکر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے پھر یہیں رک جانا۔ ہوٹل وغیرہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" آنٹی کہہ کر چلی گئیں تو وہ احمد حسن کو دیکھ کر بولا۔

"رہنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے یار! آنٹی نے خوامخواہ۔۔۔"

"کوئی خوامخواہ نہیں۔ بس آرام سے بیٹھو اور ہاں وہ اپارٹمنٹ تو چھوڑ دیا ہو گا تم نے؟" احمد حسن نے ایکدم خیال آنے پر پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے چھوڑنے سے پہلے آسیہ کے نام سے خرید کر اسے گفٹ کر دیا تھا۔" جواب دیتے ہوئے اس کی نظروں میں اس شام کا منظر تھا جب اس نے آسیہ کو لفافہ تھمایا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا۔ لیکن میرا خیال ہے وہاں کوئی ہے نہیں کیونکہ اس تمام عرصے میں میں وہیں فون کرتا رہا

ہوں اور کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے پروا بھی نہیں ہو گا۔"

"ہوں۔" اس نے تائیداً ہاں میں سر ہلایا تھا۔

پھر اس رات کھانے کے بعد وہ کتنی دیر تک احمد حسن کے ساتھ آپس کی باتیں کرتا رہا۔ ماضی سے زیادہ اس کا مستقبل موضوع تھا۔ جس پر احمد حسن نے اسے ٹوک دیا کہ اسے اب اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کا کوئی ناتا نہیں رہا۔

"ایک ناتا ہے احمد حسن! وہ میرے بچے کی ماں ہے۔" اس نے جتا کر کہا تو احمد حسن اپنی جگہ اچھل پڑا۔

"واقعی۔ تم نے پہلے نہیں بتایا! عجیب آدمی ہو یار۔ سوچ سوچ کر انکشاف کرتے ہو۔ اسے اس بچے کے ناتے تو تم ان سے مل بھی سکتے ہو۔"

"ہاں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کی زندگی میں میری کسی بھی قسم کی مداخلت اسے کھو دے گی اور اسے دکھ دینے کا تو میں نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر پہنچ کر وہ اپنی خوشی سے اسے مجھے سونپ دے۔ میں خود سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ بچے کی خاطر وہ اپنی زندگی تیاگ دے۔ پتا نہیں احمد حسن میں اس کے بارے میں کیا کیا سوچتا رہتا ہوں۔" وہ چاہتے ہوئے بھی کو اب کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

"بس کرو یار! مجھے تو اب تمہاری فکر ہو رہی ہے کہ کسی دن کپڑے پھاڑتے ہوئے ویرانوں میں نہ نکل جاؤ۔" احمد حسن چکرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جاؤ شب بخیر!" اس نے بیک پر سر ٹکا دیا اور یونہی بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا۔

صبح وہ احمد حسن کے ساتھ ہی گھر سے نکلا تھا۔ اسے ایک تو پورٹ جانا تھا دوسرے کمپنی میں بھی کام تھا اور کیونکہ منیجر کا گیارہ بجے سے پہلے ملنا متوقع نہیں تھا اس لیے وہ پہلے پورٹ چلا گیا۔ جہاں سے اس کی واپسی گیارہ بجے کے قریب ہی ہوئی تھی۔ پھر منیجر سے وہ دس منٹ بات کر کے فارغ ہو گیا تو دوپہر کے کھانے تک گھر پہنچنے کا سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھا تھا۔ اس شہر کی رونقیں دیکھی ہی تھیں۔ مناسب اسپیڈ سے گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے پھر ایک بات یاد آنے لگی تو ونڈ اسکرین پر بس اس کی نظریں ہی رہ گئی تھیں۔ ذہن کے پردے پر چلتی فلم نے شہر کی رونقوں کو دھندلا دیا تھا۔ اور وہ اپنے راستے سے بھی بھٹک گیا تھا۔ کبھی اس سڑک کبھی اس سڑک اور اسے احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں تو شاید وہ شاہ پور پہنچ جاتا جبکہ ابھی شہر سے بھی نہیں نکلا تھا اور جانے کب تک اسی طرح بھٹکتا رہتا اگر جو قریب سے گزرتے ٹریفک کے شور اور ہارن نے اس کے ذہن کو جھنجھوڑا نہ ہوتا۔ وہ بری طرح چونکا تھا اور عین وقت پر کہ سامنے روڈ کراس کرتی لڑکی جس طرح مگن ہو کر چل رہی تھی وہ اگر بروقت بریک نہ لگاتا تو ایکسیڈنٹ یقینی تھا۔

"او گاڈ!" دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر اس نے سر کو زور سے جھٹکا پھر تھکے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کی خاطر وہ گاڑی بیچ سڑک سے نکال کر کنارے لے آیا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا کہ نظروں کے عین سامنے سڑکوں کی چمکتی ہوئی دھوپ میں کھڑی آسیہ پر پہلے تو اسے وہم کا گمان ہوا لیکن وہ سراپا یقین ہوتے ہی وہ بے اختیار گاڑی سے اتر کر اس کے پاس گیا اور اسی بے اختیاری سے پکارنا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"اچھا طریقہ ہے۔ پہلے لڑکیوں کو گاڑی سے ہراساں کر کے بے ہوش کرو پھر اٹھا کر اسپتال لے جاؤ۔ پرانے کھلاڑی ہیں۔ پھر وہ لڑکی بچ کیسے گئی؟" اس کا طنزیہ لہجہ بد حالی میں تر ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ یوں گم صم کیا جیسے پتھر ہو گیا ہو۔

"شاہ سکندر حیات! آپ کے کانوں میں بھی جو ہوتی ہو گی پھر محل کا انتخاب آپ شہر آ کر کیوں کرتے ہیں۔ وہ بھی محبت کا فریب دے کر۔ ہونہہ۔ بظاہر اعلیٰ محبت کے اندر کتنا کچھ انسان چھپا ہے۔ کاش میں ساری دنیا کو بتا سکتی۔" اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور لہجے میں حد درجہ سمٹ گیا تھا۔

"تم جتنی چاہو مجھ سے نفرت کرو لیکن میرے کردار..." وہ بمشکل بولنے پر آمادہ ہو کر ابھی اسی قدر کہہ پائی تھی کہ وہ نخوت سے بولی۔

"کیا کردار ہے تمہارا، یہی کہ شکار کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ اور یہ تم نے غلط کہا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ تم میری نفرت کے بھی قابل نہیں ہو۔ اور ایک بات اچھی طرح سن لو کہ آئندہ مجھے دیکھ کر رکنا مت خواہ غلطی سے میں تمہاری گاڑی کے سامنے کیوں نہ آجاؤں بے شک روندتے ہوئے گزر جانا۔ اگر یہ نہ کر سکو تو اس شہر میں آنا چھوڑ دو۔"

"تم کہو تو میں جینا چھوڑ دوں؟"

"شٹ اپ۔ ایسے گھٹیا مکالمے کسی اور کے سامنے بولنا۔" وہ پیر پٹختی مخالف سمت تیز تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

شاہ سکندر نے اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا اور سوچنے کی حد تک تو یہ سب بہت اچھا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرے، دیکھ کر منہ موڑے اور اپنی زندگی جیے وغیرہ وغیرہ لیکن اب حقیقت میں اس اظہار نے اس کو دکھی کر دیا تھا۔ مزید اس کے طرز تخاطب پر وہ تلملا رہا تھا۔ کتنی دیر وہیں کھڑا اس کے پیچھے دیکھتا رہا پھر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اس کے بارے میں اپنی گزشتہ تمام سوچوں کی نفی کر رہا تھا۔

◆ ◆ ◆ ◆

وہ گھر آتے ہی واش روم میں بند ہو گئی۔ کیونکہ خود پر قابو پانے کی وہ ساری کوششوں میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسے لگا جیسے ہی اماں جی یا ابا جی کا سامنا ہوا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔ گو کہ وہ ان سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن شاہ سکندر کے ذکر کے ساتھ رو کر وہ خود کو کمزور بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو کر نکلی اور ہاتھوں سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی اماں جی کے کمرے میں آگئی اور صباحت کو دیکھا پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"دو بچیوں کی دیکھ بھال آپ کے لیے مسئلہ ہو گی اماں جی! میں جلدی ہی کسی آیا کا انتظام کر دوں گی۔ میری جاب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالوہاب نے کل سے بلایا ہے۔"

"تم بے شک نوکری کرو۔ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے دو دو بچوں کو نہیں سنبھالا۔ جب یہاں تھی تو سمیعہ اور سونیا دونوں میرے پاس ہوتی تھیں۔" اماں جی کو ایک تو اس کی جاب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی دوسرے اس کی بات بھی ناگوار گزری تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے اماں جی! لیکن ان کے اوپر کے کام کرنے کے لیے تو کوئی ہونی چاہیے۔ آپ منع نہ کریں میں اپنی روٹین سیٹ کر لوں پھر یہ مسئلہ کام بھی کر لوں گی۔"

"اچھا جاؤ، پہلے کھانا کھاؤ۔" اماں جی الجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"آپ نے کھا لیا؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں سب نے کھا لیا۔" وہ جواب سن کر ان کے کمرے سے نکلی اور کچن میں جاتے ہوئے میمونہ بھابی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ عمر کو تھپک رہی تھیں اس پر نظر پڑتے ہی پوچھنے لگیں۔

"کیا رہا؟"

"وہی جو میں کہہ کر گئی تھی کہ ڈاکٹر وہاب کے کلینک میں اگر جگہ نہ بھی ہوئی تب بھی وہ مجھے اپائنٹ کر لیں گے کل سے میری ڈیوٹی شروع۔" اس نے بہت نارمل انداز میں بتایا۔

"ایک بات کہوں۔ یہ مرحلہ یعنی تمہیں جاب ملنے کا اگر تمہاری زندگی میں پہلے آیا ہوتا تو تم یقیناً خوشی سے چلاتی ہوئی آتیں۔ اب تمہیں خوشی نہیں ہوئی یا اظہار کرنا بھول گئی ہو؟" میمونہ بھابی نے کچھ شاکی انداز میں کہا تو وہ دروازہ چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور ایک نظر سوئے ہوئے بچوں کو دیکھنے کے بعد کہنے لگی۔

"میں آج بھی چلاتی ہوئی آتی مگر جو راستے میں شاہ سکندر نہ ملا ہوتا اسے دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو گیا۔"

"تمہیں شاہ سکندر ملا تھا۔ کیا کہہ رہا تھا؟" میمونہ بھابھی حیران اور کچھ پریشان بھی ہو گئی تھیں۔

"وہ خاص طور پر مجھ سے ملنے نہیں آیا تھا۔ بس اتفاق سے سامنا ہو گیا۔ اور وہ بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے ایسا سخت رویہ اختیار کیا کہ وہ مایوس ہو گیا جس سے مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ ایسا اتفاق بھی نہیں ہونے دے گا۔" وہ صاف گوئی سے بتا کر کہنے لگی۔ "میں نے آپ کو بتایا ہے لیکن آپ ابھی کسی سے نہیں کہیے گا کیونکہ بھائی لوگوں کا کچھ پتا نہیں، ہو سکتا ہے میرا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیں اور میں اس کے ڈر سے چپ کر کے نہیں بیٹھ سکتی۔ مجھے ہر حال میں کچھ کرنا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس نے اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو؟" میمونہ بھابھی ہولا گئیں۔

"اب اور کیا نقصان پہنچائے گا۔" اس کے لہجے میں دکھ بولنے لگا تھا کہ وہ فوراً سنبھل کر بولی۔ "ویسے بھی یہ کوئی بہت گمبھیر مسئلہ نہیں ہے اور نہ پریشانی کی بات۔ اس شہر میں اس کا آنا جانا ہمیشہ سے ہے۔ اس لیے سامنا تو ہو گا اور میں اس سے خائف نہیں ہوں۔"

"لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"آپ ہمیشہ سے ڈرپوک ہیں۔" وہ کہتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

پھر رات میں کھانے کے دوران اس نے اماں جی اور خصوصاً بھائیوں کے سامنے جاب ملنے پر قصداً خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت ان کے نزدیک صرف اس کی خوشی اہم ہے اور واقعی اسے خوش دیکھ کر ان سب کے چہروں پر اطمینان اتر آیا تھا۔

"کیا ٹائمنگ ہیں؟" عدیل بھائی نے پوچھا۔

"صبح نو سے شام پانچ بجے تک۔" اس نے بتایا۔

"پھر تو صبح تمہیں خود ہی جانا پڑے گا البتہ واپسی میں میں تمہیں پک کر سکتا ہوں۔" عدیل بھائی نے کہا۔

"تو پرابلم بھائی! میں آ جا سکتی ہوں۔ بس آپ اماں جی کو سمجھا دیں۔ یہ ذرا سی دیر سویر پر پریشان ہو جاتی ہیں۔" وہ خاموش بیٹھی اماں جی کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آپ کو پتا ہے ایمرجنسی کی صورت میں بھی دیر ہو سکتی ہے اور میں اگر فون کر کے بتا بھی دوں گی تب بھی یہ ہولتی رہیں گی۔"

"آہستہ آہستہ خود ہی سمجھ جائیں گی بیٹا! ان کی تم فکر نہیں کرو۔ بس تم اپنا خیال رکھنا۔" ابا جی نے اس کا سر تھپک کر کہا تھا۔

"میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے سوچ لیجیے شاہ سکندر! کہ میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب میری سوچیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔ جس مقصد کے تحت میں نے تعلیم حاصل کی ہے اسے میں پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ میرے نزدیک یہ سراسر بددیانتی ہو گی۔"

جب پہلی بار شاہ سکندر نے اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کا ہاتھ مانگا تھا تب اس نے کہا تھا۔ اور اس وقت حدیقہ کو اپنا مستقبل بہت خوبصورت، بہت روشن نظر آتا تھا۔ گو کہ وہ بہت دور تک نہیں سوچتی تھی لیکن بہت ساری باتوں کو سوچنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ بہت واضح تھیں اور اب اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا مستقبل بس وہیں تک تھا جہاں تک اسے واضح نظر آتا تھا اس میں سے بھی کتنا کچھ دھندلا گیا تھا۔ اور وہ خود ہی دیکھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اس کے سامنے مدیحہ اور صباحت تھیں۔ جن کے نام اپنی زندگی کے اس نئے باب کا انتساب لکھتے ہوئے وہ اپنی ذات کی نفی کر رہی تھی۔

پھر صبح وہ اس خیال سے میمونہ بھابھی سے پہلے کچن میں جا پہنچی کہ اس وقت کا سارا کام وہ نمٹا جائے گی لیکن میمونہ بھابھی فوراً ہی اس کے پیچھے آ گئی تھیں۔

"تمہیں تو غالباً آج ہاسپٹل جانا ہے پھر یہاں کیا کر رہی ہو۔ جاؤ اپنی تیاری کرو۔"

"میری تیاری میں کوئی وقت نہیں لگتا پھر مجھے اتنی جلدی بھی نہیں جانا لہٰذا آپ مجھے کام کرنے دیں اور اپنے بچوں کو جا کر دیکھیں۔" وہ کیتلی چولہے پر رکھتے ہوئے سکون سے بولی۔

"اور تمہارا ناشتہ؟" میمونہ بھابھی! "بچے" کہتے ہوئے محظوظ ہو کر

"نہیں اماں جی اذان کے وقت ہی اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ پتا نہیں رات میں ان کے بغیر سوتی کیسے ہیں۔ لگتا ہے اسی انتظار میں جاگتی رہتی ہیں کہ جلدی صبح ہو اور بچیوں کو اپنے پاس لے جائیں۔"

"جناب ہم نے بھی صرف بچے پیدا کیے ہیں۔" ذرا طنز

"مجھے پتا ہے۔ میں کوئی باہر سے نہیں آئی۔" وہ ٹرے اتار کر اس میں کپ رکھتے ہوئے بولی۔

میمونہ بھابھی نے دوسرا چولہا جلا کر اس پہ توا رکھ دیا اور یونہی باتوں میں ناشتا تیار ہو گیا۔ اور جب تک بھابھی نے سب کو ناشتا پہنچایا اس نے پانی ابال کر تھرماس میں ڈالا اور فیڈر دھو کر اماں جی کے کمرے میں رکھ دیے حالانکہ انہیں بچیوں کے بارے میں کچھ کہنے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ وہ بھی جانتی تھی اس کے باوجود جب گھر سے نکلنے لگی تو ہدایات دینے سے باز نہیں آئی۔ ٹھنڈا دودھ نہیں پلانا۔ جب تک دھوپ نہ نکلے کمرے سے نہیں نکالنا فیڈر گرم پانی سے دھونا ہے وغیرہ وغیرہ۔

میمونہ بھابھی زور زور سے ہنسنے لگیں تب وہ جلدی سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی تو اسے پہلا خیال یہی آیا کہ بہت ساری اور بہت محبت کرنے والی ہستیوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا ہو گئی ہے۔ جانے دو سال اور باقی تمام عمر پہ بھاری کیسے ہو گیا تھا کہ اسے اپنا آپ نہ صرف خالی بلکہ غیر محفوظ بھی لگنے لگا تھا۔ پھر بقیہ تمام راستہ اس خیال کی نفی کرنے میں لگی رہی تھی۔

"ڈاکٹر آسیہ شاہ" ڈاکٹر عبدالوہاب نے بقیہ اسٹاف سے اس کے تعارف میں ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ فوراً بول پڑی۔

"اصلاح الدین۔ آسیہ اصلاح الدین۔"

"ہوں۔" ڈاکٹر وہاب نے کچھ چونک کر دیکھا پھر کہنے لگے۔ "یہ میری اسٹوڈنٹ بھی رہی ہیں۔ اور جتنی اچھی اسٹوڈنٹ تھیں مجھے یقین ہے اس سے اچھی ڈاکٹر ہوں گی۔"

"تھینک یو سر! آپ کے یقین کو سچ ثابت کرنے کے لیے میں پوری ایمانداری سے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کروں گی۔" اس نے کہا۔

"گڈ! اب آپ ڈاکٹر حارث سے چارج لے کر انہی کے ساتھ سیکنڈ فلور پہ چلی جائیں' وہاں ڈاکٹر یاسمین آپ کے ساتھ ہوں گی۔" ڈاکٹر وہاب نے ڈاکٹر حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کر کے ڈاکٹر حارث کے ساتھ چل پڑی۔

اور پھر دن بھر کی مصروفیت نے اسے تھکایا نہیں تھا بلکہ کسی نامعلوم شکنجے سے نکل کر کتنے عرصے بعد جیسے اس نے ہاتھ پاؤں پھیلائے تھے تو بس کچھ دیر کی تکلیف تھی اس کے بعد آرام ہی آرام تھا۔ اور اس آرام کی خاطر اسے اسی طرح مصروف رہنا تھا۔ ورنہ وہی تکلیف وہ شکنجہ اسے گرفت میں لینے کے لیے اس ہاسپٹل میں بھی جگہ جگہ موجود تھا۔ کہ جب شاہ سکندر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو وہ اسی ہاسپٹل میں بھی رہا اور یہیں اس نے مرنا بھی دیکھا تھا یہ خیال اسے پہلے مرحلے پر ہی آیا تھا۔ اور بس وہی کچھ دیر کی تکلیف تھی اس کے بعد مصروفیت نے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔

"سنو تم کیسے جاؤ گی؟" ڈیوٹی آف ہونے پر ڈاکٹر یاسمین نے اس سے پوچھا تو وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

"میرا خیال ہے میرے بھائی آئیں گے۔"

"اگر ان کا آنا کنفرم نہیں ہے تو میرے ساتھ چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔ بلکہ ایسا کرو تم اپنے بھائی کو منع کر دو کیونکہ تمہارا گھر میرے راستے میں پڑتا ہے۔ صبح آتے ہوئے بھی میں تمہیں پک کر لیا کروں گی۔" ڈاکٹر یاسمین کی پیشکش پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا تمہارے گھر والوں کو اعتراض ہو گا میرے ساتھ آنے جانے پر؟" ڈاکٹر یاسمین نے اسے سوچتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں انہیں تو اعتراض نہیں ہو گا البتہ تمہیں زحمت ہو گی۔"

"زحمت کیسی۔ میرا راستہ ہی وہی ہے اور تمہارا وزن بھی کوئی منوں کے حساب سے نہیں ہے جو میری گاڑی کو

نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا۔" ڈاکٹر یاسمین نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔ میں آج بھائی کو منع کر دوں گی۔ پھر کل سے تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"
"صرف جاؤں گی نہیں۔ صبح پونے نو بجے تم مجھے اپنے گیٹ پر کھڑی ملنا۔ اوکے خدا حافظ۔"
ڈاکٹر یاسمین ہاتھ ہلاتی چلی گئی تو اس نے عدیل بھائی کو دیکھنے کے لیے پہلے کوریڈور میں جا کر نیچے جھانکا پھر اپنا بیگ اور گاؤن وغیرہ اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی کہ لفٹ کے قریب کھڑے ڈاکٹر وہاب نے اشارے سے اسے بلا لیا۔
"یس سر!" وہ تیز قدموں سے ان کے پاس آ گئی۔
"تم اوپر تو نہیں گئی ہو گی چلو تمہیں۔" ڈاکٹر وہاب لفٹ میں داخل ہو گئے تو اس نے بھی تقلید کی اور تھرڈ فلور پر اس نے دیکھا چار سے بارہ سال تک کے بچے جو پیدائشی معذور نہیں تھے بلکہ معمولی بیماریوں میں لاپروائی برتنے سے اس حال کو پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وہاب اسے ایک ایک بچے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اسپیشل وارڈ سے نکل کر آگے لائن سے چار کمرے تھے۔ اور پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نما آواز نکلی تھی۔
"نبیل!"
ڈاکٹر وہاب رک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ لپک کر نبیل کے پاس پہنچی اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر چومنے لگی تھی۔
"پھوپھو! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اماں جی کے پاس۔" نبیل کی معصوم عاجزی پر وہ تڑپ گئی۔
"ہاں بیٹا! میں آپ کو لے جاؤں گی۔" وہ نبیل کو یقین دلا کر ڈاکٹر وہاب کی طرف پلٹ کر ان سے کہنے لگی۔ "سر یہ میرا بھتیجا ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ اس حال تک کیسے پہنچا۔ اس کی مدر اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں اس کے بعد پتا نہیں سر اس کے ساتھ کیا ہوا۔ آپ مجھے اس کی کیس ہسٹری بتائیں گے۔ اور یہ کب سے یہاں ہے؟"
"سب بتاؤں گا۔ ابھی تم بچے کے پاس بیٹھو' یہ روزانہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں جلدی اسے ٹھیک کر دوں تاکہ یہ اپنی پھوپھو کے پاس جا سکے۔ شاید یہ تم سے زیادہ مانوس ہے۔" ڈاکٹر وہاب نے کہا۔
وہ سر ہلا کر نبیل کو دیکھنے لگی اسے حقیقتاً بہت دکھ ہو رہا تھا۔ زیادہ اس بات کا کہ نبیلہ بیگم نے محض ضد میں بچے کو اس حال تک پہنچا دیا تھا۔ اگر شروع ہی میں اسے اماں جی کے پاس چھوڑ جاتیں تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔
"آپ پہلے میرے پاس کیوں نہیں آ گئے بیٹا؟" ڈاکٹر وہاب کے جاتے ہی وہ نبیل پر جھک گئی۔
"ممی کہتی ہیں جب میں چلنے لگوں گا تب وہ مجھے آپ کے پاس بھیجیں گی۔" نبیل کا وہی سادہ و معصوم انداز تھا۔
"آپ بہت جلدی چلنے لگو گے اور میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" معاً خیال آنے پر اٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ کے عدیل چاچا آ گئے ہوں گے۔ میں انہیں لے کر آتی ہوں۔"
"عدیل چاچا!" نبیل خوش ہو گیا تو وہ اس کے گال تھپکتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ لفٹ مصروف تھی۔ اس نے انتظار نہیں کیا اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔
عدیل بھائی جانے کب سے آئے بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔
"سوری بھائی! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ معذرت کرتی ہوئی کہنے لگی۔ "میں فارغ تو پانچ بجے ہی ہو گئی تھی لیکن۔ چلیں آپ خود دیکھ لیں۔"
"کیسے؟" عدیل بھائی آفس سے آ رہے تھے اس لیے ان کا انداز تھکا تھکا تھا۔
"نبیل کو وہ یہاں ایڈمٹ ہے۔ میں نے بھی ابھی دیکھا ہے اسے۔" وہ انہیں نبیل کے بارے میں بتاتی ہوئی اوپر آئی تو انہیں بھی نبیل کو دیکھ کر خاصا دھچکا لگا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے بچے پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا نہ اسے کریدا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچا۔ اس کے برعکس ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کرنے کے ساتھ یہ یقین بھی دلاتے رہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے کیونکہ اس کی یہی تکرار تھی۔
"میں احمر اور سونیا کے ساتھ کھیلوں گا۔ اور وہ چھوٹا سا عمر وہ بھی میرا بھائی ہے نا؟" اس کے ذہن میں عمر

غالباً ابھی وہی دو تین ماہ کا تھا۔

"بیٹا! میرے چھوٹی دو گڑیاں اور ہیں۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ پھر وہ دونوں ہم آپ کو دے دیں گے۔ کیونکہ وہ بھی ہیں ہی آپ کی۔" عدیل بھائی نے اسے اشتیاق دلاتے ہوئے کہا۔

"سچ پھوپھو!" وہ شروع سے ہر بات کی تصدیق اسی سے کرواتا تھا۔

"ہاں بیٹا اور اب آپ آرام کرو۔ گھبرانا بالکل نہیں، ہم روزانہ آپ کے پاس آئیں گے۔ اور میں تو کل شام تک یہیں رہوں گی ٹھیک ہے اب ہم جائیں؟"۔

بچیوں کے ذکر پر وہ کچھ بے چین سی ہو گئی تھی جب ہی نبیل کو تسلی دے کر عدیل بھائی کو اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

راستے میں عدیل بھائی اور اس نے یہ طے کیا تھا کہ فی الحال گھر میں نبیل کا نہیں بتائیں گے کیونکہ شاید بڑا پوتا ہونے کے ناتے وہ اماں جی کو سب بچوں میں زیادہ پیارا تھا۔ اور یہ جان کر وہ ہاسپٹل میں ہے اماں جی کو اس کے پاس جانے سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ اور اسے دیکھ کر اماں جی کی جو حالت ہوتی تھی اس کے پیش نظر ہی دونوں نے یہ طے کیا تھا۔

"آج پہلے دن ہی ایمرجنسی لگ گئی تھی کیا؟" میمونہ بھابھی نے اس کی دیر سے آنے پر کہا تو اس سے پہلے عدیل بھائی بول پڑے۔

"نہیں۔ ہم لوگ ذرا گھومنے پھرنے نکل گئے تھے۔ بڑا مزہ آیا۔ آپ نہیں تھیں ناں اس لیے۔"

آسیہ بے ساختہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتی اماں جی کے کمرے میں آ گئی۔ ایک بچی ان کی گود میں تھی دوسری اس نے بازوؤں میں بھر کر سینے میں چھپالی۔ بڑا خوبصورت احساس تھا جو زندگی کی ساری کمیوں کو کہیں پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

شاہ سکندر ایک بار پھر احمد حسن کے سامنے بیٹھا تھا اور اس بار اس کے لہجے اور انداز میں وہ بے اختیاری نہیں تھی۔ پہلے کے برعکس بہت سنبھل کر بول رہا تھا۔

"میں آسیہ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن بچے کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا اب میرے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ آخر وہ میرا خون ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کیا کروں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" احمد حسن اس کی اتنی جلدی بات سے پھر جانے پر حیران تھا۔ "ویسے میرا خیال ہے تمہیں اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ تمہارا پہلا بچہ تو نہیں ہے۔"

"پہلا اور دوسرا کیا۔ ہر بچے کی اپنی محبت ہوتی ہے۔"

"مجھے ابھی تجربہ نہیں ہے بہرحال تم اگر اتنے ہی اسے دیکھنے اور سینے سے لگانے کو بے چین ہو تو اس کے لیے سیدھا سادا راستہ اختیار کرو یعنی آسیہ بلکہ نہیں ان کے والد کو فون کر کے کہو کہ تمہاری پدرانہ شفقت جاگ گئی ہے اور تم بچے کو دیکھنا چاہتے ہو۔" احمد حسن نے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اور اگر انہوں نے منع کر دیا تب؟" وہ احمد حسن کا معقول مشورہ رد نہیں کر سکا تو جرح پر اتر آیا۔

"یہ تم پہلے سے کیوں فرض کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی اعتراض نہ کریں۔" احمد حسن نے رسان سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولا۔

"تم نہیں جانتے انہوں نے مجھے آسیہ سے بھی نہیں ملنے دیا تھا۔ اگر اس وقت وہ اپنے رویے میں ذرا لچک پیدا کر لیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ میرا کیا گیا اپنی بیٹی کا گھر اجاڑا انہوں نے۔" وہ اب سارا الزام انہیں دے رہا تھا۔ "بجائے اسے سمجھانے کے مزید دماغ خراب کر دیا تھا اس کا۔ ورنہ وہ ایسی نہیں تھی۔ کبھی مجھ سے خفا نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے بہکایا اسے، ابھی بھی بہکائیں گے۔ اور میں اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔"

"دھیج سے سکندر! میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس معاملے کو الجھائیں گے۔ تم خود پر قابو رکھو اور یہ تو تم بھی جانتے

کروادے۔'' احمد حسن نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔
''میں کیا بات کروں گا، میری تو آواز سنتے ہی ادھر سے فون بند ہو جائے گا۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔
''اس کا مطلب ہے پہلے کوشش کر چکے ہو۔''
''اس سلسلے میں نہیں۔ اس سے پہلے جب میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا تو ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے تمام حالات بتا کر سمجھا سکتا۔''
''خیر، ان ساری باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہیں فون ملا دیتا ہوں، لیکن اس طرح غصے میں بات نہیں کرنا۔ بس سیدھے صاف لفظوں میں اپنا مقصد بیان کر کے ان کا جواب سن لو۔'' احمد حسن نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔
شاہ سکندر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔
''جی اصلاح الدین صاحب کا نمبر یہی ہے۔ پلیز انہیں بلا دیں۔'' احمد حسن ادھر سے ہیلو کے جواب میں بولا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شاہ سکندر سے کہنے لگا۔ ''کوئی خاتون تھیں اور غالباً بہت عجلت میں تھیں جبھی آپ کون اور کہاں سے بول رہے ہیں کا سوال نہیں اٹھایا، بہرحال اب بڑے صاحب سے تم خود بات کرو، میں اس معاملے میں انوالو نہیں ہونا چاہتا۔''
شاہ سکندر نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا اور ادھر سے جیسے ہی ہاں جی کی آواز سنائی دی کہنے لگا۔
''جی میں شاہ سکندر حیات، مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی اور نہ غیر ضروری۔ بس ایک بات کہنی ہے کہ میں اپنے بچے سے ملنا چاہتا ہوں۔''
''کیوں کا سوال آپ کو نہیں اٹھانا چاہیے کیونکہ میں آپ کی نہیں اپنی اولاد کی بات کر رہا ہوں اور منع کرنے کا بھی آپ کو بلکہ کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔''
''میرا مقصد صرف اور صرف اپنے بچے کو دیکھنا ہے اور بس۔''
''ٹھیک ہے۔ کل اسی وقت میں دوبارہ فون کروں گا۔'' شاہ سکندر فون رکھ کر احمد حسن کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔
''کیا کہا انہوں نے؟'' احمد حسن نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔
''کہہ رہے تھے بچے کی ماں سے بات کرنے کے بعد کوئی جواب دے سکیں گے۔''
شاہ سکندر جیسے کسی پرسکون ندی میں کنکر اچھال کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اس وقت احمد حسن کو جانے کیوں وہ عجیب سا لگا۔ کتنی دیر اسے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا پھر کہنے لگا۔
''ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی سکندر! کہ اس روز تو تم کہہ رہے تھے آپ کی زندگی میں تمہاری کسی بھی قسم کی مداخلت انہیں دکھ دے گی اور یہ کہ انہیں دکھ دینے کا تم نے کبھی سوچا بھی نہیں اور اب یوں لگ رہا ہے جیسے تم باقاعدہ انہیں پریشان کرنے کا سوچ کر آئے ہو۔ ہے ناں؟''
''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' شاہ سکندر نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا تھا۔ ''مجھے آپ اور ان کے گھر والوں سے کوئی مطلب نہیں ہے لیکن میں اپنے بچے کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ایسا کر کے میں ایک اور جرم کا مرتکب ہوں گا۔''
احمد حسن نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے خاموشی اختیار کر لی جسے محسوس کر کے شاہ سکندر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''اوکے۔ میں چلوں پھر انشاء اللہ جلد ملاقات ہو گی۔''
احمد حسن نے مصافحہ کرنے کے ساتھ بس مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

* * * *

اس نے اپنی زندگی کے نئے باب کو خدیجہ اور صباحت کے نام انتساب کیا تھا اور اس سے اگلے روز ہی اس نے

ان کے ساتھ نبیل کا نام بھی لکھ دیا تھا کہ اس بچے کی اس حالت کا ذمہ دار وہ صرف اس کی ماں نہیں [illegible]
تھی۔ کچھ قصور ان سب کا بھی تھا اور "خصوصاً" اس کا کہ جب وہ شروع ہی سے اس سے [illegible]
خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اپنی حد درجہ غفلت پر اب وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر پا رہی تھی۔ [illegible]
سے ہی اس نے ڈاکٹر وہاب سے کہہ کر اپنی ڈیوٹی تھوڑا کم کروا لی تھی۔ جہاں سب بچوں کے [illegible]
احساسات و جذبات ایک جیسے تھے۔ بس جب فارغ ہوتی تب نبیل کے پاس جا بیٹھتی اور اس کی [illegible]
محبت پر اس کا دل بھر آتا۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے ہاسپٹل جوائن کیے ہوئے اور اس دوران نبیل سے ملنے اس کی ممی اور [illegible]
کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ کئی بار اس نے نبیل سے پوچھا تو جواب میں اس نے بس "پتا نہیں" کہا۔ [illegible]
سے پوچھتے ہوئے اب اسے خود عجیب سا لگ رہا تھا۔ کہ بات صرف نبیل کی ماں کی غیر ذمہ داری [illegible]
اس کے باپ کا نام بھی آئے گا" اور وہ خود تسلیم کر رہی تھی لیکن وہی بات کوئی دوسرا کہے تو جانے کیوں [illegible]
محسوس ہوتا ہے۔ بہر حال اس وقت وہ نبیل کے پاس آکر بیٹھی تو ہلکی پھلکی باتوں کے دوران پوچھنے لگی۔

"یہ بتاؤ بیٹا! آپ کو یہاں ہاسپٹل میں کون چھوڑ کر گیا ہے؟"

"ڈیڈی۔" نبیل نے کہا تو وہ سمجھ گئی وہ اپنے نانا کو ڈیڈی کہہ رہا ہے۔

"اور آپ کی ممی کہاں ہیں؟"

"ممی چلی گئیں ڈیڈی نے انہیں پاپا کے پاس بھیج دیا ہے۔"

نبیل کا جواب بظاہر سیدھا سادا تھا لیکن اسے سوچ میں مبتلا کر گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ [illegible]
دوسری شادی کر چکی ہیں۔ اور اس سے اسے کوئی مطلب نہیں تھا اس لیے وہ موضوع بدل گئی۔ [illegible]
نبیل کو ایکسرسائز کروانے آئی تب وہ کمرے سے نکل کر آئی اور اسی وقت نبیلہ بیگم کے گھر فون کر ڈالا۔

"گھر میں صاحب یا بیگم صاحب جو بھی موجود ہیں انہیں بلاؤ۔ کہو ہاسپٹل سے فون ہے۔" ادھر کی [illegible]
آواز سن کر اس نے کہا تھا۔

"ہیلو۔" کچھ دیر بعد مردانہ آواز نبیل کے نانا کی تھی۔

"جی السلام علیکم! میں ڈاکٹر آسیہ بول رہی ہوں اور اس وقت میں ڈاکٹری حیثیت سے نہیں بلکہ [illegible]
کی حیثیت سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ پورے اعتماد سے بول رہی تھی۔

"جی فرمائیے۔"

"آپ لوگوں کے پاس اگر نبیل کے لیے وقت نہیں تھا تو اسے شروع ہی میں ہمارے یہاں کیوں نہیں [illegible]
یا جب ہاسپٹل میں لاوارثوں کی طرح ڈال گئے تھے تب ہمیں اطلاع کر دیتے تو کم از کم بچے کی یہ حالت [illegible]
آپ کو پتا ہے بیماری سے زیادہ اس پر تنہائی اثر انداز ہوئی ہے۔ بچہ ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔"

"تو آپ جوڑنے والے مل تو گئے ہیں اسے۔" غالباً تمسخر سے کہا گیا جس پر وہ سلگ کر بولی۔

"جی ہاں۔ یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے میں نے کہ آپ کو تو اس کی فکر پہلے بھی نہیں ہوئی [illegible]
دوسری کسی ذمہ داری سے بھی میں آپ کو آزاد کر رہی ہوں۔ اس کے ساتھ یہ اطمینان بھی دے رہی [illegible]
کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے ریسیور پٹخ دیا اور ان کی بے حسی پر کڑھ رہی تھی کہ معاً اسے اپنی [illegible]
اس کے ساتھ ہی سماہا بھی کی باتیں ذہن پر دستک دینے لگیں۔

"ذرا سوچو! آئندہ زندگی میں اس آنے والے بچے کا کیا کردار ہوگا۔ نبیل کا حال تم نے دیکھا [illegible]
دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے بھی بچہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔" خصوصاً [illegible]

"نہیں۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اسی وقت سے خود کو باور کرانے لگی [illegible]
صرف ماں ہی نہیں باپ بھی ہے۔ انہیں زندگی میں وہ بھی کسی محرومی کا احساس نہیں ہونے [illegible]

ازل سے ان کی قسمت میں لکھی گئی ہے اس کا بھی نہیں۔
رات میں بچیوں کو سلانے اور ان کے تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے بستر میں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی جب ابا جی نے اس کے دروازے میں آکر پوچھا۔
"تم سو تو نہیں رہیں بیٹا؟۔"
"نہیں ابا جی! آیئے۔" وہ چونک کر بولی تھی۔
"بچے سو گئے۔" ابا جی کمبل ہٹا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "یہ دروازہ بند کر لیا کرو۔ ہوا آتی ہو گی۔"
"جی بند کر دیتی ہوں۔"
"اور تمہارا کام میں دل لگ گیا۔ کوئی مشکل تو نہیں ہوتی۔" ابا جی اصل بات سے پہلے غالباً اسے بہلا رہے تھے۔
"نہیں کوئی مشکل نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ سارا دن بچوں سے دور رہنا پڑتا ہے خیر ابھی تو انہیں احساس نہیں ہو سکتا اور جب تک انہیں سمجھ آئے گی تب تک میں انشاء اللہ اپنا کلینک سیٹ کر کے دن کا زیادہ وقت ان کے ساتھ رہوں گی۔" وہ شاید کچھ دیر پہلے یہی سوچ رہی تھی۔
"ہوں۔" ابا جی نے کچھ سوچتے ہوئے انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔ "میں تم سے ایک بات کہنے آیا ہوں بیٹا! اور صرف تم سے اس لیے کہ میں نہیں چاہتا۔ کوئی زیادہ شور شرابا ہو اور تم بھی تحمل سے سنتا، تحمل سے سوچنا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پریشانی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔"
اس کا وجود برف ہونے لگا تھا اور نظریں ابا جی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔
"آج شاہ سکندر کا فون آیا تھا وہ اپنے بچے سے ملنا چاہتا ہے۔" ابا جی نے جانے قصداً یا انجانے میں اپنی سفید داڑھی کو دونوں ہاتھوں سے چھو کر کہا۔ جیسے شاہ سکندر خیال نہیں کر رہا تم اس کی لاج رکھنا۔
آسیہ نے پہلے نظریں جھکائیں پھر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔
وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اسے دکھ ہو رہا تھا کہ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود وہ اپنی زندگی کی ہتو کو طوفانی تھپیڑوں سے محفوظ نہیں رکھ سکے گی۔
"میں نے اس سے یہی کہا ہے کہ تم سے بات کرنے کے بعد جواب دوں گا۔" ابا جی قدرے رک کر بولے تھے۔ "اب بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟۔"
"میں کیا کہوں ابا جی! آپ جانتے ہیں۔ اسے بچے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا مقصد محض ہمیں تنگ کرنا ہو گا۔ جیسے۔ جیسے نبیلہ بھابھی نے کیا تھا۔" وہ گھٹنوں سے پیشانی اٹھا کر عاجزی سے بولی۔
"ہوں، میں سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا کریں۔ صاف منع بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ اور ضد میں آجائے گا اور خوامخواہ بات بڑھ جائے گی۔ اور میں بات بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں نے خلیل اور عدیل سے نہیں کہا۔ پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے معاملات اور مسائل کو تم خود ہینڈل کرنا سیکھو کیونکہ اب یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔" ابا جی نے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ بھائی بھی کب تک میرا ساتھ دیں گے۔" اس نے سوچا پھر ابا جی کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "آپ نے شاہ سکندر کو کب جواب دینے کو کہا ہے؟۔"
"وہ کہہ رہا تھا۔ کل ہی فون کرے گا۔"
"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو صبح بتاؤں گی۔" اس نے کہا تو ابا جی کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کر کھڑے ہوئے۔
"زیادہ ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا نہ خود کو کمزور سمجھنا۔ تم ان بچیوں کی ماں ہو اور ان کے لیے جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔" ابا جی نے دھیرے سے اس کا سر تھپک کر کہا تھا۔
"بچیاں اور وہ کیا کہہ رہا تھا بچہ؟۔" وہ پر سوچ انداز میں اپنے آپ سے بولی تھی۔

"ہاں بچے! اسے معلوم ہی نہیں کہ بیٹا کتنی بڑی خوشیاں ہیں" آسیہ کی خوشیوں کی [illegible]
تھے اور اپنے پیچھے اس کے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی [illegible]
کمبل درست کر کے ایک ساتھ وہ معصوم چہروں کو دیکھنے لگی جن کا اس خاندان میں بھی وہی مقام تھا جو اس نے [illegible]
سوچ رکھا تھا۔

"تمہارے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔" شاہ مکرم کی اس بات سے وہ اب بھی خائف تھی کہ کہیں
کوئی پھر سے اپنی بات پر ہٹ دھرمی کرنے کے لیے اس سے بیٹیاں چھین نہ لے جائے۔

"نہیں، نہیں۔" اس نے بے حد پریشان ہو کر بچیوں پر دوبارہ کمبل درست کیا۔ جیسے انہیں ساری دنیا سے چھپا لینا چاہتی ہو
اسی عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

سردیوں کی خاموش رات کا سفر سست روی سے جاری تھا اور اس کی کیفیت عجیب تھی جیسے کسی [illegible]
[illegible]

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ نماز کے بعد روزانہ کی طرح جیسے وہ [illegible] کے ساتھ [illegible] ناشتہ بنا کر [illegible]
پہلے اماں بی کے کمرے میں آ گئی۔

"اماں بی! صباحت کو تیار کر دیں۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ کیونکہ رات اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی
ہاسپٹل میں اس کا چیک اپ کرواؤں گی۔"

"پھر سارا دن کیا کرو گی وہاں؟" اسے سمجھانا چاہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ بس آپ تیار کر دیں۔" اس نے بے حد عجلت میں کہا اور ابا جی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر
اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

ابا جی فوراً ہی اس کے پیچھے آ گئے تھے۔

"بیٹے کیا بات ہے تم نے...؟"

"بس مکرم کا فون آئے تو اس سے کہہ دیجئے گا کہ ہاسپٹل آ کر بچے کو دیکھ لے اور آج ہی کیونکہ میں روز روز تو اسے
ساتھ نہیں لے جا سکتی۔" وہ بہت مدلل انداز میں بول رہی تھی۔

"اوہ اچھا۔" ابا جی کچھ حیران تھے۔

"نہیں ابا جی! اسے وجہ کا معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ کبھی نہیں۔" وہ ایک دم ابا جی کے سینے سے لگ گئی تو ابا جی اس کے
کاندھے کو دھیرے دھیرے تھپکتے ہوئے سمجھ گئے کہ وہ اندر سے کتنی خوفزدہ ہے اور اسی خوف کے باعث بیٹیوں
کو ہمیشہ کے لیے شاہ مکرم سے چھپا رہی ہے۔

"فکر مت کرو بیٹا! تم سے تمہارے بچے کوئی نہیں لے سکتا۔ چلو تیاری کرو ورنہ تمہاری وین یا ٹیکسی آنے والی ہو گی۔"
[illegible] وقت کا احساس دلایا تو وہ ان سے الگ ہو کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

پھر صباحت کا فیڈر اور [illegible] بیگ میں رکھتے [illegible] کی گاڑی کا ہارن بجنے لگا تھا۔ ادھر اماں بی مسلسل بولے
جا رہی تھیں۔ انہیں شاید بچی کو ہاسپٹل لے جانا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب خود ڈاکٹر ہے اسے چیک کر سکتی ہے تو وہاں
لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ ان کی ساری باتوں پر ہوں ہاں کرتی رہی اور پھر صباحت کو ان کی گود سے اٹھا کر
نکل آئی۔

"ارے! یہ بچی کس کی ہے؟" اس کے بیٹھتے ہی [illegible] نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میری بچی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو [illegible] اچھل پڑی۔

"ہائے! کیا نام ہے؟ تو کمال ہے میں اب تک نہیں [illegible]" وہ [illegible] کے لیے [illegible] سمت دیکھتے ہوئے [illegible] بات
ادھوری رہ گئی۔

"وہ ہاسپٹل میں میرا چیک اپ ہے، [illegible] تھا [illegible] میں اسے لے کر [illegible] کے ساتھ
اسے [illegible] کو ساتھ لے جانے کا ارادہ [illegible] تھا۔

"تمہارے بچے کے ساتھ [illegible] مجھے اس کی [illegible] آپ کبھی [illegible] ہے [illegible]

کے لیے کتنی قربانیاں دیتی ہیں۔" یاسمین تاسف سے کہہ رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ اس کی باتوں سے اس ماں کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔

پھر سارا وقت وہ بہت بے کل رہی تھی۔ ہر آہٹ پر اس کی دھڑکنیں بھی بہت تیز ہو جاتیں اور کبھی رکنے لگتیں۔ وقفے وقفے سے نبیل کے کمرے میں جا کر صباحت کو دیکھتی اور اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ کاش وہ یہاں سے بہت دور جا سکتی۔ جہاں تک شاہ سکندر کی سوچ کی بھی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ جانے وہ شخص اسے توڑنے پر کمربستہ کیوں تھا۔ وہ تو پہلے ہی بہت ٹوٹ چکی تھی۔

"شاہ سکندر حیات! تم اگر مجھے اپنے سامنے گڑگڑاتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہارے سامنے صرف ہاتھ ہی نہیں جوڑوں گی، تمہارے قدموں پر سر رکھ دوں گی، بس تم ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔ میں اپنی انا، خودداری اور اپنی ہستی کا غرور سب تمہارے سامنے مٹا ڈالوں گی، بس ایک وعدے پر کہ تم میری ممتا کو زک نہیں پہنچاؤ گے۔

میں جانتی ہوں، تم احساس برتری کا شکار ہو اور اس روز میرے تلخ رویے نے شاید تمہارے اس احساس کو چیلنج کیا ہے جو تم مجھ سے جینے کا بہانا بھی چھین لینا چاہتے ہو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں سکندر حیات! لیکن تم مجھے نہیں سمجھے۔"

معاً فون کی بیل سے اس کی سوچیں منتشر ہو گئیں۔ گہری سانس کے ساتھ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف ابا جی تھے اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگے۔

"بیٹا! شاہ سکندر تمہارے پاس آ رہا ہے۔"

"جی!" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"تم پریشان تو نہیں ہو بیٹا؟"

"نہیں نہیں ابا جی! میں پریشان نہیں ہوں۔ فیس کر سکتی ہوں اسے، آپ فکر نہیں کریں۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"اچھی بات ہے۔" ابا جی نے فون بند کر دیا تو وہ اٹھ کر نبیل کے کمرے میں آ گئی۔

نبیل سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑکی کے پاس رک کر سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھتی رہی پھر صباحت کو اٹھا کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ چوکیدار سے وہ پہلے ہی کہہ آئی تھی کہ کوئی اس کا پوچھے تو اس کے کمرے میں بھیج دے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شاہ سکندر کا وجیہہ سراپا دروازے میں نمودار ہوا تھا۔

"مے آئی کم ان ڈاکٹر!" شاہ سکندر نے انگلی موڑ کر دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا تو دھیرے سے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے وہ چند ثانیے کو ساکت ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم!" شاہ سکندر چند قدم آگے آ گیا، اور وہ جو بہت کچھ سوچ کر بیٹھی تھی۔ کوئی ایک بات نہیں کہہ سکی۔ بالکل مشینی انداز میں اٹھ کر ٹیبل کے پاس گئی اور کمبل میں لپٹی صباحت کو اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ واقعی میرا بچہ ہے۔؟" شاہ سکندر نے اس کے ہاتھوں سے صباحت کو لیتے ہوئے کہا۔ اس کے کسی انداز میں بے اختیاری تھی نہ بے قراری جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ واقعی پدرانہ شفقت سے مجبور ہو کر آیا ہے۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے میں نے بیٹی کی خواہش کی تھی اور اس معاملے میں میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میری ہر خواہش پوری ہوئی ہے خواہ اس کے لیے۔"

وہ ایک دم ہونٹ بھینچ کر رخ موڑ گئی۔ تب شاہ سکندر اس پر سے نظریں ہٹا کر بچی کو دیکھنے لگا۔ کتنی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی، وہ بچی پر جھکا تھا اور وہ پیٹھ موڑے کھڑی تھی، لیکن سرکتے لمحے گواہ تھے کہ دونوں طرف بظاہر ٹوٹنے جڑنے کا عمل جاری تھا۔

"میرا خیال تھا۔ تم مجھے بچے سے نہیں ملنے دو گی۔" خاموشی میں شاہ سکندر کی آواز نے بہت ہلکا سا ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"میں ایسا کر سکتی تھی اگر جو مجھ میں بار بار آپ کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہوتا حالانکہ اتنی کمزور تو میں کبھی نہیں تھی۔ لیکن شاید محبت انسان کو ایسا ہی بزدل بنا دیتی ہے۔ میں بہت ٹوٹ چکی ہوں شاہ سکندر حیات! مجھے اپنے سر پر آسمان ملتا ہے پاؤں تلے زمین۔ اگر کوئی سارا ہے تو ان خوب صورت لمحوں کا، جن میں رفاقتوں کا مان تھا۔ رفاقتیں ٹوٹ گئیں لیکن مان

جانے کیوں سلامت ہے اور اسی کے بھروسے پر میں آپ سے التجا کر رہی ہوں۔"
اس نے بہت دھیرے دھیرے شاہ سکندر کی طرف رخ موڑا تو اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی اور بندھے ہاتھ دیکھ کر
ساکت ہو گیا تھا۔
"مجھے بار بار ٹوٹنے سے بچالیں شاہ سکندر! یہ بچی مجھے بخش کر ہمارے لیے اجنبی ہو جائیں۔ شاید اس طرح میں بھی
ورنہ آپ کی بار بار آمد مجھے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
"مم... میں بچی لینے تو نہیں آیا۔ میں تو صرف۔"
شاہ سکندر کے اندر دہکتے الاؤ پر جیسے قطرہ قطرہ شبنم ٹپکنے لگی تھی کہ اس روز سر راہ اس کے غرور کو پیروں تلے روندنے
جانے والی اس وقت ہاتھ جوڑے اپنی کم مائیگی، کم ہمتی کا اعتراف کر رہی تھی۔
"میں تمہارا مان نہیں توڑوں گا آسیہ! وہ رفاقتیں جو خواب ہو گئیں، ان کی ایک زندہ حقیقت یہ بچی تمہاری ہے۔" وہ
ہمیشہ والی پر تمکنت چال سے اس کے قریب آیا اور بچی اس کے بازوؤں میں تھما کر کہنے لگا۔ "اس کے لیے تم مجھ سے جو
چاہو لے سکتی ہو۔ اسی وقت۔"
"بس ایک وعدہ۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔
"میں تمہارے کہے بنا وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد اگر تمہارے راستے میں رکنے اور تمہیں پکارنے کا سزاوار ہوا تو خود
کو تمہارے سامنے شوٹ کر لوں گا۔ ہاں اگر تمہیں کبھی اس بچی کے لیے میری ضرورت پڑے تو پکار لینا۔" وہ جانے کے
لیے پلٹا پھر ایک خیال کے تحت اچانک رک کر کہنے لگا۔ "یہ وعدہ تو تمہارے لیے ہے اور بچی۔"
"بچی کی بہتری اسی میں ہے، والدین کے درمیان کش مکش بچوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میرے
بچے۔" اس نے فوراً "نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔ "آپ یقیناً میری بات سمجھ گئے ہوں
گے میں اسے مکمل دیکھنا چاہتی ہوں۔"
شاہ سکندر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تو اپنی حکمت عملی
پر جہاں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی، وہاں اندر ڈھیروں اطمینان اتر آیا تھا۔
"میری بچی، میری گڑیا!" اس نے صباحت کو اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

"بس میمونہ بھابھی! اب مجھے کوئی فکر نہیں۔ شاہ سکندر اب کبھی میرے راستے میں آئے گا نہ بچوں کے سلسلے میں تنگ
کرنے کی کوشش کرے گا۔" رات میں وہ میمونہ بھابھی کو اپنا کارنامہ بتا کر کہنے لگی۔ "میں سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنی اس روز کی
توہین کا بدلہ لینے کے لیے مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے اور میں نے پہلے ہی مقام پر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کی انا
کو تسکین پہنچا دی۔"
"ہاتھ جوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟" میمونہ بھابھی کو بہت برا لگا۔
"ضرورت تھی بھابھی! ورنہ وہ ساری زندگی ہمارے درمیان موجود رہتا۔ گو کہ وہ کیس کر کے بھی ہار جاتا لیکن بچیوں سے
ملتے رہنے کا حق حاصل کر سکتا تھا اور اور ظاہر ہے ہمیں کورٹ کا فیصلہ ماننا پڑتا پھر میرے لیے یہ مسلسل ٹینشن ہوتی کہ ہر
ہفتے وہ بچیوں سے ملنے آ رہا ہے اس لیے میں نے بہت سوچ کر اس کے سامنے خود کو بہت مجبور اور بے بس ظاہر کیا اور وہ یہی
چاہتا تھا جب ہی بڑے آرام سے وعدہ کر گیا ہے کہ آئندہ کبھی میرے راستے میں نہیں آئے گا۔"
اس نے کہا تو میمونہ بھابھی نے یوں سر جھٹکا جیسے انہیں شاہ سکندر کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہ ہو، پھر موضوع بدل گیا۔
"اچھا سنو، وہ عدیل کی شادی کا کیا پروگرام ہے؟ اماں جی نائلہ کے لیے تو نہیں مان رہیں۔"
"میں بھی نہیں مان رہی۔ میرا مطلب ہے، میں بھی نہیں چاہتی کہ عدیل بھائی کی شادی وہاں ہو۔ ہم کوئی اور لڑکی دیکھ
لیتے ہیں۔" اس نے کہا۔
"لڑکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن۔"
"لیکن ویکن کچھ نہیں بھابھی! ہم بس کوئی اور لڑکی دیکھیں گے۔ یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ مجھے نائلہ یا اس کے

گھر والوں سے کوئی بغض ہے بلکہ صرف اس لیے کہ شاہ سکندر کا وہاں بہت آنا جانا ہے وہ ثانیہ کی شادی میں بھی ضرور آئے گا اور ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی میل جول رکھتی ہو کہ عدیل بھائی بھی پسند نہیں کریں گے اور خوامخواہ کی بدمزگی ہو گی۔ ایک آئے دن جھگڑا رہے گا۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" خلاف توقع میمونہ بھابھی نے فوراً اتفاق کر دیا پھر پوچھنے لگیں۔ "اور کوئی لڑکی۔؟"

"خاندان میں تو کوئی ہے نہیں اور آس پڑوس کا مجھے نہیں پتا۔ ایک تو میرے بھائی سارے بس ایسے ہی ہیں ساری لڑکیوں کو ماں بہن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔" اس کی بات پر میمونہ بھابھی اچھل پڑیں۔

"اللہ رے بہن کی خوش فہمی۔ اتنے شریف نہیں ہیں تمہارے بھائی سب کا پتا ہے مجھے۔"

"اچھا!" وہ میمونہ بھابھی کے اچھلنے پر بے ساختہ ہنسی تھی۔ "کیا پتا ہے؟"

"یہی کہ دس میں سے ایک کو ماں کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک کو بہن کی اور باقی آٹھ کو۔"

"دیکھتے ہی نہیں۔" اس نے فوراً ان کی بات اچک لی۔

"دیکھتے ہی نہیں۔" میمونہ بھابھی نقل اتار کر بولیں۔ "بھینگے ہو جاتے ہیں۔"

وہ ہنستی ہوئی الماری کھول کر صبح کے لیے کپڑے نکالنے لگی۔ پھر ایک سوٹ ہاتھ میں لے کر بیٹھی تو اپنے آپ سے کہنے لگی۔

"کپڑوں کی بہت پرابلم ہو گئی ہے۔ سارے تو وہیں چھوڑ آئی تھی۔"

"ہاں میں بھی یہی دیکھ رہی ہوں کہ کچھ مخصوص جوڑے ہیں تمہارے پاس ذہن پہن کر جاتی ہو اور بہانے سے بہتر ہے کہ اپنا سوٹ کیس لے آؤ بلکہ اور چیزیں بھی۔" میمونہ بھابھی نے اس کی بات سن کر کہا تو وہ بے دھیانی میں انہیں دیکھنے لگی۔

"غلط تو نہیں کہہ رہی میں، تم اپنا ضروری سامان لے آؤ۔ چابی تو ہو گی تمہارے پاس۔"

"جی، لیکن میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔" اس نے چونک کر کہا۔

"کیوں اپارٹمنٹ تمہاری ملکیت ہے اور وہاں کی ہر چیز بھی۔ میں تو کہتی ہوں۔ سارا سامان اٹھوا لو اور اپارٹمنٹ کرائے پر دے دو، ہر مہینے کچھ پیسے ہی مل جایا کریں گے۔" میمونہ بھابھی کی بات ٹھیک تھی۔ جب ہی اس نے اختلاف نہیں کیا۔ بس خاموش ہو رہی تھی۔

"اب تم کپڑے استری کرو گی۔؟" میمونہ بھابھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی آپ کو کوئی کام ہے؟۔" اس نے رک کر پوچھا۔

"نہیں، میں اب سونے جا رہی ہوں۔ صبح عمر کا ایڈمیشن کروانے جانا ہے۔"

"ماشاء اللہ، تین سال کا ہو گیا۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے۔ عدیل بھائی نے بھتیجے کی خوشخبری سنائی تھی۔

"ہاں ہونے والا ہے۔"

میمونہ بھابھی کہتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئیں تو اس نے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کو دیکھا پھر کرسی پر ڈال کر لائٹ آف کرتے ہوئے لیٹ گئی۔ شاید عمر کی پیدائش کے ساتھ ہی اسے وہ حادثہ یاد آیا تھا جس نے اس کی زندگی کو خوب صورت موڑ دیا تھا۔ اس وقت وہ خوب صورت موڑ ہی لگتا تھا۔ سیدھی سپاٹ زندگی میں رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔ کتنا اچھا لگتا تھا۔ وہ کتنی دیر اپنے دل کی بستی کو ٹٹولتی رہی۔ جس میں ہر روز اس کے نام کے پھول کھلا کر اس نے یقین سے کہا تھا کہ اس بستی کو اجاڑنے کی سعی وہی کر سکتا ہے جسے اس سے "اس کی زندگی سے پیار نہ ہو۔"

"تو شاہ سکندر حیات! تمہیں کبھی مجھ سے پیار تھا ہی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر کناروں سے راستہ بناتے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ بہت مضطرب ہو گئی تھی وہ رات کے جانے کس پہر غنودگی مہربان ہوئی تھی۔

رات کا اضطراب باقی تھا جو وہ اپنی ڈیوٹی سے انصاف نہیں کر پا رہی تھی۔ کافی سستی تھی۔ ڈاکٹر وہاب اور ڈاکٹر ثنا نے تو انہوں نے ایک بار اسے ٹوکا تھا اور ڈاکٹر ثمین اب کوئی جو بھی بار بار ٹوک رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر پر آرام کرتیں۔ کیوں چلی آئیں۔؟"

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس رات میں بچیوں کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے بوجھل سی ہو رہی ہوں۔" اس نے اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"چائے منگواؤں یا ایسا کرو اپنے کیبن کے کمرے میں جا کر ایک آدھ گھنٹے کے لیے سو جاؤ۔" یاسمین کے مشورے کو اس نے سہولت سے رد کر دیا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے چائے پینے سے میں فریش ہو سکتی ہوں۔"

یاسمین نے دروازے تک جا کر کسی سے چائے کا کہا پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کتنے بچے ہیں تمہارے۔؟"

"دو بیٹیاں ہیں۔"

"جہاں تم رہتی ہو وہ علاقہ تمہارا اپنا گھر ہے اور تمہارے میاں کہاں ہوتے ہیں۔؟"

یاسمین کے انداز میں کوئی تجسس نہیں تھا۔ بلکہ وہی عام سی باتیں تھیں عام سا انداز۔

"مجھے طلاق ہو چکی ہے اس لیے اب میں اس شخص کے بارے میں بھی نہیں جاننا چاہتی کہ وہ کہاں ہوتا ہے اور دوسری کے بارے میں کوئی اور بات کرنا چاہتی ہوں پلیز۔"

اس نے سچ بول کر یاسمین کو مزید سوال جواب سے روک دیا تو وہ طلاق کا سن کر حیران ہو رہی تھی قدرے رک کے لگی۔

"افسوس کا اظہار تو کرنے دو یا وہ بھی نہیں۔"

"نہیں۔" اس نے کرسی کی پشت پر سر رکھ کر پلکیں موند لیں تو کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے جب ہی چائے آ گئی۔

تب اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور فوراً چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"مجھے تم بہت مضطرب لگ رہی ہو۔" یاسمین سے رہا نہیں گیا۔ "کیا اسی سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے۔ تمہارے اس شخص کی طرف سے۔؟" اس نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"پھر کیا بات ہے۔؟"

"کوئی بات نہیں ہے یار اب ٹھیک ہے۔" وہ خالی کپ ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نبیل کے کمرے میں ہوں۔ ڈاکٹر صاحب پوچھیں تو بتا دینا۔"

"اور ڈاکٹر احسان پوچھیں تو کیا کہوں۔" یاسمین کے معنی خیز انداز پر وہ جاتے جاتے پلٹ گئی۔

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب یہ کہ انہیں تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔ ہر آدھے گھنٹے بعد آ کر پوچھتے ہیں کہ تم کہاں ہو کیا کر رہی ہو وغیرہ وغیرہ۔" یاسمین کا انداز چھیڑنے والا تھا جس سے اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں ابھر آئیں اور وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"اگر تم یہ کہہ رہی ہو تو اب ان کے پوچھنے پر بتا دینا کہ میں اپنے بچے کے پاس ہوں۔"

"یعنی۔" سوالیہ انداز میں یاسمین کی ابروؤں نے جنبش کی۔

"نبیل میرا اپنا ہے۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

نبیل کو سسٹر [illegible] کروا رہی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو کر دور سے دیکھنے لگی۔ وہ اب پہلے کی طرح [illegible] نہیں رہا تھا۔ اس کی صحت اچھی ہو رہی تھی اور سہارا لے کر کھڑا بھی ہو جاتا تھا لیکن چل نہیں [illegible] تھا۔ [illegible] ابھی بھی وہ [illegible] رہی تھی کہ سسٹر [illegible] کرنے کا خوف تھا۔ جو قدم اٹھانے سے ڈرتا تھا [illegible] کانپنے لگا۔

"ڈرو نہیں ہمت سے کام لو۔ آپ تو بہت بہادر ہو۔ آؤ میرے پاس آؤ۔" وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ کر بولی۔

"نہیں پھوپھو! میں نہیں چل سکتا۔" نبیل نے بے بسی سے کہا تو اس نے [illegible]

"میرے ساتھ چلو میں آپ کو گرنے نہیں دوں گی۔"
"نہیں۔" نبیل اپنے دونوں بازو اس کی کمر میں ڈال کر اس سے چپک گیا۔ "میری ٹانگوں میں درد ہو رہا ہے مجھے بیڈ پر لٹا دیں۔ جلدی کریں پھوپھو میں گر رہا ہوں۔"
"اوکے بیٹا! اوکے۔" اس نے سسٹر کی مدد سے اسے بیڈ پر لٹایا پھر سسٹر کو جانے کا کہہ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔
"اس طرح تو آپ اماں جی کے پاس نہیں جا سکو گے۔ پتا ہے وہ آپ کو کتنا یاد کرتی ہیں۔"
"اماں جی میرے پاس کیوں نہیں آتیں؟" نبیل نے پوچھا۔
"آئیں گی۔" اس نے مختصر جواب دے کر موضوع بدلا اور پھر ادھر ادھر کی باتوں میں اس کا اور شاید اپنا بھی دھیان بٹانے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کے دن اس نے صبح ہی میمونہ بھابھی سے کہا تھا کہ آج وہ اس کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ چلیں۔ وہ اپنا سوٹ کیس لانا چاہتی ہے اور انہوں نے منع تو نہیں کیا تھا لیکن گھر کے کاموں سے نکل ہی نہیں پا رہی تھیں۔ مرد گھر پر ہوں تو کام بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بھی خلیل بھائی ان کے سر پر سوار تھے۔ تب ابا جی سے اجازت لے کر عدیل بھائی سے ان کی گاڑی لے کر نکلی۔ احمد اور سونیا کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔
جانے کتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی جسے کبھی وہ اس دنیا پر اپنی چھوٹی سی جنت کہا کرتی تھی۔ ہر چیز اپنی جگہ اسی طرح موجود تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک ایک قدم پر رک کر دیکھتی رہی یوں لگ رہا تھا جیسے خواب میں چل رہی ہو جبکہ اس کے اندر سناٹوں کا راج تھا۔
"پھوپھو! یہ دروازہ کھول دیں۔" احمد کے پکارنے پر اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر بیڈ روم میں آئی تو وہ ٹیرس پر جانے کو بے چین کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کے کنڈی گرانے کے ساتھ تنبیہ کی۔
"خبردار۔ گرل کے اوپر چڑھ کر نیچے نہیں جھانکنا اور شور بھی نہیں کرنا۔"
"سونیا کو منع کریں۔ یہ بہت شور کرتی ہے۔"
"میں دونوں سے کہہ رہی ہوں اور اگر تم دونوں آرام سے بیٹھو گے تو میں واپسی میں تمہیں بہت اچھی آئس کریم کھلاؤں گی۔" اس نے آئس کریم کا لالچ دے کر دونوں کو خوش کر دیا۔ پھر اندر آ کر پہلے اپنا سوٹ کیس اتارا اور اس میں سے سارے بھڑکیلے کپڑے نکال کر الماری میں ڈالے اور وہاں سے سارے سوٹ نکال نکال کر سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔
اس کام میں اسے گھنٹہ بھر لگ گیا اور اتنی دیر میں احمد اور سونیا ٹیرس سے اکتا کر کمروں میں اپنے مطلب کی چیزیں تلاش کرنے میں لگ گئے تھے اور اس نے انہیں ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں۔ نہ ہی کسی چیز کو چھیڑنے سے منع کیا کیونکہ یہ ساری باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں کسی کے سامنے جواب دہی کا خدشہ ہو اور وہ ایک تو ان خدشات سے عاری ہو چکی تھی دوسرے ہر شے اس کی نظروں میں اپنی پہلے والی اہمیت کھو چکی تھی پھر وہ کیوں منع کرتی۔ پورے دھیان سے اپنے کام میں مصروف رہی۔ کپڑوں کے بعد سینڈلز بھی نکال کر رکھیں پھر اور دوسری چیزیں سوچ رہی تھی کہ سونیا آ کر پوچھنے لگی۔
"پھوپھو! آپ مدیحہ اور صباحت کو لے کر یہاں آ جائیں گی۔؟"
"نہیں بیٹا! یہاں کیوں آؤں گی۔" اس نے بے دھیانی میں جواب دیا۔
"پہلے بھی تو آتی تھیں انکل کے ساتھ۔ وہ انکل کہاں چلے گئے؟" سونیا کے اگلے سوال نے اسے چکرا دیا۔ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ اس بچی کو مطمئن کرنے کے لیے کیا کہے۔
"بتائیں پھوپھو! انکل کہاں چلے گئے؟ میں نے بہت دنوں سے انہیں نہیں دیکھا۔" سونیا نے دوبارہ اصرار سے پوچھا تو وہ سوٹ کیس بند کرتے ہوئے بولی۔
"وہ باہر چلے گئے جیسے نبیل کے پاپا، آپ کے پاپا ابو۔"
"پاپا ابو نے ہمیں کھلونے بھیجے تھے۔ انکل بھی بھیجیں گے۔"
"نہیں۔ تمہیں میں دلا دوں گی۔ اب جلدی سے جا کر دیکھو احمد کیا کر رہا ہے۔"

اس نے اگلے سوال سے بچنے کی خاطر فوراً اس کی توجہ احمد کی طرف مبذول کرائی پھر گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔
"اس چالاکو کو اس کو ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔"
"پھوپھو! احمد بھائی ٹیپ کے بٹن خراب کر رہے ہیں۔" سونیا نے لاؤنج سے چلا کر اسے اطلاع دی تو احمد اس سے اونچی آواز میں بولا۔
"خراب نہیں کر رہا پھوپھو! کیسٹ لگا رہا ہوں۔"
"افوہ!" وہ قدرے جھنجھلا کر کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ کیسٹ سے ابھرتی آواز نے دروازے میں ہی اس کے قدم روک دیے۔

جب کوئی پیار سے بلائے گا
تم کو ایک شخص یاد آئے گا

وہ بس ایک پل کو رکی تھی۔ دوسرے پل تیزی سے ٹیپ ریکارڈ کا پلگ ہی کھینچ لیا اور غصے سے بولی۔
"سخت غلطی کی ہے میں نے تم دونوں کو لا کر۔ چلو واپس۔"
"پھوپھو! میں نے تو کچھ نہیں کیا۔" سونیا بسور کر بولی۔
"بس اب رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو اپنے اپنے شوز پہنو۔ میں جا رہی ہوں۔"
اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ کمرے میں جا کر پہلے ٹیرس کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کیا پھر سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی تقریباً دونوں کو خاموشی سے شوز پہنتے دیکھ کر اسے ان پر پیار آ گیا پھر بھی قدرے رعب سے بولی۔
"چلو ابھی تم دونوں کو آئس کریم بھی کھلانی ہے اور میں سوچ رہی تھی تم دونوں کو نبیل کے پاس بھی لے جاؤں گی لیکن اب صرف آئس کریم۔"
"آئسکریم نہیں پھوپھو! ہم نبیل بھائی کے پاس جائیں گے۔" سونیا نے آئس کریم پر نبیل کو ترجیح دے کر اسے خوش کر دیا تھا۔ وہ آگے آ کر اس کا گال تھپکتی ہوئی بولی۔
"اب دیر ہو گئی ہے۔ نبیل کے پاس اگلے اتوار کو لے چلوں گی۔ ٹھیک۔"
"ٹھیک ہے۔" دونوں خوش ہو گئے۔
"چلو یہ سوٹ کیس باہر نکالو۔ میں کمرے بند کر لوں۔" اس نے سوٹ کیس ان دونوں کے حوالے کر دیا پھر کمروں کے دروازے لاک کر کے پلٹی تو جانے کیا خیال آیا۔ ٹیپ ریکارڈر میں سے کیسٹ نکال کر پرس میں رکھ لی تھی۔
"ہاں بھئی کون سی آئس کریم کھاؤ گے؟" راستے میں اس نے ایک کولڈ کارنر دیکھ کر گاڑی روکتے ہوئے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگی۔ "جاؤ اپنی اپنی پسند سے لے آؤ۔"
احمد اور سونیا فوراً اتر کر دوکان میں داخل ہو گئے تو اس نے شیشہ گرا کر دکاندار کو انہیں آئس کریم دینے کا اشارا کیا پھر پرس کھول کر پیسے نکال رہی تھی کہ قریب گاڑی رکنے کے ساتھ اسے مخاطب کیا گیا۔
"ایکسکیوزمی۔"
اس نے سر اونچا کر کے آواز کی سمت گردن موڑی اور احمد حسن کو دیکھ کر بغیر کسی تاثر کے بولی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم سلام وہ ایسا ہے کہ میں آپ کو دیکھ کر نظر انداز نہیں کر سکا۔ کیسی ہیں آپ؟" احمد حسن نے اس کے برا ماننے کے خیال سے تمہید باندھی جسے وہ یکسر نظر انداز کر گئی۔
"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں بلکہ یہ پوچھنا چاہیے کہ ابھی تک اکیلے کیوں نظر آ رہے ہیں؟"
"اکیلی تو آپ۔" وہ کہنے جا رہا تھا کہ اکیلی تو آپ ہو گئی ہیں لیکن فوراً احساس ہونے پر خاموش ہو گیا اور وہ سمجھ کر خفا ہو کر بولی۔
"میں اکیلی نہیں ہوں۔"
"آئی ایم سوری۔ میرا مقصد کچھ جتانا نہیں تھا بلکہ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ سے افسوس کا اظہار کس طرح کروں۔" احمد حسن نے معذرت کے ساتھ کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے قصداً سرسری انداز اختیار کیا اور دونوں بچوں کو دیکھنے لگی۔
"پھر بھی پتہ اچھا نہیں ہوا۔ میں اور میری والدہ بھی آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔ یقین کریں شاہ سکندر نے ہمیں بتایا ہی نہیں تھا کہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا اور قدرے رکھائی سے بولی۔
"میں کسی کو الزام نہیں دیتی۔"
"یہ آپ کی بڑائی ہے ورنہ۔" احمد حسن پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ وہ احمد اور سونیا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور ان کے بیٹھنے کے بعد ہاتھ بڑھا کر دروازہ لاک کیا پھر ایک نظر اسے دیکھ کر بولی۔
"او کے خدا حافظ۔" اس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

* ☆ * ☆ *

شاہ سکندر کو اپنے بیٹے آغا کے ایڈمیشن کے سلسلے میں مری جانا تھا۔ جہاں اس کے دوسرے بھتیجے بھتیجیاں پڑھتے تھے لیکن مہرالنساء اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔ کیونکہ ان ہی دنوں اس کی ڈلیوری متوقع تھی۔ اور وہ چاہتی تھی شاہ اس کے ساتھ رہے۔ جس پر وہ بے حد جھنجلایا ہوا تھا۔
"ادھر ایڈمیشن کی ڈیٹ نکل گئی تو پھر ایک سال ضائع ہو جائے گا بچے کا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔ یہاں تم اکیلی تو نہیں ہو۔ بی بی جان، بھابھی جان ہیں، آخر پہلے بھی تو یہی خواتین تمہارے ساتھ تھیں۔"
"پہلے کی بات نہیں کریں۔ اس وقت آپ میرے نہیں تھے پھر بھی مجھے آپ کا بہت انتظار رہا تھا، اتنا کہ میں بچے کی خوشی بھی نہیں منا سکی تھی۔" وہ منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔
"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ مجھے آغا کو اسی سال اسکول داخل کرنا ہے ورنہ وہ اپنی عمر کے بچوں سے پیچھے رہ جائے گا اور یہ میں نہیں چاہتا۔ تم بھی سن لو پڑھائی کے معاملے میں میں کسی قسم کی رعایت نہیں دوں گا۔ تم اگر ٹھیک ہوتیں تو تمہیں بھی ساتھ لے چلتا اب مجبوری ہے۔ میں بس دو دن میں واپس آجاؤں گا۔" اس نے قدرے نرم پڑ کر کہا تو مہرالنساء نے کچھ بے یقینی سے پوچھا۔
"پکی بات ہے؟۔"
"ہاں، مجھے اور کوئی کام نہیں ہے وہاں، بس آغا کا ایڈمیشن کروا کے واپس آجاؤں گا۔" اس نے یقین دلایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ "تم ابھی اس کی پیکنگ کر دو تو میں صبح ہی نکل جاؤں گا پھر پرسوں شام میں میری واپسی بھی ہو جائے گی۔"
"پرسوں شام ٹھیک ہے۔" وہ پیکنگ کے خیال سے کھڑی ہوئی پھر ایک دم رک کر بولی۔ "شاہ! میں آغا کے بغیر کیسے رہوں گی۔؟"
"جیسے یونس بھائی اور جہانگیر بھائی کی بیگمات رہتی ہیں۔ بچوں کی بہتری کے لیے یہ عارضی دوری سہنی پڑتی ہے مہرالنساء اور ابھی تو یہ یہیں مری جا رہا ہے جبکہ مجھے اسے باہر بھی بھیجنا ہے جہاں سے اعلیٰ تعلیم کے بعد جب یہ لوٹے گا تو نظر لگ جانے کے خیال سے تم اسے دیکھنے سے گریز کرو گی۔
مائی سن آغا، وِن ہی دل ریٹرن فرام امریکہ ہی ول ویل ایجوکیٹڈ، ویل مینرڈ اینڈ ویل پرسنالٹی لائیک می۔" اس نے مہرالنساء کو روشن کل کی جھلک دکھا کر خوش کر دیا تھا۔
"اے کمانڈو! ادھر آؤ۔" اس نے آغا کو متوجہ کر کے اپنے پاس بلایا تو وہ لاپروائی سے بولا۔
"میں کھیل رہا ہوں۔"
"سارے کھیل بند۔ اب صرف پڑھائی ہو گی۔" اس نے خود ہی اٹھ کر اسے گود میں اٹھا لیا جس پر وہ احتجاج میں ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔

◇◇◇◇◇◇ ♡ ◇◇◇◇◇◇

"بدتمیزی نہیں۔" اس نے ٹوکا تھا کہ مہرالنساء فوراً بول پڑی۔
"بچہ ہے۔ اسے کیا پتا، بدتمیزی کیا ہوتی ہے۔"
"کل تو چلے جانا ہے پھر مہرالنساء سے الجھنے کا فائدہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رہ گیا اس خیال سے کہ بچے کو کون سا یہاں رہنا ہے۔

جو بالکل جاہل عورت تو نہیں تھی لیکن ضد میں اس کی ہر بات کا الٹ ضرور کرتی تھی۔ اور وہ کافی حد تک اسے سمجھتا اس لیے محض اپنا موڈ خراب ہونے کے خیال سے خاموشی اختیار کر لیتا تھا۔

پھر صبح ناشتا کرتے ہی وہ آغا کو لے کر کراچی کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاں سے دس بجے اسے اسلام آباد کی فلائٹ مل گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ جہانگیر بھائی کی چھوٹی بیٹی کے ایڈمیشن کے سلسلے میں ان کے ساتھ گیا تھا۔ تو تمام راستے ان پر خفا ہوتا رہا تھا کہ اتنی سی بچی کو آپ ہاسٹل میں چھوڑ دیں گے۔ اور اب اپنے بچے کو چھوڑتے ہوئے بھی اس کی وہی کیفیت تھی کہ مہرالنساء سے تو کہہ دیا تھا کہ بچوں کی بہتری کے لیے ان کی عارضی دوری سہنی پڑتی ہے۔ لیکن خود کو یہ بات سمجھانے میں اسے کچھ وقت لگا تھا کیونکہ یونس بھائی اور جہانگیر بھائی کے بچے بھی وہیں تھے اور بڑے والے تو اچھے خاصے سمجھدار اور بچے تھے پھر بھی واپسی کا تمام راستہ وہ بہت بے کل رہا تھا۔ جیسے چھوٹے سے بچے کو کہیں تنہا چھوڑ آیا ہو۔ یہ اس کی فطری محبت تھی جو اسے بے چین کرتی رہی تھی۔ اور اتفاق سے کوئی ساتھ بھی نہیں تھا جس کے ساتھ باتوں میں دھیان بٹ جاتا۔

بہرحال جب کراچی ائرپورٹ سے باہر نکلا تو ڈرائیور کو اپنا منتظر دیکھ کر کافی متعجب ہوا کیونکہ مہرالنساء نے اس کے آنے کا دن واپسی کا طے ضرور کیا تھا لیکن خود اسے بھی یقین نہیں تھا کہ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق آسکے گا۔ اس لیے جاتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو بھی تاکید نہیں کی تھی کہ وہ اسے لینے پہنچ جائے۔ جب ہی حیران تھا اور بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟۔"

"بڑی بیگم صیب نے۔ وہ ادھر اسپتال میں ہیں۔" ڈرائیور نے بتایا تو وہ متوحش ہو گیا۔

"خیریت تو ہے ناں؟۔"

"جی صیب۔" ڈرائیور نے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بس اس قدر کہا تو اس نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا۔

"اور کون ہے ان کے ساتھ؟۔"

"جی آپ کی بیگم صیب۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ چلو ادھر ہی چلو۔" وہ سارا معاملہ سمجھ کر اطمینان سے ہو گیا اور بیٹھتے ہی اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا پھر اس شغل سے نکلا اس وقت جب ڈرائیور نے ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روک کر اسے مطلع کیا تو اخبار رکھتے ہی وہ چونک کر دیکھنے لگا جبکہ ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔

"سکندر راوہ مہرالنساء تھی ہیں نے اسے دیکھا تھا۔ شاید ڈلیوری کے لیے آئی تھی اس کی گود میں بچہ بھی تھا۔"

"شٹ اپ آسیہ۔" اس وقت اس نے چلا کر اسے خاموش کر دیا تھا اور اب اس کا سامنا ہونے کا خیال اسے پریشان کر گیا، حالانکہ اس کی بیوی اور بچے کے بارے میں وہ جان چکی تھی پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی اس پر یہ راز افشا ہو گا، کتنی دیر بعد وہ گاڑی سے اتر کر اندر آیا اور بہت محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد کاؤنٹر پر کھڑی نرس سے مہرالنساء کا پوچھا تو وہ رجسٹر دیکھ کر بتانے لگی۔

"مہرالنساء ابھی دو گھنٹے پہلے ایڈمٹ ہوئی ہیں۔ ان کا پہلا کیس بھی نارمل نہیں تھا اور ابھی بھی بچہ آپریشن سے ہو گا۔ آپریشن کے بارے آپ ڈاکٹر فرزانہ حسین سے معلوم کریں۔"

"ڈاکٹر فرزانہ حسین؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو نرس اس کے عقب میں اشارہ کر کے بولی۔

"ادھر رائٹ ہینڈ، روم نمبر فور میں ملیں گی۔"

"تھینک یو۔" وہ جاتے جاتے پلٹا تھا۔ "اور مہرالنساء کہاں ہیں اس وقت۔؟"

"روم نمبر الیون۔"

"تھینکس اگین۔" وہ بے آواز مگر تیز قدموں سے پہلے روم نمبر الیون میں آیا تو وہاں صرف بی بی جان موجود تھیں، اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"اچھا ہوا تم آ گئے ڈاکٹروں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔ پتا نہیں کیا کیا بولتی ہیں۔"

"آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیس گھر پر بھی ہو سکتا تھا۔" وہ خفا ہونے لگا۔

"منع کر دیا تھا ڈاکٹرنی نے کل آئی تھی مہرالنساء کو دیکھنے۔ کہہ رہی تھی گھر پر نہیں ہو سکتا آپریشن ہو گا جیسے پہلے ہوا تھا۔

اور پہلے وہ خود ہمیں یہاں لے کر آئی تھی۔ آغا یہیں ہوا ہے' اچھا اسپتال ہے میں نے سوچا۔"
"مہو کہاں ہے؟" وہ ان کی تفصیل سے اکتا کر بول پڑا۔
"اسے ابھی نرس لے کر گئی ہے۔ پتا نہیں کیا کرنا ہے۔" بی بی جان سوچنے میں لگ گئیں۔
"اچھا ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر سے معلوم کرتا ہوں۔"
اس نے وہاں سے نکل کر ڈاکٹر فرزانہ حسین کے کمرے کا رخ کیا پھر ان سے مہرالنساء کی کنڈیشن اور آپریشن کا وقت معلوم کر کے وہ مجبوراً دوبارہ بی بی جان کے پاس آبیٹھا کیونکہ ڈاکٹر نے پندرہ منٹ بعد آپریشن بتایا تھا اور اتنی دیر کے لیے وہ کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ عجیب مشکل تھی۔ اسے لگا جیسے ہر موڑ پر اس کے لیے امتحان رقم کیا گیا ہے۔ وہ آسیہ سے وعدہ کر کے نہیں گیا تھا کہ اس کے راستے میں نہیں آئے گا۔ اور تقدیر کی ستم ظریفی کہ پھر وہیں لے آئی تھی۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر بھی اسے ندامت محسوس ہونے لگی تھی۔
بی بی جان اس کی خاموشی سے یہی سمجھیں کہ وہ مہرالنساء کے آپریشن کا سن کر پریشان ہے جب ہی اس کا دھیان بٹانے کو پوچھنے لگیں۔
"آغا کو چھوڑ آئے؟ رو تو نہیں رہا تھا؟"
"جی' جی نہیں۔" اس نے چونک کر دونوں باتوں کا جواب دیا۔
"تم لوگوں کی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہاں اسکول نہیں ہیں جو بچوں کو اتنی دور بھیج دیتے ہو۔ لڑکے تو لڑکے لڑکیوں کو بھی۔ یونس اور جہانگیر کی بیٹیاں ماشاء اللہ سمجھدار ہو رہی ہیں۔ اتنی عمر میں میں نے شہناز کو پردے میں بٹھا دیا تھا گھر میں استانی پڑھانے آتی تھی۔"
"اب وہ وقت نہیں ہے بی بی جان! لڑکا ہو یا لڑکی تعلیم دونوں کے لیے ضروری ہے۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اس کا کچھ کہنے سننے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا اور بی بی جان کو ٹوک بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے مہرالنساء کا پتا کرنے کے بہانے کمرے سے نکل کر راہداری میں ٹہلنے لگا تھا۔

◇◇◇◇◇◇ ♡ ◇◇◇◇◇◇

وہ نبیل کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے کھڑکی سے باہر کچھ چہل پہل دکھا رہی تھی۔ تاکہ اس کے اندر کچھ شوق پیدا ہو کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح باہر آجا سکے اور وہیں سے اس نے شاہ سکندر کو ہاسپٹل کے گیٹ سے داخل ہوتے دیکھا تھا جس سے اس کا سارا اطمینان پل میں رخصت ہو گیا۔
"کتنی احمق ہوں میں جو اس کے وعدے کا اعتبار کر لیا کہ اب کبھی مجھے تنگ کرنے نہیں آئے گا۔" وہ نبیل کو بیڈ پر بٹھا کر وہیں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی تھی۔
"وہ پھر آگیا' اس پر میرے ہاتھ جوڑنے' میری عاجزی کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اف میں کیا کروں' کہاں جاؤں۔" اس پر بے بسی طاری ہونے لگی اور انجانے خدشات میں گھر کر وہ کچھ خوفزدہ بھی ہو گئی۔ یوں لگا جیسے ابھی وہ سارے میں اسے پکارتا ہوا آئے گا اور پھر بچی کا مطالبہ کرے گا' سب کے سامنے تماشا بننے کا خیال ہی روح فرسا تھا۔ وہ اس صورت حال سے نمٹنے کا سوچنے لگی۔
"پھوپھو!" نبیل کے پکارنے پر وہ اچھل پڑی۔
"ہاں!"
"یہ بسکٹ لیں۔" نبیل نے اپنا بسکٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تو اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی۔
"آپ کھاؤ بیٹا۔ تھینک یو۔" وہ اس کا گال تھپک کر کمرے سے نکل کر آئی اور کاؤنٹر پر رک کر بظاہر سرسری انداز میں نرس سے پوچھنے لگی۔
"سسٹر کوئی مجھ سے ملنے تو نہیں آیا تھا؟"
"نہیں۔"
"کے آنا تھا؟" عقب سے ڈاکٹر یاسمین نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تو وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔

[illegible]

"ڈاکٹر وہاب مریضوں کے کیسز ڈسکس کرنے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے' یہ تم بھی جانتی ہو۔"
"ہاں لیکن کبھی موڈ میں ہوتے ہیں تو چائے پر بھی بلا لیتے ہیں۔" اس نے شرارت سے کہا تو یاسمین ہنس دی۔
"صرف تمہیں' مجھے تو حسرت ہی ہے۔"
"ارے۔ میں کل ہی ان سے کہوں گی۔ وہ چائے کیا تمہیں لنچ پر بلا لیں گے۔"
"بکو مت۔ یہ بتاؤ' تم نے بچیوں کی آیا کے لیے جو اشتہار دیا تھا کیا ہوا۔ آئی کوئی خاتون؟" یاسمین نے اس موضوع کو چھوڑ کر اس کا مسئلہ چھیڑ دیا۔
"کوئی ایک خاتون' کئی خواتین آئی تھیں پھر بھی میرا مسئلہ حل نہیں ہوا' اصل میں ان خواتین کے ساتھ کافی مسائل تھے۔ کسی کے بچے' کوئی شوہر کی ستائی ہوئی اور کوئی ایک آدھ بچہ ساتھ لے کر آئی تھی۔ جبکہ میں ایسی عورت چاہتی ہوں جس کا کوئی نہ ہو بے سہارا ہو' بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ گھر کا کام کاج بھی کر سکے اور اسے کہیں جانے کی ضرورت بھی نہ ہو۔"
وہ اپنے مسئلے پر ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔
"ایک ایسی عورت کو میں جانتی ہوں' کہو تو ابھی اس کے پاس لے چلتی ہوں اگر تمہاری تسلی ہو جائے تو بات کر لینا اس سے۔ ویسے یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ تمہاری آفر قبول کرے گی یا نہیں۔" یاسمین نے کہا تو اس نے قدرے پر سوچ انداز میں پوچھا۔
"کون ہے؟۔"
"پہلے ہم جہاں رہتے تھے۔ وہ وہیں رہتی تھی۔ یعنی میں نے اسے بچپن سے دیکھا ہے۔ وہ میاں بیوی تھے۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔ آتے جاتے بچوں کو بلا کر کبھی ٹافی دیتی کبھی بسکٹ پھر ہم یہاں شفٹ ہو گئے تو کبھی کبھار امی سے ملنے آجاتی تھی لیکن جب سے اس کے میاں کا انتقال ہوا ہے' نہیں آئی۔ پتا نہیں ابھی بھی وہیں رہتی ہے یا کہیں اور چلی گئی۔ معلوم کر لیتے ہیں۔ شاید وہیں ہو۔ کیا خیال ہے۔" یاسمین نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ فوراً بولی۔
"ہاں چلو۔ ابھی چلو۔"
یاسمین نے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی واپس موڑی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ مطلوبہ گھر کے سامنے کھڑی تھیں۔
"کون؟۔" دستک کی جواب میں دروازہ کھلنے کے ساتھ جو عورت سامنے آئی اسے دیکھ کر یاسمین اسے "یہی ہیں" کا اشارا کرتی ہوئی اس سے بولی۔
"میں ہوں بوا۔ یاسمین' پہچانا نہیں آپ نے۔؟"
"کیوں نہیں پہچانوں گی۔ آؤ اندر آؤ۔" انہوں نے ایک طرف ہٹ کر راستہ دیا۔
"یہ میری دوست ہے آسیہ۔ یہ بھی ڈاکٹر ہے اور خاص طور سے آپ سے ملنے آئی ہے۔" یاسمین نے اندر داخل ہوتے ہی اس کے تعارف کے ساتھ کہا تو وہ بے اختیار بولی۔
"صرف ملنے نہیں لینے آئی ہوں۔"
"مجھے لینے آئی ہو۔ کیوں؟۔" انہوں نے پوچھا تو وہ یاسمین کو دیکھنے لگی۔
"وہ بوا... میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ اکیلی رہتی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔" یاسمین بھی کچھ سٹپٹا گئی تو انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا پھر آسیہ سے بولیں۔
"تم بھی اکیلی ہو؟۔"
آسیہ کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ حالانکہ وہ اکیلی نہیں تھی۔ بھرا پرا گھر تھا لیکن جس انداز سے انہوں نے پوچھا تھا۔ اس حساب سے اکیلے پن کے احساس نے اس کی آنکھیں دھندلا دی تھیں۔ فوراً کچھ بول بھی نہیں سکی۔ تب یاسمین کو کہنا پڑا۔
"اس کی دو بیٹیاں ہیں بوا اور گھر میں اور لوگ بھی ہیں۔ پھر بھی یہ چاہتی ہے کہ اگر آپ اس کی بچیوں کے پاس رہنا چاہیں تو... کیونکہ یہ تو سارا دن ہاسپٹل میں ہوتی ہے۔"
"مجھے بچیوں کے پاس رہنے میں کوئی اعتراض نہیں۔" وہ کچھ کچھ اس کا مسئلہ سمجھ کر کہنے لگیں۔

"یہاں بھی میں تیرے میرے گھر کا کام کر کے گزارہ کرتی ہوں۔ اس طرح کسی ایک گھر کی ہو رہوں گی لیکن سال دو سال بعد اگر تم کہو کہ ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے تب میں کہاں جاؤں گی' یہ ٹھکانا بھی اپنا نہیں ہے۔ میاں کے بعد مالک مکان نے ترس کھا کر ایک کمرہ دے دیا۔ پھر کہاں ملے گا۔"

اس نے جلد بازی اور جذباتی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

"میں آپ کو جانے کے لیے نہیں کہوں گی' اگر آپ کو کبھی میرے گھر والوں کی طرف سے کوئی شکایت ہوئی اور آپ چھوڑ کر جانا چاہیں تب بھی یہ میری ذمہ داری ہوگی کہ میں پہلے آپ کے لیے رہائش کا انتظام کروں' اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ آپ سوچ لیں۔ ہم کل اس وقت پھر آئیں گے۔ کیوں یاسمین؟۔"

"ہاں بوا! بس سوچنا کیا ہے۔ تیاری کر رکھیں۔ ہم کل آپ کو لے جائیں گے۔" یاسمین اسے اشارا کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے ایسی ہی خاتون چاہیے تھی۔ صاف ستھری ہیں اور بات بھی سلیقے سے کرتی ہیں۔" جب وہ اپنے گھر کے سامنے اترنے لگی تب اس نے رک کر یاسمین سے کہا تو اس نے اطمینان دلایا تھا۔

"فکر نہیں کرو۔ کل انہیں لے آئیں گے۔"

وہ راؤنڈ کے بعد کمرے میں آئی تھی۔ اسٹیتھسکوپ گردن سے نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑے سے مٹھائی کے کھلے ڈبے پر اس کی نظر پڑی تو بے اختیار اس میں سے اپنی پسندیدہ مٹھائی گلاب جامن اٹھا کر پوچھنے لگی۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں؟۔"

"بیٹا ہوا ہے۔" یاسمین کا منہ مٹھائی سے بھرا ہوا تھا اسی میں بولی۔

"کس کا؟۔" اس نے یاسمین کی طرف گردن موڑ کر پوچھا تو وہ خاصی لاپروائی سے بولی۔

کسی شاہ کا۔"

"شاہ!" اس کے ہونٹ کھلے رہ گئے اور نظروں میں کل شام کا منظر آن سمایا جب وہ راہداری میں ٹہل رہا تھا جبکہ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان پھنسی گلاب جامن پھسل کر واپس ڈبے میں جا گری تھی۔

"بڑا دل والا ہے بھئی۔ نیچے سے اوپر تک تمام اسٹاف کو مٹھائی بھجوائی ہے اور پیشنس کو الگ۔" یاسمین اپنی کہے جا رہی تھی۔ "سسٹر بتا رہی تھی' نوکروں کے نوکرے منگوائے ہیں اس نے۔ لگتا ہے پہلا بیٹا ہے۔ چلو چل کر مبارک باد دے آتے ہیں۔ اے تم کہاں ہو؟۔"

"ہیں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں دیکھا تھا۔

"ہائیں۔ تم تو واقعی یہاں نہیں ہو۔ خیریت تو ہے۔ کہاں کھوئی ہو۔؟"

یاسمین نے اس کا کندھا ہلایا تو روکتے روکتے بھی اس کے ہونٹوں سے گہری سانس خارج ہوئی پھر خود کو چیئر پر گراتی ہوئی بولی۔

"پتا نہیں۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔"

"میں کہہ رہی ہوں۔ چلو مبارکباد دے آتے ہیں۔" یاسمین نے کہا۔

"ہمیں کیا ضرورت ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"ارے۔ اس نے مٹھائی بھجوائی ہے۔ کم از کم اس کا شکریہ ادا کر آئیں۔" یاسمین ہرگز بھی سنجیدہ نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار غور کیا پھر اسی کے انداز میں بولی۔

"ہاں' تم چلی جاؤ۔ میری طرف سے بھی شکریہ کہہ دینا۔ اور اس کے بچے کے ہاتھ پر سو پچاس روپے بھی ضرور رکھنا آخر ہماری یہ ہی حیثیت ہے۔"

یاسمین کھی کھی ہنسنے لگی۔ تب ہی کاریڈور میں بھاری جوتوں کی آواز پر وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

"ہش۔ لگتا ہے ڈاکٹر وہاب آ رہے ہیں۔"

"او مائی گاڈ۔ میں جا رہی ہوں۔" یاسمین اپنا اسٹیتھسکوپ اٹھاتی کمرے سے نکل گئی تو اس نے اپنے سامنے کھلا مٹھائی کا ڈبہ بند کر کے ایک طرف رکھا پھر ٹیبل کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی لیکن بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ اپنا دھیان

نانے کی اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی تب لائٹ بند کر کے بیک پر سر رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند کر خود کو
خیالات کے ہجوم میں چھوڑ دیا تھا۔

❀❀❀

اسے لگ رہا تھا کہ وہ ہر معاملے میں مہرالنساء سے مات کھا گئی ہے۔

حسن و خوبصورتی میں۔

محبت میں۔

اور قسمت میں بھی۔

شاید ساری بات ہی قسمت کی تھی۔ جو وہ جیت کر بھی ہاری تھی اور مہرالنساء ہار کر بھی جیت رہی تھی۔ اور گوکہ اب اس کا شاہ سکندر سے کوئی ناتا کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی اس پر حق رکھنے والی اس عورت سے وہ نفرت یا رقابت محسوس کرنے لگی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی پھر اس کا دل چاہا وہ اسے قریب سے دیکھے کہ اس کے ملکوتی حسن میں کیا اسرار ہے۔ جو شاہ سکندر بھی مکمل طور پر اس کی گرفت میں چلا جاتا ہے اور ابھی اس سے نظریں چرا کر یا شاید گھبرا کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔

"ارے تم اس وقت سے یہیں بیٹھی ہو۔" دوبارہ یاسمین نے آ کر اسے اس بھنور سے نکالا تھا۔ "مسئلہ کشمیر حل کرنے میں لگی ہوئی ہو یا ......؟"

"ہم لوگ اپنے مسائل حل کرلیں یہی بڑی بات ہے۔" وہ اسٹیتھسکوپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا سنو میں ذرا نیچے جارہی ہوں ڈاکٹر فرزانہ حسین کے پاس۔"

"خیریت؟"

"ہاں وہ میری بھابھی کے ساتھ کچھ پرابلم ہے۔ تیسرے بچے کے بعد انہوں نے پانچ سال کا گیپ لیا تھا لیکن ......"

وہ سرسری انداز میں بولتی ہوئی کمرے سے نکل کر سیدھی لفٹ میں داخل ہوگئی تھی۔ لیکن نیچے آ کر وہ الجھ کر خود کو سرزنش کرنے لگی کہ وہ کیوں مہرالنساء کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔ اس کے حسن میں اسرار ہو یا جادو اسے کیا۔ لیکن وہی بات کہ انسان جس سے مات کھا جائے اسے کسی بھی طرح مات دیے بغیر چین سے نہیں رہتا۔ اور گوکہ اس کے پاس مہرالنساء جیسا کوئی مہرہ نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے متعلق جاننے سے خود کو روک نہیں سکی۔ اور پہلے ڈاکٹر فرزانہ حسین کے کمرے میں گئی اور ابتدائی رسمی جملوں کے بعد بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"کل آپریشن کیس تھا؟"

"ہاں خاصا سیریس۔ اس لڑکی کا پہلا کیس بھی ایسا ہی تھا' اصل میں یہ دیہاتی لوگ آخر وقت تک اپنے ٹوٹکے استعمال کرتے ہیں۔ میں ابھی اسے ہی دیکھنے جارہی ہوں چلو گی؟"

ڈاکٹر فرزانہ حسین نے جیسے اس کی مشکل حل کردی۔

"جی!" وہ اپنا تجسس چھپا کر ان کے ساتھ چل پڑی۔ اور راہداری کے آخری سرے پر روم نمبر الیون میں داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے مہرالنساء کو دیکھا جو دودھیا بازو آنکھوں پر رکھے شاید سو رہی تھی۔ نظریں ہٹا کر وہ بے خیالی میں اس کی فائل کو دیکھنے لگی۔

"یہ سو رہی ہے۔ کچھ کھایا بھی ہے؟" ڈاکٹر فرزانہ کی آواز پر وہ مہرالنساء سے
"ناشتہ کیا تھا اس نے پھر وہ نرس دوا بھی دے گئی تھی۔ لیکن اس کے ٹانکوں میں بہت تکلیف ہے۔ ابھی رو رہی تھی۔"

لیلیٰ جان بیڈ کے دوسری طرف آ کر تانے لگی تھیں۔

"یہ رو رہی ہے۔" ڈاکٹر فرزانہ نے مہر النساء کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو [illegible] پلکیں [illegible]

بے سارا جادو ان ہی آنکھوں میں ہے۔"

"رونے کی کیا بات ہے بیٹا! ایک دو دن کی تکلیف ہے۔" ڈاکٹر فرزانہ نے تسلی دینے کے ساتھ اس [illegible] چیک کرنے لگیں پھر اسے مخاطب کر کے بولیں۔ "ٹھیک ہو جائیں گی آپ۔ [illegible] خوب ہوگی۔"

اس نے جلدی [illegible] ٹھیک ہے خوب اور کاش انکار کر دو ڈاکٹر فرزانہ کو تمھاری [illegible] لیکن فوراً احساس [illegible] دوسری طرف [illegible] اس کی مدد کرنے لگی۔

اسی وقت شاہ سکندر کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسے دیکھ کر دروازے کے پاس ہی رک کر [illegible] [illegible] جان کی طرف بڑھا [illegible] ہوا بولا۔

"[illegible] جان لے آئی ہیں۔"

"[illegible] ضرور لیکن [illegible] انکار نہیں دیکھا۔ اور جیسے ہی فارغ ہوئی واش روم میں جا کر [illegible] دوبارہ کرنے میں [illegible] تو مہر النساء دیکھ کر بولی۔

"اگر آپ جیسے اپنا خیال رکھتیں تو یہ تکلیف نہ [illegible] آپ کو اب کم از کم تین دن مکمل آرام [illegible]"

"ہاں اور اس دوران کوئی [illegible] بھی نہیں کرنی۔" ڈاکٹر فرزانہ نے اس کی [illegible] کے ساتھ کہا۔

"[illegible] پتا ہی نہیں چلا [illegible]" مہر النساء نے ہلکی [illegible] بے اختیار اس کے [illegible] دیکھنے لگی تھی۔ اور [illegible] اسی وقت جب شاہ سکندر نے مخاطب کر کے پوچھا تھا۔

"[illegible] ساتھ ہو۔"

[illegible] ہوئے اس نے کہا۔ ڈاکٹر فرزانہ موجود نہیں تھیں [illegible] آپ [illegible] [illegible] کھاؤ۔" [illegible] جان نے پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔

"شکریہ، میں سیب نہیں کھاؤں گی۔" وہ انکار کر کے آگے بڑھ گئی۔ پھر دروازے پر رک کر [illegible] کر دیا گیا۔

"مہر سکندر! میں آپ کو مبارک باد [illegible] بیٹے کے ساتھ نئی زندگی کی بھی۔" [illegible] اشارہ شاہ سکندر کی [illegible] طرف [illegible] مہر النساء [illegible] نہیں وہ سمجھ گیا تھا اور [illegible] دیکھنے کی خاطر پوچھنے لگا۔

"میں کب تک انہیں گھر لے جا سکوں گا؟"

"[illegible] ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بارے میں ڈاکٹر فرزانہ ہی بتائیں گی۔" [illegible] میں دیکھ کر بولی تھی۔

اور یہ اس کی شاہ سکندر سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کبھی [illegible] کی طرح نکل گیا۔ اور وہ [illegible] پلٹ کر [illegible] نہیں جانتی تھی [illegible] نہیں دی گی۔

♥ ♥ ♥

نہیں تھا کہ وقت بہت تیزی سے [illegible] اس کی [illegible] قدر تھی [illegible] [illegible] اس کے [illegible] کے لیے اسے اپنی ساری توجہ ادھر [illegible] تربیت [illegible] کرنے کے [illegible] کی محرومی کا احساس نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے اس نے [illegible] تھی۔

خود اپنی ذات کو فراموش کر کے اس نے [illegible] تیاری کی تھی۔

بغیر کسی سہارے اور [illegible] کی مدد کے یہ [illegible] نہیں تھا کہ [illegible] حال نہیں [illegible]

بھاوجیں ہر دکھ سکھ میں شریک لیکن اس نے جس طرح اپنی زندگی کے نئے باب کو ان تین بچوں کے نام انتساب کیا تھا تو پھر اس میں کسی اور کی گنجائش ہی نہیں رکھی تھی۔ جبکہ زندگی کے باقی سارے معاملات اسی طرح چلتے رہے تھے۔

وہی گھر تھا جس میں بس تھوڑی بہت تبدیلی آئی تھی۔ پہلے اوپر کا پورشن بڑے بھیا کے پاس تھا اور ان کے باہر جانے کے بعد دو سال تک تو ان ہی کے انتظار میں خالی رکھا گیا پھر جب عدیل بھائی کی شادی ڈاکٹر یاسمین کے ساتھ ہوئی تو وہ بھی بس ایک سال یہاں رہے۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی کینیڈا چلے گئے۔ تب آسیہ نے اپنا ٹھکانا اوپر کر لیا تھا۔ یہ اس کی ضرورت تھی۔ گو کہ اس کا اپنا اپارٹمنٹ بھی موجود تھا۔ لیکن وہاں رہنے کا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ البتہ اپنا سامان اٹھوا کر اسے کرائے پر دے دیا تھا۔ بہرحال کافی وقت گزر گیا تھا۔ سترہ سال۔

سترہ سالوں میں بچے نوجوانی کی دہلیز پر آ کر جہاں جوانوں کے حوصلے بلند کر رہے تھے وہاں اماں جی اور ابا جی کے بڑھاپے کو اپنی شوخیوں، شرارتوں اور خدمتوں سے سہارا دے کر ان کی دعائیں سمیٹ رہے تھے۔

اس گھر میں صرف خلیل بھائی اور آسیہ کے بچے تھے۔ باقی شکیل بھائی جو شروع سے اسلام آباد میں مقیم تھے انہوں نے وہیں مستقل ٹھکانا کر لیا تھا۔ لیکن وہاں باپ سے غافل کبھی نہیں ہوئے تھے۔ ہر تہوار کے علاوہ چھٹیوں میں بھی بال بچوں سمیت ان کی آمد یقینی ہوتی تھی۔ ان کے وہی دو بچے اشعر اور سمیعہ تھے۔

اور بڑے بھیا جو دو سال کا کہہ کر جدہ گئے تھے پورے دس بعد لوٹے تو اپنا الگ گھر لے لیا تھا۔ سائرہ سے ان کی تین اولادیں تھیں۔ رجاء، مریم اور سمیر۔ یہاں آ کر انہوں نے نبیل کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا تھا لیکن وہ اماں جی، ابا جی اور آسیہ سے الگ ہونے پر تیار ہی نہیں ہوا تھا۔ البتہ ویک اینڈ پر ان کے پاس چلا جاتا تھا۔ جبکہ عدیل بھائی اور یاسمین ابھی تک کینیڈا ہی میں تھے اور ان برسوں میں دو تین بار ہی آئے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں اور کیونکہ اب بیٹیاں بڑی ہو رہی تھیں تو شاید اسی لیے انہوں نے جلد مستقل واپسی کا ارادہ لکھ بھیجا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد بھی ان کا اس گھر میں رہنا مشکل لگ رہا تھا، کیونکہ شروع سے الگ تھلگ رہنے والے سب کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمیشہ ساتھ رہنے والے الگ ہونے کے خیال سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ جیسے میمونہ بھابھی۔ اس عرصے میں دو بار خلیل بھائی ٹرانسفر ہو کر دوسرے شہر گئے تھے لیکن میمونہ بھابھی نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کے پاس ٹھوس بہانا بچوں کے اسکول کا تھا اور ان کے بچوں میں ایک اور بیٹی ثوبیہ کا اضافہ ہوا تھا جو کہ مدیحہ اور صباحت سے دو سال چھوٹی تھی۔

بہرحال اس گھر کے آنگن میں خلیل بھائی اور آسیہ کے بچے پروان چڑھے تھے۔ اور اپنے الگ الگ مزاجوں کے باوجود ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ جیسے بچپن میں ساتھ کھیلتے تو کبھی لڑتے بھی تھے۔ ابھی بھی وہی عالم تھا۔

سب میں بڑے نبیل بھائی تھے۔ جن کے بچپن کا ابتدائی دور ماں باپ کے درمیان کشیدگی پھر بیماری کی نذر ہوا۔ جس سے ان کی شخصیت خاصی ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ آسیہ کی بہت محبت اور توجہ کے باوجود وہ نہ تو بغیر سہارے کے چلنے کے قابل ہو سکے اور نہ ہی ان میں اعتماد پیدا ہوا۔ ویسے ہی کم گو اور خائف سے بھیے بچپن میں ہوا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے تمام کزنز سوائے مدیحہ کے انہیں بہت محبت، عزت اور احترام دیتے تھے۔ پھر بھی وہ الگ تھلگ رہتے تھے اگر کسی سے دوستی تھی تو کتابیں اور صباحت ان کی موجودگی میں وہ سب بھول جاتے تھے ان کا کمرہ ہی تھا جہاں بہت بچپن میں نبیلہ انہیں تنہا چھوڑ دیتی تھیں۔

اس کمرے کی کھڑکی ٹیرس کی طرف کھلتی تھی اور اس کے پاس ان کی رائٹنگ ٹیبل رکھی تھی۔ سامنے دیوار کے ساتھ بیڈ اور اس طرف صوفہ سیٹ ان کے ساتھ والا کمرہ مدیحہ اور صباحت کا مشترکہ کمرہ تھا۔ جس میں دیوار گیر الماری کا پٹ اکثر مدیحہ اتنی زور سے بند کرتی تھی کہ انہیں اپنا بیڈ ہلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اگر یہ حرکت صبا کرتی تو وہ ضرور ٹوکتے۔ لیکن مدیحہ کو وہ صرف ان باتوں پر ٹوکتے تھے جن میں اس کا نقصان ہوتا۔ اپنی ذات کے لیے انہوں نے کبھی اسے سرزنش نہیں کی تھی۔ اس لیے کہ وہ کچھ ضدی سی تھی اور من مانی بھی اس کی سرشت میں شامل تھی۔ خصوصاً نبیل کے ساتھ اس نے شروع سے ضد باندھ لی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آسیہ اکثر

نبیل کو اس پر فوقیت دے جاتی تھی۔ اور ہمیشہ جائز بات پر ہی ایسا ہوتا تھا لیکن مدیحہ اپنی ناجائز کو بھی جائز کے کھاتے میں ڈالتی تھی اور دوسرے کی جائز کو ناجائز کے۔

اگر عمروں میں زیادہ فرق نہ ہوتا تو اس کی نبیل کے ساتھ باقاعدہ ٹھنی رہتی۔ ابھی بھی وہ ڈائریکٹ تو نہیں ان ڈائریکٹ کبھی کبھی ان کی تذلیل اور دل آزاری کر جاتی تھی۔ جس پر سوائے ان کے باقی تمام کزنز احتجاج کرتے تھے۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی کی جڑواں بہن صباحت تھی۔ رنگ روپ ناک نقشہ قد کاٹھ میں بالکل مدیحہ۔ اگر ذرا سا فرق تھا تو اس تل کا جسے پہچان کے لیے سب سے پہلے سیما بھابھی نے اس کی ٹھوڑی کی دائیں طرف لگایا تھا۔ پھر ایک عرصہ تک میمونہ بھابھی اور اماں جی اسی جگہ نشان لگاتی رہی تھیں اور جب وہ بڑی ہو گئیں تو قدرت کی طرف سے اپنے آپ وہاں تل نکل آیا تھا۔ جو اس کے شفاف چہرے کی دلکشی میں اضافے کا باعث تھا۔ اور کیونکہ پہلی نظر اسی پر پڑتی تھی اس لیے دونوں کی پہچان میں مشکل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن [illegible] عمر سے نکلتے ہی مدیحہ نے جانے اپنے چہرے کی دلکشی میں اضافے کی خاطر یا سب کو مشکل میں ڈالنے کے لیے ہی تل بنانا شروع کر دیا تھا۔

جس سے صرف ایک شخص دھوکا نہیں کھاتا تھا اور وہ نبیل تھے۔ انہوں نے کبھی اس تل کے دھوکے میں اسے صباحت نہیں پکارا تھا۔ جبکہ باقی سب دھوکا کھا جاتے یہاں تک کہ آسیہ بھی۔ بہرحال شکل وصورت ایک ہی لیکن عادات میں صباحت اس کے برعکس تھی۔ حد درجہ نرم خو جیسے مدیحہ کے رویوں کی تلافی بھی اسی کو کرنی تھی۔ سب سے زیادہ اسے اپنے نبیل بھائی کی فکر رہتی تھی۔ کہ باقی سب تو پھر بھی مدیحہ سے کہہ سن لیتے لیکن وہ بے چارے بالکل خاموش ہو جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مدیحہ نبیل کی دل آزاری کرتی تو کچھ دیر بعد صباحت خود کو ان کے سامنے مدیحہ ظاہر کر کے معافی مانگتی اور اس وقت انہیں اس پر بے طرح پیار آتا۔ لیکن وہ ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بات رکھنے کی خاطر بعد میں اسے بتاتے کہ مدیحہ نے اپنے رویے کی معافی مانگی ہے اور وہ اپنی تدبیر پر خوش ہو جاتی تھی۔

بہرحال آسیہ نے ان تینوں کو ایک سی محبت ایک سی توجہ دی تھی اس کے باوجود ان کے مزاجوں میں فرق وہ نہیں مٹا سکتی تھی کیونکہ ہر بچہ اپنی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے جسے جب تک وہ خود نہ بدلنا چاہے کوئی نہیں بدل سکتا ورنہ ہر بچہ اپنے ماں باپ کی خواہشوں کا پرتو ہوتا۔

✈ ✈ ✈ ✈

آسیہ ابھی کلینک سے لوٹی تھی۔ روزانہ کی طرح کچھ دیر اماں جی اور ابا جی کے پاس بیٹھ کر ان کا حال احوال پوچھ کر پھر اوپر آئی تو بوا جیسے انتظار میں بیٹھی تھیں فوراً اٹھتی ہوئی بولیں۔

"جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ۔ مدیحہ بہت دیر سے بھوک بھوک کر رہی ہے۔"

"تو آپ نے کھانا لگا دیا تھا بوا! میرے انتظار میں کیوں بٹھائے رکھا اسے۔" اس نے کہا۔

"میں نے تو کتنی بار کہا اس سے لیکن اس کی اپنی ضد تھی کہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔"

"اچھا۔ چلیں آپ کھانا لگائیں اور ان تینوں کو بھی بلائیں۔ میں بس پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد آسیہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو تینوں نے ایک ساتھ اسے سلام کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام بیٹھو۔ کھڑے کیوں ہو۔" وہ اپنی کرسی کھینچتی ہوئی بولی۔

"آج آپ نے بہت دیر کر دی مما!" مدیحہ نے بیٹھتے ہی کہا تو اس نے گھڑی پر نظر ڈالنے کے بعد تعجب سے دیکھا۔

"ساڑھے آٹھ ہو رہے ہیں اور میں روزانہ اسی وقت آتی ہوں۔"

"آپ تو اپنے وقت پر آئی ہیں مما۔ لیکن مدیحہ کو بھوک وقت سے پہلے لگ گئی تھی۔ اس لیے اسے ایسا لگ

ہے۔" صباحت نے سالن کا ڈونگا اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں لاؤ نے بتایا ہے مجھے اور تمہیں بھوک لگی تھی بیٹا تو کھانا کھا لیتا تھا۔ آئندہ اس طرح میرے انتظار میں نہیں بیٹھنا۔ لو شروع کرو۔" اس نے مدیحہ کی پلیٹ میں سالن ڈالا پھر ڈونگا نبیل کو تھما کر پوچھنے لگی۔

"تم نے لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کیا تھا۔ کوئی جواب آیا؟"

"نہیں پھوپھو! ابھی تک تو نہیں آیا۔" نبیل نے کہا تھا کہ مدیحہ فوراً بولی۔

"آئے گا بھی نہیں۔"

"کیوں؟" آسیہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

"وہ مما! ہر جگہ سفارش چلتی ہے ناں اور نبیل بھائی کے لیے کوئی سفارش بھی۔"

"جی نہیں۔" صباحت فوراً بولی۔ "نبیل بھائی کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں مما۔"

"ہوں۔" آسیہ نے سر ہلا کر تائید کی پھر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

کھانے کے بعد اس نے مدیحہ اور صباحت کو پڑھنے کی تاکید کی پھر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تھی کہ میمونہ بھابھی آ گئیں۔

"سونے کی تیاری کر رہی ہو؟"

"نہیں ابھی تو کھانا کھایا ہے۔ آئیے بیٹھیں۔ چائے پئیں گی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ چائے ضرور پیوں گی کیونکہ آج میرا سونے کا کوئی پروگرام نہیں ہے، چوکیداری کرنی ہے۔" میمونہ بھابھی نے آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چوکیداری۔ کیا محلے والوں نے آپ کو۔۔۔" وہ ہنسی۔

"محلے والوں نے نہیں تمہاری اور میری اولادوں نے۔ پہلے چائے کا کہو پھر بتاتی ہوں۔"

"صبا! بیٹا میرے اور مامی جی کے لیے چائے لے آؤ۔ اور نبیل سے بھی پوچھ لینا۔"

اس نے وہیں سے صباحت کو پکار کر کہا پھر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ آواز دبا کر کہنے لگیں۔

"میں تمہیں خبردار کرنے آئی ہوں۔ یہاں سے کسی کو نیچے نہیں اترنے دینا تمہارے بھائی جان آج ٹور پر گئے ہیں اور ان بچوں نے وی سی آر دیکھنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ میں بالکل اس کے حق میں نہیں ہوں۔ رات بھر بیٹھ کر فلمیں دیکھیں گے تو صبح کالج یونیورسٹی کیسے جائیں گے۔ پھر اماں جی اور ابا جی کی نیند الگ خراب ہو گی۔ بڑی رازداری سے پروگرام بنا رہے تھے کہ جب ہم دونوں سو جائیں گے تب عمر وی سی آر اور فلمیں لے کر آئے گا۔ ایسی بے ہودہ فلمیں بھلا دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو وی سی آر گھر میں نہیں رکھا۔ ورنہ میں کیا کم شوقین ہوں۔ خود ان کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتی۔"

"اچھا ہوا۔ آپ نے مجھے بتا دیا۔ فکر نہیں کریں۔ مدیحہ اور صباحت کو میں روک لوں گی۔" اس نے کہا اور صباحت کو دیکھنے لگی جو چائے لے کر آ رہی تھی۔

"مدحو کہاں ہے؟" میمونہ بھابھی نے اس سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ابھی نیچے گئی ہے۔ ثوبیہ کے پاس۔"

صباحت کا جواب سن کر آسیہ قدرے غصے سے بولی۔

"تم نے اسے پڑھنے کے لیے کہا تھا پھر وہ نیچے کیا کرنے گئی ہے۔"

"پتا نہیں مما! میں ابھی بلاتی ہوں اسے۔" صباحت اس کے غصے سے خائف سی ہو کر فوراً بہن کو بلانے چلی گئی تو میمونہ بھابھی چائے کا کپ ہونٹوں سے ہٹا کر بولیں۔

"آسیہ! تمہاری یہ بیٹی بہت سیدھی ہے اور ساتھ میں سمجھدار بھی۔"

"اور مدیحہ؟" آسیہ نے فوراً پوچھا تو میمونہ بھابھی بے ساختہ مسکرائیں۔

"مدیحہ مجھے بے وقوف لگتی ہے۔"
"آپ شاید مذاق کر رہی ہیں یا پھر میرے سامنے آپ۔"
"آپ شاید مذاق کر رہی ہیں یا پھر میرے سامنے آپ۔"
"تمہاری طرح"
"نہیں میں مذاق نہیں کر رہی وہ واقعی بے وقوف ہے"
"جناب میں کبھی بھی بے وقوف نہیں تھی۔" آسیہ نے یوں سر جھٹکا جیسے انہوں نے کوئی ناممکن بات کہی ہو۔
"ہاں بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تم نے۔ بچوں کو بہانا بنا کر ایک دھوکے باز ہرجائی کے نام پر زندگی تیاگ دی۔"
اونہہ!" میمونہ بھابھی نخوت سے بولیں۔
"اب میری قسمت کہ اس جیسا پھر کوئی اور ملا ہی نہیں۔"
وہ بظاہر مسکرائی تھی۔
میمونہ بھابھی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"مدحو اور صبا کو بھیج دیں' اور آپ کو چوکیداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان دونوں کو سلا کر ہی آؤں گی۔" وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکل کر آئی پھر کھلی چھت پر ٹہلنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد مدیحہ اور صباحت آئیں تو وہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"کیا بات ہے مما۔ آپ سو نہیں رہیں۔" مدیحہ نے پوچھا۔
"تم دونوں کو صبح کالج جانا ہے کہ نہیں ہے؟" وہ مدیحہ کی بات یکسر نظر انداز کر گئی۔
"جانا ہے مما!"
"تو اب تک نیچے کیا کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر سوؤ۔" آسیہ قدرے رعب سے بولی۔
"ابھی تو دس بھی نہیں بجے مما۔" مدیحہ نے صباحت کو کہنی مارتے ہوئے کہا کہ وہ بھی کچھ بولے لیکن وہ اسے کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔ آسیہ نے ایک بار پھر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

✈ ✈ ✈ ✈

کالج سے آکر کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نبیل کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کی غرض سے صباحت نے ان کے کمرے کا رخ کیا۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ گو کہ نبیل چیزیں نہیں پھیلاتے تھے لیکن سامنے کی کرسی پر بیڈ کرنا ہمیشہ بھول جاتے۔ جہاں سے ڈھیروں گرد ان کے کمرے اور خصوصاً "رائٹنگ ٹیبل پر ہر چیز کو خراب کرتی تھی۔ اور جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا ان کے کمرے کی صفائی اپنے ذمے لے لی تھی۔ کیونکہ بوا ادھر کی چیزیں ادھر کر دیتی تھیں جس سے نبیل کو خاصی پریشانی ہوتی تھی۔ بروقت کام کی چیز ملتی ہی نہیں تھی' اس لیے انہوں نے بوا کا اپنے کمرے میں داخلہ بند کر دیا تھا۔ اور شروع میں تو انہوں نے اسے بھی منع کیا تھا لیکن وہ نہ مانی اور دھیرے دھیرے اپنا معمول ہی بنا لیا تھا۔ اس وقت اس نے پہلے بیڈ کی چادر جھاڑ کر دوبارہ سے بچھائی۔ پھر صوفوں کی گرد جھاڑی اس کے بعد رائٹنگ ٹیبل کے پاس آئی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی آواز سن کر اس نے جلدی سے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" نبیل نے اندر آتے ہوئے پوچھا تو وہ دوبارہ ٹیبل کے پاس جا کر بولی۔
"صفائی!"
"اگر تمہیں صفائی کا اتنا ہی شوق ہے تو شام میں کر لیا کرو' کتنی بار کہہ چکا ہوں میں تمہیں۔ اس وقت کالج سے تھکی ہوئی آتی ہو آرام کیا کرو۔"
"کوئی ایسا جان جوکھوں کا کام تو نہیں ہے نبیل بھائی! منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ مجھے نہیں اچھا لگتا شام تک آپ کا کمرہ گندا رہے۔" وہ جلدی جلدی ٹیبل صاف کرتی ہوئی بولی۔
"اچھا دیکھو۔ دراز میں نیلے رنگ کی ڈائری ہوگی۔ وہ مجھے دے دو۔"
انہوں نے بیڈ پر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا تو اس نے دراز کھول کر ڈائری نکالی اور انہیں تھما کر پوچھنے لگی۔
"آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"ہاں میں نیچے اباجی کے پاس تھا۔ ان ہی کے ساتھ کھایا ہے۔ اب براہ مہربانی تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔"

انہوں نے گھٹنوں پر رکھ کر ڈائری کھول لی۔ تب ہی ادھر مدحیہ نے حسب عادت زور سے الماری بند کی تھی جس کی آواز ادھر کو نجی تھی۔ اور نبیل غالباً" عادی ہو چکے تھے۔ جب ہی ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا جبکہ وہ جھنجلا گئی۔

"اف! یہ مدحو کبھی نہیں سدھرے گی۔ نبیل بھائی آپ اسے ڈانٹتے کیوں نہیں۔"

"کیوں۔ کیا کیا ہے اس نے؟" انہوں نے تجاہل عارفانہ سے دیکھا۔

"ہائیں! یہ ابھی آپ کا پورا کمرہ ہل گیا اور آپ کو پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں تب وہ ذرا سا مسکرائے۔

"نہیں خیر، پتا تو چلا ہے کہ مدحیہ اس وقت کسی بات پر تلملائی ہوئی ہے۔ جاؤ دیکھو کہیں غصے میں تمہاری چیزیں اٹھا کر نہ پھینک دے۔"

"ہاں غصے میں اسے میری ہی چیزیں ملتی ہیں۔"

وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی اور سارے میں نظریں دوڑانے کے بعد مدحیہ کو دیکھا۔ وہ آرام سے لیٹی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" مدحیہ نے ٹوکا۔

"میرا خیال تھا۔ تم سو چکی ہو۔" اس نے کہا تو مدحیہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"تقریباً" سو چکی تھی لیکن نبیل بھائی کی ٹک ٹک نے ساری نیند اچاٹ کر دی ان سے کہو اپنی اسٹک کے نیچے ربڑ لگوالیں۔ اس کی آواز مجھے زہر لگتی ہے۔"

"کچھ خدا کا خوف کرو مدحو! نبیل بھائی شوق سے اسٹک لے کر نہیں چلتے۔"

اس نے تاسف سے ٹوکا تو وہ مزید چڑ گئی۔

"مجھے پتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی نیندیں خراب کریں۔ اچھی بھلی سوگئی تھی۔ آگے پتا نہیں کہاں سے۔ مما کو بھی بس شوق ہے یتیم پالنے کا۔"

"اف!" صباحت نے دہل کر اسے دیکھا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اللہ نہ کرے جو کوئی یتیم ہو۔ اللہ سلامت رکھے بڑے ماموں کو اور۔۔۔"

"ہاں ہاں کہو" اور ہمارے باپ کو۔" اس کے خاموش ہونے پر مدحیہ نے چیخ کر کہا تھا۔

"تم بہت بدتمیز ہوگئی ہو مدحو۔ مما نے اگر سن لیا ناں تو بہت ماریں گی تمہیں۔ یہ خیال بھی نہیں کریں گی کہ تم اب بڑی ہوگئی ہو۔" وہ ناراضگی سے بولی۔

"کیوں ماریں گی۔ باپ گالی تو نہیں ہے۔ گالی ہوتے تو میرے اور تمہارے ناموں کے ساتھ ان کا نام نہ لگا ہوتا۔" مدحیہ تیز لہجے میں بول رہی تھی۔ اچانک آواز دبا کر کہنے لگی۔ "سنو کسی دن مما سے سکندر حیات کے بارے میں پوچھیں گے۔ ان کا اتا پتا مل گیا تو مل بھی آئیں گے۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم۔" صباحت کچھ پریشان ہوگئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آخر وہ ہمارا باپ ہے۔"

"باپ کو تو کبھی خیال نہیں آیا ہم سے ملنے کا۔ پھر ہم کیوں ملیں۔ ویسے بھی وہ یہاں نہیں رہتے۔ ایک بار میں نے پوچھا تھا ماہی جی سے۔" صباحت نے کہا۔

"ماہی جی کو کیا پتا۔ ان کی دنیا تو بس اسی چار دیواری کے اندر ہے۔ البتہ مما کو ضرور پتا ہوگا لیکن وہ بتائیں گی نہیں۔ خیر مجھے ذرا اور بڑا ہونے دو پھر دیکھنا کیسے معلوم کرتی ہوں۔" مدحیہ بڑے آرام سے بول رہی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"مگر مدحو! جو بات مما کو پسند نہیں۔ وہ ہمیں سوچنی بھی نہیں چاہیے۔"

صبا نے خاصے ناصحانہ انداز میں کہا۔ تب ہی دستک کے بعد ذرا سا دروازہ کھول کر عمر اندر جھانک کر پوچھنے لگا۔

"منو پھپھو سو رہی ہیں کیا؟"

"ہاں۔ کیوں؟" مدیحہ جواب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ اندر آتا ہوا بولا۔

"اباجی بلا رہے ہیں انہیں لیکن انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر سو رہی ہوں تو مت اٹھانا۔"

"نہیں اٹھاتے۔" مدیحہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"شاباش۔ اب ذرا ایک گلاس پانی پلا دو۔" عمر کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا تو مدیحہ نے فوراً ٹوکا۔

"بیٹھنا مت۔"

"کیوں؟" عمر کرسی ہلا کر دیکھنے لگا۔

"کرسی مضبوط ہے۔ اسے چھوڑو اور یہاں سے نکل کر بائیں ہاتھ چند قدم چلو پھر دائیں ہاتھ مڑ جاؤ تو سامنے بائیں ہاتھ پر کچن ہے وہاں فریج رکھا ہو گا۔ اسے کھولو ایک ٹھنڈی بوتل نکالو پھر گلاس اٹھا کر خود بھی پیو اور میرے لیے بھی لے آؤ۔"

مدیحہ نے بڑے آرام سے اسے پانی کا راستہ بتا کر تکیے کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ تو وہ بیٹھتے ہوئے ملامت کرنے لگا۔

"چچ چچ اتنی دیر میں تم پانی لے آتیں۔ خیر چھوڑو مجھے کوئی ایسی پیاس نہیں تھی۔"

"توبہ۔ کتنے کاہل ہو تم لوگ۔ پانی نہیں پی سکتے۔" صباحت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چارج گئے ہیں۔ بوا سے چائے کا بھی کہہ دینا۔" مدیحہ نے جھٹ دوسرا کام بھی کہہ دیا۔

صباحت اس کی کاہلی پر تاسف سے سر جھٹکتی کمرے سے نکل گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

عدیل بھائی کی آمد کی اطلاع نے سارے گھر میں ہلچل مچا دی تھی۔ اماں جی اور اباجی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ روزانہ ایک ایک کو بلا کر اس کے سپرد کوئی نہ کوئی کام کرتے اس کے بعد خود بھی سر پر جا کھڑے ہوتے تھے۔

"اباجی! وہ کچھ جھنڈیاں وغیرہ بھی لے آؤں۔ لال پیلی؟"

عمر بظاہر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن اس کی بھوری آنکھوں میں چمکتی شرارت دیکھ کر صباحت اور زرینہ بے ساختہ ہنسیں۔ جبکہ مدیحہ اس کے ساتھ مل گئی۔

"ہاں اباجی! پورے گھر کو جھنڈیوں سے سجائیں گے۔ شاندار استقبال ہونا چاہیے عدیل بھائی کا جیسے کوئی پرائم منسٹر آ رہا ہو۔" احمر نے ٹکڑا لگایا۔

"کون آ رہا ہے۔" اماں جی سمجھیں نہیں۔

"وزیر اعظم اماں جی! وزیر اعظم۔" عمر زور دے کر بولا۔

"ہائیں! وزیر اعظم اپنے گھر آ رہا ہے کیوں؟" اماں جی ایک ایک کی شکل دیکھنے لگیں۔

"کیا فضول باتیں لے کر کھڑے ہو گئے ہو تم لوگ۔ جاؤ فلائٹ کا ٹائم معلوم کرو۔" اباجی نے ٹوکا۔

"اباجی! میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔" مدیحہ نے کہا تو احمر اباجی کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔

"جی نہیں۔ خواتین سب گھر پر رہیں گی۔ صرف مرد حضرات جائیں گے۔"

"میں آپ سے تو بات نہیں کر رہی۔" مدیحہ کو اس کی مداخلت سخت بری لگی۔

"میں بھی اباجی سے کہہ رہا ہوں۔ اباجی! خواتین کو لے کر جانے کی غلطی نہیں کیجیے گا کیونکہ عدیل بھائی کو نکلنے میں دیر لگے گی اور اتنی دیر یہ لوگ وہاں کیا کریں گی۔"

احمر نے مدیحہ کے تپے ہوئے چہرے سے نظریں ہٹا کر اباجی سے کہا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو لیکن بچیوں کو شوق ہے۔" اباجی مدیحہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "[illegible] کر سب چلیں گے۔"

"تھینک یو اباجی!" وہ احمر کو چڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

مقررہ وقت پر سب ایئرپورٹ پہنچے تو آگے بڑے بھائی اپنے بال بچوں سمیت موجود تھے۔ جنہیں دیکھ کر اماں جی کو شکیل بھائی کی کمی محسوس ہونے لگی تھی کہ دو بیٹے پاس کھڑے تھے۔ تیسرا آنے والا تھا جب ہی ان کا دھیان شکیل بھائی کی طرف چلا گیا تھا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں اماں جی! ادھر دیکھیں عدیل بھائی آ رہے ہیں۔" آسیہ نے ایک ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کر اشارے سے بتایا پھر ہاتھ ہلانے لگی۔

"ارے! ثمو اور ربی کتنی بڑی ہو گئی ہیں۔" میمونہ بھابھی عدیل کی بیٹیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر یاسمین تو بیٹیوں کے ساتھ جلدی ان تک آن پہنچی جبکہ عدیل بھائی کو کچھ دیر لگ گئی۔ اور سب سے ملتے ہوئے جب مدیحہ اور صباحت کے پاس رکے تو خاصے محظوظ انداز میں باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"آپ دونوں میں مدیحہ کون ہے اور صباحت کون۔"

"آپ بتائیں۔" مدیحہ فوراً بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ایک بچی کے چہرے پر تل تھا لیکن یہاں تو دونوں کے چہروں پر نظر آ رہا ہے۔" عدیل بھائی نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر پلٹ کر یاسمین سے بولے "تم پہچان سکتی ہو؟"

"نہیں۔" یاسمین دلچسپی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی نہیں پہچان سکتا چاچو، سوائے نبیل بھائی کے۔" عمر نے کہا تو عدیل بھائی کچھ حیران ہو کر نبیل سے مخاطب ہوئے۔

"واقعی۔ تم پہچان لو گے نبیل؟"

نبیل سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر گھبرا گئے تھے جب ہی نفی میں سر ہلا دیا۔

"کوئی سوال کریں بھائی! مدیحہ پہلے جواب دے گی۔" عقب سے آسیہ نے سرگوشی میں کہا جسے سن کر عدیل بھائی پوچھنے لگے۔

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟"

"ٹینتھ!" مدیحہ نے بتایا تو انہوں نے فوراً اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکرا کر بولے۔

"میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا تھا۔ آپ مدیحہ ہو۔"

"آپ کو نبیل بھائی نے بتایا ہے۔" گویا وہ بھی جانتی تھی کہ اسے نبیل ہی پہچان سکتے ہیں۔ نبیل نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

جب تک عدیل بھائی بزنس اور گھر کی سیٹنگ نہ کر لیتے انہیں یہیں سب کے ساتھ رہنا تھا اور اب کیونکہ بچے بڑے ہو گئے تھے اس لیے جگہ کم لگ رہی تھی۔ لیکن کسی نے جگہ کی تنگی پر کوئی آواز نہیں اٹھائی تھی اس کے باوجود آسیہ کو اپنے آپ احساس ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے سب پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ اگر یہاں نہ ہوتی تو عدیل بھائی آرام سے رہ سکتے تھے۔

میں کس حساب سے یہاں قبضہ جمائے بیٹھی ہوں۔ اماں جی اور ابا جی کی خواہش ہو گی کہ عدیل طویل عرصہ باہر رہنے والا بیٹا اب ان کے پاس رہے۔ اور ہو سکتا ہے عدیل بھائی بھی یہی چاہتے ہوں۔ میری وجہ سے خاموش ہوں گے لیکن مجھے خیال کرنا چاہیے۔"

آسیہ کھانے کے بعد یونہی ٹہلتی ہوئی ٹیرس پر آ کر بیٹھی تھی کہ ان سوچوں میں گھر کر اٹھنا بھول گئی تھی۔

"پھپھو!" نبیل نے پکارا تب وہ چونکی جبکہ اس سے پہلے ان کی اسٹک کی آواز بھی سن رہی تھی۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

"بس یونہی۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟" آسیہ نے گہری سانس کے ساتھ پوچھا۔ نبیل نے آگے آ کر اس کے سامنے کرسی سنبھال لی۔

"ڈیڈی نے بلایا تھا۔ شام میں ان کی طرف چلا گیا۔"

نے یونہی پوچھ لیا۔

"کوئی کام تھا بڑے بھیا کو؟"

"جی کہہ رہے تھے۔ سمیر کو پڑھا دیا کروں' اس کے ایگزام قریب ہیں۔"

نبیل کے جواب پر اس نے کچھ بے دھیانی میں سر ہلایا پھر لابی میں نظر ڈال کر بولی۔

"ان دونوں کی آواز نہیں آ رہی۔ سو گئیں کیا؟"

"نہیں' نیچے ہیں۔ اتنے عرصے بعد چاچو آئے ہیں' اس لیے کچھ دن تو ہلا گلا رہے گا۔" نبیل نے اس خیال سے کہا کہ کہیں وہ مدیحہ اور صباحت کو بلا کر ان پر پابندی نہ لگا دے۔

"ہاں' بہت عرصے بعد آئے ہیں عدیل بھائی اور میں سوچ رہی ہوں' اب انہیں یہیں رہنا چاہیے۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔

"تو کیا وہ تھوڑے دنوں کے لیے آئے ہیں؟" نبیل نے پوچھا۔

"نہیں۔ آئے تو مستقل ہیں۔ یہیں رہنے سے میرا مطلب ہے اس گھر میں' اماں جی اور ابا جی کے پاس۔ مگر ہماری وجہ سے شاید وہ یہاں نہ رہ سکیں۔ اور میں سوچ رہی ہوں ان کے بجائے ہمیں اپنے لیے الگ گھر کا انتظام کرنا چاہیے۔ ہم افورڈ بھی کر سکتے ہیں اور میرا خیال ہے مجھے اب کسی بات کی کوئی فکر نہیں ہوگی کیونکہ میرا بیٹا ماشاء اللہ جوان ہو گیا ہے۔"

آخر میں نبیل کو دیکھتے ہوئے آسیہ نے مسکرا کر سر اونچا کیا تھا۔

"سوچ تو آپ ٹھیک رہی ہیں پھوپھو! لیکن پتا نہیں ابا جی مانیں گے کہ نہیں اور شاید عدیل چاچو بھی نہ مانیں۔" نبیل نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"میں صبح ہی ابا جی سے بات کروں گی اگر انہوں نے مجھ سے اتفاق کر لیا تو پھر عدیل بھائی کو وہ خود ہی سمجھا دیں گے۔ ویسے بھی بیٹا! ہمارے لیے گھر کا کوئی مسئلہ نہیں ہے' اپنا اپارٹمنٹ ہے' اسے فوری خالی کروا کر ہم وہاں شفٹ ہو سکتے ہیں۔ میرا کلینک بھی وہاں سے قریب پڑے گا اور مدحو' صبا کو بھی زیادہ پرابلم نہیں ہوگی۔ یہ دونوں ابھی تک نیچے ہیں؟"

آسیہ کو ان کا نام لیتے ہی خیال آگیا تھا۔ "میں دیکھ رہی ہوں۔ پڑھائی سے دونوں بھاگنے لگی ہیں۔ تم انہیں ڈانٹتے کیوں نہیں ہو۔ بڑے بھائی ہو' رعب میں رکھا کرو۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو! پڑھنے میں دونوں اچھی ہیں۔" نبیل نے ان کی طرفداری کی۔

"خاک اچھی ہیں۔ میٹرک میں کسی ایک نے پوزیشن نہیں لی۔" آسیہ کو واقعی اس بات کا افسوس تھا کہ پڑھائی کے معاملے میں ایک بھی اس پر نہیں گئی تھی۔ اور ابھی وہ مزید انہیں نالائق اور لاپروا جیسے خطاب سے نوازتیں زینے سے ان کے ہنسنے اور بھاگنے کی آواز آنے لگی جس پر وہ قدرے غصے سے بولی۔

"دیکھو' یہ حال ہے ان کا۔"

"پھوپھو! ابھی عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے' پلیز ڈانٹیے گا نہیں۔" نبیل نے پہلے سے ان کی سفارش کر دی۔

"میں تمہیں ڈانٹوں گی اگر جو یہ امتحانوں میں فیل ہوئیں تو۔" آسیہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں ہوں گی۔" نبیل نے یقین سے کہا اور جیسے ہی وہ دونوں سامنے آئیں۔ قدرے رعب سے بولے۔

"کیوں فضول باتوں میں وقت گنوا رہی ہو' کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر میں پڑھنے کے لیے کہوں تو نیند آنے لگے گی تمہیں۔"

"مجھے پہلے سے آ رہی ہے۔" مدیحہ نے فوراً لمبی جماہی لی۔

"اور تمہیں؟" نبیل نے صباحت کو دیکھا تو وہ منمنائی۔

"بارہ بج چکے ہیں نبیل بھائی اور صبح کالج بھی جانا ہے پھر بھی اگر آپ کہتے ہیں تو ہم ایک دو گھنٹے"

"ہم نہیں صرف تم" مدیحہ فوراً ٹوک کر بولی۔ "میں تو دو منٹ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ سخت نیند آ رہی ہے جاؤں نبیل بھائی۔"

"جانے سے پہلے سن لو کہ کل سے تم دونوں کو ٹھیک نو بجے میرے کمرے میں موجود ہونا ہے کتابوں سمیت۔ انڈراسٹینڈ۔" ان کی سخت تنبیہہ پر دونوں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آسیہ نے اباجی کے سامنے اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کی تجویز رکھی تو نہ صرف انہوں نے بلکہ نبیل بھائی نے بھی مسترد کر دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ آسیہ کو ہم نے ایک بار اس گھر سے رخصت کیا تھا اگر دوبارہ گھر بسانے پر آمادہ ہوتی تو ہم پھر اسی طرح رخصت کر سکتے تھے لیکن اس طرح اس گھر سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آسیہ میں یوں بھی من مانی کی عادت نہیں تھی۔ اس نے شروع سے اپنے حق میں والدین اور بھائیوں کے فیصلے کو تسلیم کیا تھا۔ اگر خود سے کوئی فیصلہ کیا بھی تو اس میں والدین کی رضامندی شامل ہوتی تھی۔ اس لیے بھی کوئی اس سے ناراض نہیں ہوا۔ سب خوش تھے۔ اور سب کی خوشی میں وہ چاہے خوش تھی کہ نہیں لیکن یہ ضرور تھا کہ اس کے دل پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ بہرحال جب یہ طے ہو گیا کہ اسے یہیں رہنا ہے تب اس نے اپنے ڈرائنگ روم میں ایک بیڈ رکھوا کر وہ کمرہ عدیل بھائی کی دونوں بیٹیوں ثمو اور ربیل کے حوالے کر دیا تھا۔

اس وقت مدیحہ ان دونوں کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی ہانک رہی تھی کہ نبیل بھائی دروازے میں آ کر پکار کر بولے۔

"مدیحہ! ٹائم کیا ہوا ہے؟"

"ٹائم۔ ٹائم۔" مدیحہ نے وال کلاک کی تلاش میں سر گھما گھما کر چاروں اور نظر دوڑائی پھر اپنی خالی کلائی سامنے کر کے بولی۔ "سوری نبیل بھائی میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔ ایسا کریں کچن میں سامنے کلاک ہے وہاں دیکھ لیں۔"

"میں دیکھ چکا ہوں۔ چلو اٹھو۔ کتابیں لے کر میرے کمرے میں جاؤ۔" وہ اس کے انجان بننے کو یکسر نظر انداز کر گئے۔

"اُف۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آپ چلیں۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔ بس دو منٹ ثمو سے۔"

"ثمو کہیں نہیں جا رہی۔ تم اس سے دو منٹ نہیں دو گھنٹے باتیں کرنا لیکن پڑھنے کے بعد۔ چلو اٹھو۔" وہ ذرہ برابر رعایت دینے کو تیار نہیں ہوئے تو وہ اٹھتی ہوئی ثمو سے بولی۔

"بہت ظالم ہیں یہ۔ ان سے کبھی دوستی نہیں کرنا۔"

نبیل خاموش کھڑے رہے اور جب وہ بڑبڑاتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئی تب وہ ثمو اور ربیل کو دیکھ کر مسکرائے۔

"میں آپ کو بھی پڑھاؤں گا لیکن جب آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا تب۔"

"تب ہم یہاں تو نہیں ہوں گے نبیل بھائی۔" ربیل نے کہا۔

"تم کہیں بھی ہو۔ میں وہیں آ جاؤں گا۔ اوکے۔"

وہ کمرے سے جیسے ہی پلٹے تھے ان کی اسٹک کارپٹ میں الجھ کر ہاتھ سے نکل گئی اور اس سے پہلے کہ وہ جھک کر اٹھاتے ثمو نے بہت تیزی سے آ کر اسٹک اٹھا کر انہیں تھمائی تھی جس سے ان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ شاید اس طرح کی ہمدردیاں انہیں محرومی کا احساس دلاتی تھیں بہت کوشش سے وہ "شکریہ" کہہ کر اپنے کمرے میں آئے تو مدیحہ جانے کس بات پر صباحت سے الجھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر ایکدم خاموش ہو گئی اور جب وہ بیٹھ گئے تب کہنے لگی۔

"آپ ایک ہی وقت میں ہم دونوں کو نہیں پڑھا سکتے نبیل بھائی۔ کیونکہ ہمارے سبجیکٹ الگ الگ ہیں۔"

"صبا! تم چائے بنا کر لاؤ۔" انہوں نے بڑے آرام سے صبا کو بھیج کر مدیحہ کے سامنے کتاب کھول دی تھی۔ اور ان کا [illegible]

پڑھانے کا تھا لیکن اس سے پہلے ہی احمر، سونیا، عمر اور ثوبیہ نے آ کر ان کے کمرے پر دھاوا بول دیا۔
کچھ دیر تم لوگ ثمو اور روبی کے پاس بیٹھو لیکن عمر جا کر ان دونوں کو بھی ادھر ہی لے آیا تھا۔

"آپ لوگ ذرا پہلے آجاتے۔" مدحیہ جلدی جلدی کتابیں سمیٹتی ہوئی بولی۔

"ہمیں کیا پتا تھا کہ یہاں تم پر ظلم ہو رہا ہے پھر بھی دعائیں دو ہمیں کہ جلدی چھٹی ہو گئی۔" احمر نبیل کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

"اصل میں نبیل بھائی! آج چھٹی ہے ناں۔ اور ہاں شکیل چچا آ رہے ہیں کل فیملی کے ساتھ۔ ابھی ان کا فون آیا تھا۔" عمر نے بتایا تو مدحیہ کچھ افسوس سے بولی۔

"کل کیوں آ رہے ہیں۔ ہمارے امتحانوں کے بعد آتے تب میں فارغ ہوتی تو ان کے ساتھ اسلام آباد جاتی۔ ایمان سے مجھے بہت شوق ہے اسلام آباد، مری، سوات وغیرہ جانے کا۔"

"لاؤ ہاتھ دکھاؤ، اسلام آباد جانے کی لکیر ہے کہ نہیں۔" عمر نے اس کی کلائی جھپٹتے ہوئے کہا تو سب [illegible] ہنسے۔

"آپ کو ہاتھ دیکھنا آتا ہے عمر بھائی؟" روبی نے بہت شوق سے پوچھا۔

"سارے کام آتے ہیں اسے۔" عمر سے پہلے مدحیہ اس کی تعریف میں شروع ہو گئی۔ "لیکن آج تک [illegible] ایک کام بھی نہیں کیونکہ ایک تو بے چارے کو بھولنے کی عادت ہے، دوسرے گھر سے نکلتے ہی اس کی [illegible] جاتی ہے۔ کبھی اس کے ساتھ کہیں جانے کی غلطی مت کرنا۔ تمہیں راستے ہی میں کہیں چھوڑ دے گا۔"

"یہ یہ۔ سراسر بے ایمانی ہے مدحو۔" عمر نے احتجاج کیا۔ "روبی! اس کا یقین نہیں کرنا، یہ بہت [illegible] ہے۔"

"ہاں یہ بھی جھوٹ ہے کہ۔۔۔" مدحیہ کوئی واقعہ سنانے جا رہی تھی کہ وہ چیخ پڑا۔

"بس چپ ہو جاؤ۔"

"اوں ہوں!" نبیل نے ٹوکا۔ "چلاؤ نہیں عمر! اور مدحیہ یہ کیا حرکت ہے؟"

"میں کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں اور آہستہ آہستہ ثمو اور روبی بھی جان جائیں گی۔" مدحیہ عمر کو [illegible] تو اس نے یوں منہ پر ہاتھ پھیرا جیسے چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔

"ایک بات بتاؤ۔" ثمو نے مدحیہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "تمہیں اور صبا کو ایک جیسی شکل کی وجہ سے [illegible] پرابلم بھی ہوتی ہے۔"

"ہمیں کیوں ہو گی پرابلم، دوسروں کو ہوتی ہے۔" صباحت نے فوراً کہا تو مدحیہ اسے دیکھ کر بولی۔

"کیوں ہمیں نہیں ہوتی کیا۔" پھر ثمو سے کہنے لگی۔ "پہلے اسکول میں اور اب کالج میں بھی لڑکیاں [illegible] ہیں۔ روک روک کر پوچھتی ہیں۔ سنو تم مدحیہ ہو کہ صباحت۔ خوامخواہ میں ہی نہ کوئی اور بات کرنا ہو نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ بس یہی پوچھیں گی۔"

"تمہاری غلطی ہے ناں۔ تم اگر صباحت جیسا تل بنانا چھوڑ دو تو کوئی بھی نہیں پوچھے گا۔" سونیا نے [illegible] انگوٹھے سے اپنا تل مٹاتی ہوئی بولی۔

"میں ہمیشہ تو نہیں لگاتی۔"

"یہ کیا فضول باتیں لے بیٹھی ہو تم لوگ۔" احمر ٹوکتے ہوئے بولا۔ "نبیل بھائی بھی بور ہو رہے ہیں۔"

"میں ابھی بوریت دور کرتا ہوں۔ نبیل بھائی ایک شعر سنیے۔" عمر فوراً موڈ میں آ گیا۔ "اجازت ہے"

"ارشاد ارشاد!" لڑکیوں نے کورس میں کہا۔

"وہ کیا ہے کہ ہاں۔"

انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا اب کدھر جا رہا ہے

عمر نے اچھے بھلے شعر کی آخر میں ریڑھ لگادی۔ جس پر سب بے ساختہ ہنسے لیکن صبا کو بالکل اچھا نہیں لگا۔
"عمر پلیز! ایسے نہیں کرو۔ ٹھیک سے سناؤ۔"
"ٹھیک ہے اچھا لو۔ ٹھیک سے سنو۔"

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نجانے کس گلی میں کتوں سے پالا پڑا جائے

"بس کریں" صباحت چیخ پڑی۔ جس سے اس کی شاعری سے وابستگی ظاہر ہو رہی تھی۔
نبیل نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا پھر مسکرائے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

شکیل بھائی کی اسلام آباد سے آمد کا مقصد ایک تو عدیل سے ملاقات دوسرے اپنے بیٹے اشعر کے لیے سونیا کو مانگنا تھا۔ گو کہ ابھی اشعر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا لیکن ادھر سونیا گریجویشن کر چکی تھی اور کیونکہ شکیل بھائی اور سیما بھابھی کا پہلے سے ارادہ تھا اسے بہو بنانے کا اس لیے انہوں نے ابھی بات کرلینی مناسب سمجھی تاکہ اور کوئی پروپوزل ہو تو اسے صاف منع کر دیا جائے۔ یوں بھی پہلا حق قریبی رشتوں کا ہی ہوتا ہے۔ جب شکیل بھائی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو خصوصاً" اماں جی اور ابا جی بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ ماں باپ کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور محبت کرنے والی ہو۔ بہرحال طے یہ پایا کہ ابھی منگنی کر دی جائے اور سال دو سال بعد جب اشعر اپنے پیروں پر کھڑا ہو تب شادی ہوگی۔
منگنی کی باقاعدہ تقریب کی کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی کیونکہ گھر کی بات تھی لیکن اتنے عرصے بعد ابا جی کی ساری اولادیں اکٹھی ہوئی تھیں تو انہوں نے باقاعدہ تقریب کا کہہ کر سب میں ہلچل مچا دی تھی۔ کیونکہ وقت کم تھا۔ دو روز بعد شکیل بھائی کو واپس جانا تھا۔ اور ایک دن میں سارا انتظام۔ لڑکے باہر کے کاموں میں اور لڑکیاں گھر میں بھاگتی پھر رہی تھیں۔ شام سے پہلے سب کام ہو گئے اس کے بعد سب کو اپنی اپنی تیاری کی فکر۔
"صبا! تمہارے پاس ایسا دوپٹہ ہے۔" ثوبیہ پرپل کلر کا سوٹ لیے صباحت کے پاس آکر پوچھنے لگی تو وہ جو اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ چھوڑ کر سوچنے کھڑی ہو گئی۔
"ایسا دوپٹہ۔ ہاں مدحو کے پاس ہوگا۔ اس سے لے لو۔"
"کہاں ہے مدحو؟"
"ابھی تو یہیں تھی۔ اچھا ٹھہرو، میں دیتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑوں پر استری پھیری پھر پلنگ پر نکال کر ثوبیہ سے سوٹ لے کر الماری میں اس کا ہم رنگ دوپٹہ تلاش کرنے لگی۔
"صبا! میرے کپڑے استری ہو گئے۔" مدحیہ غالباً سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی تھی۔ سانس پھول رہی تھی۔
"ہاں!" اس نے الماری کے اندر سے جواب دیا۔ "وہاں رکھے ہیں لے لو۔"
"تم کیا تلاش کر رہی ہو؟" مدحیہ نے پوچھا۔
"یہ!" دوپٹہ نکال کر پلٹی پھر ثوبیہ سے پوچھنے لگی۔ "استری کر دوں؟"
"نہیں میں کر لوں گی، شکریہ۔" ثوبیہ اس کے ہاتھ سے دوپٹہ اور کپڑے لے کر چلی گئی۔ تو اس نے مدحیہ کو دیکھا جو اچانک جانے کس بات پر ہنسنے لگی تھی۔
"تم کیوں ہنس رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔
"وہ عمر بھائی پتا ہے کیا کہہ رہے ہیں کہ وہ بھی اشعر بھائی کے ہم عمر ہیں اس لیے ان کی منگنی بھی ہونی چاہیے۔" کتنی دیر سے امی جی سے الجھ رہے ہیں۔" مدحیہ نے اسی طرح ہنستے ہوئے بتایا۔
"واقعی۔ ویسے کہہ تو ٹھیک رہے ہیں۔ جب اشعر بھائی کی ہو رہی ہے تو ان کی بھی ہونی چاہیے۔" صباحت نے ذرا دیر کی خوشگوار حیرت کے بعد سنجیدگی سے کہا۔
"تو تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔" مدحیہ نے یوں سر جھٹکا جیسے وہ احمق ہو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"اگر تم ٹھیک کہہ رہی ہو تو پھر نبیل بھائی کیوں خاموش ہیں۔ احتجاج تو انہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑے ہیں۔ پہلے ان کی ہونی چاہیے لیکن ان سے شادی کون کرے گا وہ تو لنگ......"

صباحت نے فوراً" مدیحہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ کیونکہ وہ آسیہ کے ساتھ نبیل کو اندر آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔

نبیل کا چہرہ یکبارگی سیاہ پڑ گیا تھا۔ اور آسیہ نے انتہائی غصے میں مدیحہ کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"اوں اوں۔" مدیحہ نے جھٹک کر صباحت کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹایا اور جیسے ہی پلٹی آسیہ کو دیکھ کر سٹپٹا گئی۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم؟" آسیہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور غالباً" اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا کہ عقب سے نبیل نے اس کی کلائی تھام لی۔

"نہیں پھوپھو!"

✿ ✿ ✿

"چھوڑو نبیل! میں اس کی زبان کاٹ دوں گی۔" آسیہ اپنی کلائی چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے بولی۔

"پھوپھو پلیز! آپ کو میری قسم۔" نبیل نے فوراً" اپنی قسم دی جس سے آسیہ کے کھولتے وجود پر اوس پڑ گئی تھی۔

"آیئے چلیں! اپنے کمرے میں چلیں۔"

آسیہ مدیحہ کو گھورتی ہوئی فوراً" کمرے سے نکل گئی تو بابر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ نبیل کو روک کر اس سے معذرت کرے یا پہلے مدیحہ کو دیکھے جو آسیہ کے جاتے ہی بیڈ پر اوندھی گر گئی تھی۔ خود کو انتہائی مشکل میں محسوس کرتے ہوئے اس نے بے بسی سے نبیل کو دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر مدیحہ کی طرف اشارہ کیا پھر اپنی اسٹک تھام کر چلے گئے۔

"مسنو مدیحہ! اگر تم اپنی غلطی پر نادم ہو کر رو رہی ہو تب تو ٹھیک ہے؟"

اس نے مدیحہ کو مخاطب کر کے اسی قدر کہا تھا کہ وہ جھٹکے سے سیدھی ہو کر بولی۔

"کون سی غلطی کی ہے میں نے جس پر نادم ہو کر روؤں گی۔"

"ایک تو تم اپنی غلطی بھی تسلیم نہیں کرو گی خیر چھوڑو۔ اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پھر نیچے چلتے ہیں۔" اس نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوئی تیار نہیں ہو رہی اور نہ نیچے جاؤں گی۔" مدیحہ ضدی لہجے میں کہتی دوبارہ اوندھی ہو گئی۔

"دیکھو خوشی کا موقع ہے۔ اس طرح مت کرو۔ بہت بری بات ہے۔ چلو اٹھو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کچھ ملی جلی آوازوں نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

"سب لوگ یہاں آ رہے ہیں کیا؟" وہ مدیحہ کو چھوڑ کر کمرے سے نکل کر آئی تو دیکھا۔ میمونہ بھابھی آسیہ کے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں اور ان سے پہلے پتا نہیں کون کون اندر گیا تھا۔

"تائی جی!" اس نے بے ساختہ پکارا۔ اور میمونہ بھابھی کے پلٹ کر دیکھنے پر پوچھا۔ "کون آیا ہے؟"

"کوئی نہیں۔" میمونہ بھابھی نے کہا اور آسیہ کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تو اسے کچھ عجیب سا لگا۔ کچھ دیر وہیں کھڑی اپنے آپ قیاس کرتی رہی پھر نبیل سے پوچھنے کے ارادے سے ان کے کمرے میں گئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"تمہیں معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں مدیحہ کی نادانیوں کا برا نہیں مانتا۔"

"بدتمیزی کو آپ نادانی کہہ رہے ہیں نبیل بھائی! خیر اس وقت میں اس کی طرف سے معذرت کرنے نہیں آئی بلکہ یہ پوچھنے آئی ہوں کہ مما کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں نبیل نے الٹا اس سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں نے ابھی مامی جی کو جاتے ہوئے دیکھا ہے اور بھی پتا نہیں کون کون ہے اور انہوں نے دروازہ بھی بند کر لیا ہے۔"

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہوگی کوئی ایسی بات جو بچوں کے سامنے کرنے کی نہیں ہوگی۔" نبیل نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر گویا اسے تسلی دی۔

"نہیں نبیل بھائی! مجھے تو کوئی گمبھیر مسئلہ لگتا ہے۔ آپ جا کر معلوم کریں ناں۔" اس نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تب ہی بوا دروازے تک آ کر نبیل سے بولیں۔

"میاں! تم کو آسیہ بی بی بلا رہی ہیں۔"

"کہاں بوا! اپنے کمرے میں؟" اس نے فوراً بوا سے پوچھا تو نبیل ٹوک کر بولے۔

"صبا! تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ جاؤ نیچے سونیا وغیرہ کے پاس جاؤ۔"

پھر اسے ساتھ لیے ہوئے کمرے سے نکلے اور آسیہ کے دروازے پر رک کر اسے آگے جانے کا اشارا کیا تو وہ جز بز ہو کر قدرے سست روی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی آئی۔

"تم!" برآمدے میں ٹہلتا ہوا احمر رک کر غور سے اسے دیکھنے لگا تو عقب سے عمر شرارت سے بولا۔

"بڑے بھائی! پہلے تصدیق کر لیجیے۔"

"وہی کر رہا ہوں۔" احمر پہلے بے دھیانی میں بولا۔ پھر ایک دم سٹپٹا گیا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں کیا پہچانتا نہیں ہوں۔ یہ صبا ہے، صبا میری پیاری بہن۔"

"پیاری بہن! تمہاری پیاری بہن کہاں ہے؟" عمر نے اس کے قریب آ کر مدیحہ کے بارے میں پوچھا تو وہ جو ان دونوں کی باتوں پر حیران ہو رہی تھی، اسی عالم میں بولی۔

"وہ رو رہی ہے۔"

"ہائیں! یہ رونے کا کون سا وقت ہے، مطلب موقع ہے۔ کچھ دیر پہلے تو یہاں ٹھیک ٹھاک کھڑی تھی۔ پھر کیا ہوا؟"

عمر پوچھ اس سے رہا تھا اور دیکھ احمر کو رہا تھا جیسے مدیحہ کے رونے کا سبب وہی ہو۔

"بس وہ۔ مما نے ذرا سا ڈانٹ دیا تو وہ رونے لگی اور یہ آپ دونوں اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہیں۔" وہ باری باری دونوں کو دیکھنے لگی۔

"میں نہیں صرف احمر بھائی۔ بے چارے بڑے صبر آزما لمحات سے گزر رہے ہیں اس لیے کچھ بوکھلا گئے ہیں۔" عمر نے کہا تو اسے ایک دم مدیحہ کی بات یاد آئی۔ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ مدحو بتا رہی تھی کہ آپ بھی منگنی کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس نے یہ نہیں بتایا ہوگا کہ یہ اسی سے کرنا چاہتے ہیں۔" عمر نے فوراً کہا تو خوشگوار حیرت کے باعث اس کا پورا منہ کھل گیا۔

"منہ بند کرو، مکھی چلی جائے گی، اور جلدی سے بتاؤ کیا طے پایا؟" عمر نے ٹوک کر پوچھا۔

"تو کیا مما کے کمرے میں یہی طے پا رہا ہے۔ مجھے نہیں پتا۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔" وہ تیزی سے پلٹی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آئی تو آسیہ کے کمرے کے بند دروازے پر بس ایک لحظہ کو رکی پھر اپنے کمرے میں آ گئی اور اوندھی پڑی مدیحہ کے برابر کرتے ہوئے بولی۔

"سنو! احمر بھائی اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یعنی اشعر بھائی کے ساتھ ان کی منگنی کا پروگرام بھی طے پا رہا ہے۔"

"میں کیا کروں؟" مدیحہ کا غصہ اور ناراضگی ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی۔
"ہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ تم تو بڑے آرام سے دلہن بن کر بیٹھ جاؤ گی۔" اس نے کہا تو مدیحہ ایکدم سر اٹھا کر کے اسے دیکھنے لگی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"مطلب یہ کہ مما کے کمرے میں سب جمع ہیں اور نیچے احمر بھائی بے چارے بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ مما کیا فیصلہ کرتی ہیں۔"
اس نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو مدیحہ کے چہرے پر نہ صرف رنگ اترے بلکہ وہ گھبرا بھی گئی تھی کیونکہ ابھی وہ عمر کے اس حصے میں داخل ہوئی تھی جہاں پہلی دستک ہر حال میں اثر دکھاتی ہے۔ اور یہاں پہلی دستک بڑی زوردار تھی۔ پتا نہیں احمر کب سے اس کے بارے میں اس انداز سے سوچنے لگا تھا۔ اس پر تو کبھی ظاہر نہیں کیا تھا یا ہو سکتا ہے وہ نہ سمجھی ہو۔
"سنو۔ کبھی احمر بھائی نے تم سے ــــ" بات ابھی صباحت کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ فوراً" نفی میں سر ہلا کر بولی۔
"نہیں۔ مجھ سے کبھی کچھ نہیں کہا انہوں نے۔"
"پھر تو بڑے چھپے رستم ہیں۔ منگنی ہو جائے پھر پوچھوں گی ان سے۔ ارے یہ تو مامی جی کی آواز ہے۔ لگتا ہے سب لوگ نیچے جا رہے ہیں۔ چلو تم جلدی سے اٹھ جاؤ کیونکہ مما اب ادھر ہی آئیں گی۔"
صباحت آوازوں پر کان لگا کر جلدی جلدی بولتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو مدیحہ بھی فوراً" اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔
کچھ دیر بعد آسیہ ان کے کمرے میں آئی اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس سے پوچھنے لگی۔
"مدحو کہاں ہے؟"
"واش روم میں۔" اس نے بتایا اور بے اختیار بڑھ کر آسیہ کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔ "مما! آپ مدحو کی شادی کر رہی ہیں؟"
"شادی نہیں انگیجمنٹ احمر کے ساتھ۔ مدحو کو بتا دو اور اسے تیار کر کے نیچے سونیا کے پاس لے جاؤ۔ بلکہ ایسا کرو۔ سمیہ کو بلا لو وہ اسے تیار کر دے گی، تم اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ اس وقت سے کیا کر رہی تھیں۔" آخر میں آسیہ نے اسے ٹوکا تو وہ کچھ سٹپٹا گئی۔
"وہ مما۔ میں مدحو کا موڈ ٹھیک کر رہی تھی۔ اس وقت آپ نے ڈانٹا تھا تو وہ رو رہی تھی۔"
"اچھا ٹھیک ہے۔ میں سمیہ کو بھیجتی ہوں۔" آسیہ چلی گئی تو اس نے پہلے واش روم کا دروازہ بجا کر مدیحہ کو جلدی نہانے کا کہا پھر الماری کھول کر اس کے لیے دوسرے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔

*_*_*

رات بہت دیر تک خاصا ہنگامہ رہا تھا۔ تین بجے کے قریب سب اپنے اپنے کمروں میں گئے تھے۔ اس لیے صبح کے آغاز پر بے حد خاموشی تھی۔ آسیہ نے خود ہی اپنے لیے چائے بنائی اور مگ لیے ہوئے بیٹیوں کے کمرے میں آ گئی۔
وہ دونوں بے خبر سو رہی تھیں اور آسیہ کا انہیں اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بس دیکھنے چلی آئی تھی کیونکہ رات مدیحہ کی منگنی کر کے جہاں وہ خوش تھی وہاں اس کے اندر عجیب سی بے چینی سما گئی تھی۔ شاید اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی نے اسے خائف کر دیا تھا۔ حالانکہ احمر اس کے سامنے پروان چڑھا تھا۔ بہت محنتی لائق اور ذمہ دار لڑکا جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ بہت ترقی کرے گا، پھر کوئی غیر بھی نہیں تھا۔ یعنی ہر لحاظ سے موزوں، اس کے باوجود اگر وہ مکمل اطمینان سے نہیں ہو رہی تھی تو یہ یقیناً" اس کے اپنے اندر کا خوف تھا جسے برسہا برس کی گرد بھی دھندلانے میں ناکام رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ بیٹیوں کی ماں تھی۔

بہر حال چائے ختم ہونے تک وہ وہیں کھڑی چپ چاپ دونوں کو دیکھتی رہی پھر اسی خاموشی سے ان کے کمرے سے نکل کر آئی تو نبیل کو جاتے دیکھ کر آہستہ آواز میں پکار کر پوچھنے لگی۔
"نبیل! کہاں جا رہے ہو بیٹا؟۔"
"آپ یہاں ہیں پھوپھو میں سمجھا نیچے گئی ہیں۔ آپ کو ہی دیکھنے جا رہا تھا۔" نبیل نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔
"میں ذرا مدحو اور صبا کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی تو نہیں اٹھیں کی یہ دونوں۔ بے خبر سو رہی ہیں۔ چلو ہم ناشتا کر لیتے ہیں۔ بوا کہاں ہیں؟۔" آسیہ کچن کی طرف بڑھ گئی اور نبیل نے ڈائننگ روم کا رخ کیا۔
"سوئے تو تم بھی رات دیر سے تھے پھر جلدی کیوں اٹھ گئے؟۔" کچھ دیر بعد آسیہ ٹیبل پر آئی تو نبیل سے پوچھنے لگی۔
"مجھے آج ڈاکٹر افتخار نے یونیورسٹی بلایا ہے۔ وہیں جاؤں گا۔"
"کب تک لوٹو گے؟۔"
"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں؟۔"
نبیل کا پوری طرح متوجہ ہونا اس بات کا غماز تھا کہ اس کے کام کی خاطر یونیورسٹی جانا ملتوی کیا جا سکتا ہے۔
"نہیں۔ کوئی کام نہیں ہے۔ میں نے اس لیے پوچھا کہ اگر گیارہ بجے تک تمہاری واپسی ممکن ہو تو میری گاڑی لے جاؤ۔"
"کوئی پتا نہیں پھوپھو! دیر بھی ہو سکتی ہے۔ پھر آپ کو کلینک جانے میں پرابلم ہوگی۔ اور ہاں پھوپھو رات سب ساحل پر جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ خصوصاً" اشعر اور سمیہ کیونکہ کل تو وہ لوگ واپس چلے جائیں گے اس لیے آج شام کا پروگرام رکھا ہے۔ آپ مدحیہ اور صبا کو منع تو نہیں کریں گی۔"
نبیل نے اچانک یاد آنے پر پروگرام بتا کر پوچھا۔ تو وہ قدرے رک کر بولی۔
"تم ساتھ جاؤ گے تو منع نہیں کروں گی اور خاص طور پر مدحو کا خیال رکھنا پانی کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہے۔"
"جی۔ میں ساتھ جاؤں گا اور خیال بھی رکھوں گا۔" نبیل نے فوراً" کہا۔ کیونکہ رات مدحو اور صباحت سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ انہیں ساحل پر جانے کی اجازت دلوا دیں گے۔
"اچھی بات ہے۔ میں ذرا نیچے جا رہی ہوں۔ تم جب جانے لگنا تو بوا سے کہنا۔ ان دونوں کو اٹھا دیں۔"
آسیہ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر نیچے آئی تو یہاں بھی سب سو رہے تھے۔ بس ایک میمونہ جاگی تھیں جن کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ اماں جی اور ابا جی کے ناشتے سے فارغ ہو کر پھیلاوا سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔
"بھابھی! بچیاں اٹھیں گی تو کر لیں گی سب۔ آپ کیوں خود کو تھکاتی ہیں۔" اس نے اماں جی کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"بچیوں کے کرنے کو اور بہت سے کام رکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا یہ تھوڑا بہت میں کر لوں۔ ویسے تمہیں پتا ہے، مجھے فارغ بیٹھنے سے وحشت ہوتی ہے۔"
"سب پتا ہے۔" آسیہ مسکرا کر اماں جی کے پاندان پر جھک گئی اور چھالیہ نکال کر سروتا چلایا تو اماں جی جانے کن نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔
"کیا بات ہے اماں جی۔ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟۔"
"رات تمہارے سب بھائی کہہ رہے تھے کہ بچی کی منگنی کر کے تم کچھ چپ چپ سی تھیں۔ وہی دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں کیا خدشہ ہے؟۔" اماں جی نے صاف گوئی سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔
"خدشہ کوئی نہیں ہے اماں جی!" بس خیال آ رہا تھا کہ بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو گئیں۔ پھر سب کچھ اچانک سے ہو گیا۔ اس لیے بھی شاید میں بوکھلا گئی تھی۔"
"ویسے اس رشتے سے خوش تو ہو ناں؟۔" اماں جی جانے کیوں کھوج رہی تھیں۔